عکسی
اسلامی سیاست
المعروف بہ
الاعتدال
ناشر
مکتبۂ زکریّا
شہزادی بلڈنگ متصل جامع مسجد
عالمگیر مارکیٹ۔ لاہور

اِعْدِلُوا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی

اَلْاِعْتِدَالُ فِیْ مَرَاتِبِ الرِّجَالِ

معروف بہ

اِسلامی سیاست عکسی

یعنی

حضرت اقدس مولانا الحافظ الحاج المولوی مُحمد زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہ شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کا

اپنے ایک مخلص خادم و شاگرد کے نام۔ وہ مفصل و مبسوط خط جس میں سیاسی مسائل حاضرہ کے متعلق ساتؔ سوالوں کے جوابات کتاب و سنّت کی روشنی میں انتہائی سنجیدگی اور متانت سے تحریر فرمائے گئے ہیں

یہ ایڈیشن مع اضافات جدیدہ بقلم حضرت مؤلف مدظلہ العالی طبع کرایا گیا ہے۔

مکتبہ زکریا، شہزادی بلڈنگ متصل جامع مسجد عالمگیر مارکیٹ، لاہور

6·00

گذارش ناشر

"الاعتدال فی مراتب الرجال" یہ ایک طویل و عریض خط ہے جس کو حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدظلہ نے اپنے ایک شاگرد کو مسائل حاضرہ کے متعلق سات سوالوں کا جواب دینے کے لئے شعبان ۱۳۵۷ھ میں تحریر فرمایا تھا حضرت موصوف نے اس خط میں ہزارہا احادیث اور بہت سی آیات کا عطر نکال کر رکھدیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جو صاحب اس کو جسقدر پڑھتے جائیں گے اسی قدر اپنی روح میں نشاط محسوس کرینگے۔ اس مفید خط کا مسودہ ابتک حضرت موصوف کے پاس ہی رہا۔ اور وقتاً فوقتاً اسمیں مناسب و مفید اضافے بھی ہوتے رہے۔ میں چونکہ اس خط سے آگاہ تھا اسلئے میں نے بارہا چاہا کہ اس کو طبع کرا کر عامۃ المسلمین کے ہاتھوں تک پہنچادوں۔ مگر حضرت موصوف میری اس دلی خواہش کے مخالف اور سخت مخالف تھے۔ میں جسقدر اصرار کرتا تھا اسیقدر انکار فرمایا جاتا تھا اور ارشاد ہوتا تھا کہ عام اشاعت بے سود ہے صرف مخصوص متعلقین کو دکھایا جاسکتا ہے مگر حسن اتفاق کہ گذشتہ سال حضرت اقدس مولانا الشاہ عبدالقادر صاحب رائپوری مدظلہ کو اس کا علم ہوگیا اور آپ نے اس کو نہایت اہتمام سے حرفاً حرفاً سن کر اس کی طباعت پر زور دیا۔ ادھر کچھ زمانہ کے بعد رئیس المبلغین حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی مقیم نظام الدین دہلی نے بھی اسکو سنا اور طباعت کا تقاضا فرمایا۔ لہذا موصوف کو ان ارشادات گرامی کے بعد انکار کی گنجائش نہیں رہی اور میری دیرینہ تمنا کے پورا ہونے کا وقت آگیا کہ میں یہ دلکش اور نفیس ہدیہ مخلصین کی خدمت میں "الاعتدال فی مراتب الرجال" کے نام سے پیش کرنیکی سعادت حاصل کرتا ہوں اصل خط میں عربی عبارات وغیرہ کا ترجمہ نہ تھا اب طباعت کے وقت حضرت موصوف نے ترجمہ کا اضافہ بھی فرمادیا ہے[ع] تاکہ صرف اردو پڑھے ہوئے حضرات بھی اس سے مستفید ہوسکیں۔ چونکہ مجھ کو یقین ہے کہ جن ہزاروں حدیثوں کو حضرت موصوف نے اس خط میں جمع فرمادیا ہے ان پر کافی جدوجہد سے بھی مطلع ہونا آسان نہ تھا۔ اس لئے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائیوں سے پرزور درخواست کروں گا کہ وہ اطمینان سے غور و تدبر کے ساتھ اس خط کا مطالعہ کریں۔ مجھے امید ہے کہ اسکو افراط و تفریط سے پاک اور عدل و انصاف کے سانچے میں ڈھلا ہوا پائیں گے۔ واللہ الموفق

احقر نصیر الدین

ع نیز اس عکسی ایڈیشن میں عربی عبارات پر اعراب (زبر زیر) بھی لگوا دیئے گئے۔ ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیز گرامی قدر سلمکم اللہ تعالیٰ

بعد سلام مسنون محبت نامہ پہنچا۔ جس خلوص اور جوش سے تم نے لکھا ہے اس سے اور بھی لطف آیا۔ اس قسم کے سوالات تو تحریراً تقریراً کثرت سے ہوتے ہی رہتے ہیں۔ مگر اپنی نااہلی کہوں یا کاہلی، کثرتِ مشاغل سے تعبیر کروں یا تساہل سے۔ اکثر مسائل کے مناسب مختصر جواب لکھ دیتا ہوں یا کہہ دیتا ہوں مفصل لکھوں تو کیسے کیسے لکھوں لیکن تمہارے خلوص اور دوسری خصوصیات نے مجبور کیا کہ کسی قدر تفصیل سے لکھوں۔ تم بھی جوش سے علیحدہ ہو کر ذرا غور سے پڑھنا۔ اور صرف ایک ہی دفعہ نہیں بلکہ بار بار دیکھنا۔ اوّل تو مجھے اس تعلق کی بنا پر جو تم کو ہے خود ہی یقین ہے کہ تم بہت غور سے کئی بار پڑھو گے۔ احتیاطاً میں نے بھی لکھ دیا ہے کہ رنج اور غصّہ اور جذبات سے علیحدہ ہو کر دیکھنا۔ مکرر کہتا ہوں کہ خالی الذہن ہو کر غور سے پڑھنا۔ سمجھ میں آئے قبول کرنا ورنہ کوئی جبر نہیں۔ تمہارے سارے طویل مضمون کا خلاصہ جو میں نے سمجھا ہے چند امور ہیں۔

نمبر ۱۔ حضرت تھانوی اور حضرت مدنی میں باوجود دونوں کے مخلص اور اہل اللہ ہونے کے اتنا شدید اختلاف کیوں ہے۔ کیا مخلصوں اور دینداروں میں بھی ایسا اختلاف ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے؟

نمبر ۲۔ تیرے نزدیک کون حق پر ہے اور ان مسائل میں تیری کیا رائے ہے؟

نمبر ۳۔ ہمیں کیا کرنا چاہیئے کیا مر رہنا چاہیئے۔ تو کہیں شریک کیوں نہیں ہوتا؟

نمبر ۴ - مسلمان تباہ ہوتے جا رہے ہیں آخر ان کو کیا کرنا چاہیئے ؟

نمبر ۵ - اغراض آج کل زیادہ کام کر رہی ہیں - ہر شخص اپنی اغراض کے پیچھے چل رہا ہے -

نمبر ۶ - علماء کا وقار عمداً گرایا جا رہا ہے - بے تکلف سب وشتم کیا جاتا ہے -

نمبر ۷ - علماء کے اختلاف سے بہت نقصان پہنچ رہا ہے -

تمہارے خط کے معظم امور یہ ہیں اور یہ سوالات اکثر و بیشتر تحریراً تقریراً ہوتے رہتے ہیں - اس لئے میں اپنے پریشان خیالات ان امور کے متعلق کسی قدر تفصیل سے لکھتا ہوں - میں یہ نہیں کہتا کہ جو میں لکھ رہا ہوں یہی حق ہے - ہاں یہ ضرور کہتا ہوں کہ میرے ناقص خیالات امور بالا کے متعلق حسب ذیل ہیں - والعلم عند اللہ ؕ

سوال نمبر ا - حضرت تھانوی اور حضرت مدنی میں باوجود دونوں کے مخلص اور اہل اللہ ہونے کے اتنا شدید اختلاف کیوں ہے ؟ کیا مخلصوں اور دینداروں میں بھی ایسا اختلاف ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے ؟

جواب نمبر ا - مخلصین کی جماعت میں اختلاف کا ہونا کوئی مستبعد اور دشوار چیز نہیں ہے - ہمیشہ سے اختلاف ہوتا چلا آیا ہے اور ہمیشہ رہے گا - کوئی عامی ایسی چیز سے پریشان ہو تو بعید نہیں - مگر تم جیسے سمجھدار علمی مناسبت رکھنے والے کو اس سے متعجب ہونے اور اس طرح متاثر ہونے کی کوئی وجہ نہیں - میں تو اس چیز میں اتنا ٹھنڈا ہوں کہ لکھ نہیں سکتا - شوال میں حدیث کے اسباق کی بسم اللہ ہوتی ہے اور رجب میں ختم ہوتی ہے - ان دس ماہ میں اسباق کا کوئی دن بھی ایسا نہیں

گزرتا جس میں کم از کم بیس مرتبہ یہ نہ کہنا پڑتا ہو کہ اس مسئلہ میں فلاں امام کا یہ مذہب ہے اور فلاں کا یہ ہے۔ صحابہ کے یہ مذاہب ہیں تابعین میں یہ اختلاف ہے اگر آپس کا اختلاف ہی اخلاص کے منافی ہوگا تو ہمیں تو بڑی مشکل پیش آجائے گی۔ کہ اُن سب حضرات رضی اللہ عنہم ورحمہم اللہ تعالیٰ کو مخلصین کی جماعت سے خدانخواستہ نکالنا پڑ جائے گا۔ رہا شدید اختلاف ہونا تو میں تو کچھ شدید بھی نہیں سمجھتا۔ اتنا ہی تو ہے کہ ایک وقتی مسئلہ میں ایک حضرت کی رائے یہ ہے کہ لیگ میں شرکت مسلمانوں کے لئے مفید ہے کانگرس میں مضر ہے۔ دوسرے حضرت کی رائے اس کے برعکس ہے۔ اب جو شخص خود اہل الرائے ہے۔ حالات کو دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے، قواعد شرعیہ سے واقف ہے اس کو چاہیئے کہ جس کو دیانۃً حق پر سمجھتا ہے اس کو اختیار کرے۔ جو خود اتنی سمجھ نہیں رکھتا اس کو چاہیئے کہ ان دونوں حضرات کی خدمت میں حاضر ہو، دو چار دن قیام کرے یا اگر حالات سے پہلے سے واقف ہو تو پھر اس کی بھی ضرورت نہیں۔ جونسے حضرت سے عقیدت زیادہ ہو ان کا اتباع کرے۔ بِاَیِّہِمْ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ اس میں لڑائی کی کیا بات ہے اور جھگڑا کیا ہے۔ اور میں پوچھتا ہوں کہ آخر ان اکابر کا اختلاف آپ کی نظر میں شدید اختلاف کیوں ہے؟ کیا یہ اختلاف جنگِ جمل[1] سے بھی بڑھ گیا ہے جس میں دونوں طرف سے تلواریں چل رہی تھیں۔ تم ہی بتاؤ کہ ان میں سے کون سے فریق کو مخلصوں کی جماعت سے نکال دو گے۔ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ

---

[1] یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی ایک مشہور لڑائی ہے جس میں ایک جانب حضرت علیؓ اور دوسری جانب حضرت عائشہؓ تھیں۔ ۱۲

کا اسم گرامی آئے تو رضی اللہ عنہ کہنا ہے، خلیفہ برحق کہنا ہے، مرجع الاولیاء کہنا ہے۔ اور حضرت عائشہؓ کا نام آئے تو رضی اللہ عنہا کہنا ہے۔ ام المومنین کہنا ہے۔ اور حضور سید الکونین کی سب سے زیادہ لاڈلی بیوی کہنا ہے۔ اور اختلاف کا حال معلوم ہی ہے کہ جنگِ جمل کا نام قیامت تک اس اختلاف کی یاد کو باقی رکھنے والا ہے۔ سنو۔ چونکہ میں تم پر اپنا کافی حق سمجھتا ہوں اس لئے زوردار الفاظ میں کہتا ہوں کہ ان دونوں حضرات میں سے کسی ایک کی طرف سے بھی دل میں کدورت نہ لانا۔ اگر خدانخواستہ ایسا کرو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے ان حضرات کا کچھ نقصان نہ ہوگا۔ مجھے تو بعض لوگوں پر جب وہ ان دونوں اکابر میں سے کسی کی شان میں گستاخانہ غلیبت اور بے ادبی کرتے ہیں بہت ہی تعجب ہوتا ہے اور ان اکابر پر رشک آتا ہے کہ یہ حضرات تو اپنے اپنے دینی علمی عملی کارناموں کے ساتھ جن کے ثمرات وہ شب و روز لوٹتے ہیں دوسروں کی نیکیاں بھی سمیٹ رہے ہیں اور یہ بیچارہ غصہ میں یوں کہہ رہا ہے کہ چونکہ مجھے تم پر غصہ بہت ہی آرہا ہے۔ اس لئے میری عمر بھر کی کمائی ہوئی نیکیاں بھی تمہیں لیتے جاؤ۔ کس قدر اپنے اوپر یہ شخص ظلم کرتا ہے کہ غصہ میں اپنی عمر بھر کی کمائی ہوئی نیکیاں ایسے لوگوں کو دے رہا ہے جن سے وہ خفا ہے اور خود فقیر بن رہا ہے اور مجرم بن رہا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے

مَا تَعُدُّوْنَ الْمُفْلِسَ فِيْكُمْ قُلْنَا مَنْ لَا مَالَ لَهٗ قَالَ لَيْسَ بِذَالِكَ وَلٰكِنَّهٗ الَّذِيْ يَاْتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِحَسَنَاتٍ وَيَاْتِيْ قَدْ ظَلَمَ هٰذَا وَشَتَمَ هٰذَا وَاَخَذَ مَالَ هٰذَا وَلَيْسَ هُنَاكَ دِيْنَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ فَيُؤْخَذُوْنَ مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَلَا تَفِيْ فَيُؤْخَذُ مِنْ سَيِّاٰتِهِمْ فَيُطْرَحُ عَلَيْهِ (جمع الفوائد)

حضورؐ نے ایک مرتبہ صحابہ سے دریافت فرمایا کہ تم لوگ کس کو مفلس سمجھتے ہو۔

صحابہ نے عرض کیا جس کے پاس مال نہ ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ مفلس نہیں ہے بلکہ حقیقۃً مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن بہت سی نیکیاں لے کر حاضر دربار ہو مگر دنیا میں کسی پر ظلم کیا تھا، کسی کو گالیاں دی تھیں، کسی کا مال چھین لیا تھا۔ قیامت میں روپیہ پیسہ تو ہے ہی نہیں، وہاں تو سارے حساب نیکیوں اور گناہوں سے پورے کئے جاتے ہیں۔ اس لئے ان مظالم کے بدلے میں اس شخص کی نیکیاں ان لوگوں کو دلائی جائیں گی جن پر ظلم کیا تھا اور ان کو برا بھلا کہا تھا۔ اور جب اس شخص کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو بہر حال اُن کے تو حقوق کو پورا کرنا ہی ہے اس لئے بقدر ان حقوق کے جس قدر گناہ اُن لوگوں کے وزن میں آئیں گے وہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے۔ تو اصل مفلس یہ ہے کہ بہت کچھ کمائی (نماز، روزہ اور دینی کاموں کی) لے کر گیا تھا اور ملا یہ کہ دوسروں کے گناہ بھی سر پڑ گئے۔

مجھے تعجب ہوتا ہے کہ اللہ والوں کی تو غیبت کی جاتی ہے ان کو برا بھلا کہا جاتا ہے اور فساق اور کفار کی تعریفیں کی جاتی ہیں۔ حالانکہ حدیث میں وارد ہے اِذَا مُدِحَ الْفَاسِقُ غَضِبَ الرَّبُّ وَاهْتَزَّ لَہُ الْعَرْشُ (مشکوٰۃ شریف) جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ ناراض ہوتے ہیں اور عرش تھرانے لگتا ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ کسی کی تعریف نہ کی جائے۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ پر ہے کہ کس شخص کی تعریف کس حد تک اور کن قواعد کے تحت میں جائز ہے اور کس حد تک ناجائز ہے۔ میری غرض یہ ہے کہ اللہ والوں کو برا نہ کہا جائے۔ کسی کی خلاف شرح تعریف نہ کی جائے۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ

کسی ایک جانب غلطی ہے تو کیا اس کا مقتضا یہ ہے کہ اُن کے سارے دینی کمالات سے آنکھیں پھوڑ لی جائیں۔ شریعت مطہرہ نے ہم لوگوں کو ایک ایک جزء اور ایک ایک چیز کی تعلیم دی ہے۔ ہم لوگ باوجود ادعائے مذہبیت کے اس کی پروا نہیں کرتے اور دوسری قومیں ان زریں اصولوں پر عمل کر رہی ہیں اور بڑھ رہی ہیں اور ہم لوگ اپنی بے ثباتی ہیں اور نقصان اٹھا رہے ہیں۔ سنو۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ کسی ایک جانب غلطی ہے اور وہ ایسی بھی غلطی ہے کہ تم اس کو قبول کر ہی نہیں سکتے۔ نہ کرو۔ کون مجبور کرتا ہے۔ لیکن اس بارہ میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی وصیت سامنے رکھو انہوں نے ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے اور اللہ ان پر رحمت کرے کس قدر نفیس بات کہی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔ وَ اُحَذِّرُکُمْ زَیْغَۃَ الْحَکِیْمِ فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ قَدْ یَقُوْلُ کَلِمَۃَ الضَّلَالَۃِ عَلٰی لِسَانِ الْحَکِیْمِ وَ قَدْ یَقُوْلُ الْمُنَافِقُ کَلِمَۃَ الْحَقِّ قُلْتُ لِمُعَاذٍ مَا یُدْرِیْنِیْ رَحِمَکَ اللّٰہُ اَنَّ الْحَکِیْمَ قَدْ یَقُوْلُ کَلِمَۃَ الضَّلَالَۃِ وَ اَنَّ الْمُنَافِقَ قَدْ یَقُوْلُ کَلِمَۃَ الْحَقِّ قَالَ بَلٰی اِجْتَنِبْ مِنْ کَلَامِ الْحَکِیْمِ الْمُشْتَہِرَاتِ الَّتِیْ یُقَالُ لَہَا مَا ھٰذِہٖ وَلَا یَثْنِیَنَّکَ ذٰلِکَ عَنْہُ فَاِنَّہٗ لَعَلَّہٗ اَنْ یُّرَاجِعَ وَ تَلَقَّ الْحَقَّ اِذَا سَمِعْتَہٗ فَاِنَّ عَلَی الْحَقِّ نُوْرًا۔

میں تمہیں حکیم کی کجی سے ڈراتا ہوں کہ شیطان کبھی ناحق بات حکیم کی زبان سے کہہ دیتا ہے اور کبھی منافق بھی حق بات کہہ دیتا ہے۔ شاگرد نے عرض کیا۔ اللہ آپ پر رحم کرے جب ایسا ہے تو مجھے کس طرح معلوم ہوگا کہ حق کیا ہے اور گمراہی کیا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ ہاں حکیم کی ایسی باتوں سے پرہیز کرو جن کے متعلق یہ کہا جائے یہ کیا ہوگیا۔ یہ کیسے کہہ دیا اور اس کا خیال رکھنا کہ حکیم کی یہ باتیں تجھے اس سے رُوگردان

نہ کردیں۔ بہت ممکن ہے کہ وہ رجوع کرے۔ اب غور کرو کہ حضرت معاذؓ نے اس ضابطہ اور نصیحت میں کتنے اہم امور ارشاد فرمائے ہیں۔

۱۔ ہر حق بات کہنے والا حکیم نہیں۔ کبھی منافق بھی حق بات کہہ دیتا ہے۔ اس لئے محض ایک بات کسی کی سن کر اس کا معتقد نہ ہونا چاہیئے۔ ہماری عادت یہ ہے کہ ایک تقریر کسی کی سنی یا ایک مضمون کسی کا پڑھا فوراً اس کے معتقد ہو گئے۔ ساتویں آسمان پر اس کو پہنچا دیا۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ایک شخص کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ وہ بے دین ہے فاسق ہے مگر بات ہماری مرضی کے موافق کہہ رہا ہے تو اس کو اتنا بڑا دیندار ثابت کریں گے کہ معاذ اللہ نبوت کے قریب پہنچا دیں گے۔ پھر اسی کی کوئی بات اپنی رائے کے خلاف سنیں گے تو اس کو تحت الثریٰ میں پھینک دیں گے۔ اسی کا نتیجہ ہے ایک ہی شخص کے متعلق ہم صبح کو زندہ باد کہتے ہیں اور شام کو مردہ باد کہنے لگتے ہیں۔ يُصْبِحُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا سے اگر اس کو تشبیہ دوں تو کیا بے جا ہے۔

۲۔ حضرت معاذؓ نے دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ حکیم سے بھی کبھی کج بات ہو جاتی ہے۔ اس لئے محض ایک آدھ بات کی وجہ سے غیر معتقد نہیں ہو جانا چاہیئے بلکہ دونوں کے مجموعہ سے یہ اصول معلوم ہوا کہ اول تو آدمی کی حالت کا پورے غور و تعمق سے مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اگر وہ اکثر و بیشتر امور میں شریعت مطہرہ کا متبع ہے اور سنت نبویہ کا دلدادہ ہے تو بیشک وہ قابل اتباع ہے قابل اقتدا ہے۔ پھر اگر کسی کو اپنی پوری ذمہ دارانہ تحقیق سے کوئی بات اس کی خلاف معلوم ہو تو اس بات کو نہ لینا چاہیئے۔ لیکن اس کی وجہ سے اس حکیم سے علیحدگی اختیار نہ کرنا چاہیئے کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ وہ تو رجوع کرے اور تم ہمیشہ کے لئے اس سے چھوٹ

ہی جاؤ گے۔

یہ اجمال ہے حضرت معاذؓ کے ارشاد کا تفصیل میں غور کے بعد بہت سی گنجائش ہے۔ اب موجودہ صورت کو جانچو ہمارا طرزِ عمل کیا ہے۔ ایک بات اپنے ذہن میں صحیح سمجھ لی کیسی ہی معمولی سی بات ہو کتنی ہی جزوی چیز ہو۔ پھر کسی کا مضمون کسی کی تقریر اس کے موافق دیکھ لی یا سن لی تو اس کی تعریفوں کے پل باندھ دیئے جاتے ہیں۔ اس کو سراہا جاتا ہے۔ اس کی جا و بے جا حمایت کی جاتی ہے۔ اس میں جو خلاف شرع واقعی باتیں ہوں ان کو معمولی سمجھا جاتا ہے جو سب سے زیادہ سخت چیز ہے۔ یعنی چاہیئے تو یہ تھا کہ جو بات حق ہے اس کو حق کہا جائے جو غلط ہے اس کو غلط کہا جائے یا کم از کم سکوت کیا جائے۔ لیکن ہمارا عمل یہ ہے کہ اس شخص کی حمایت میں ان شرعی امور ہی کو سرے سے کھو دیا جاتا ہے جن کی وہ مخالفت کرتا ہے۔ حتیٰ کہ اسلام کے اہم ترین رکن جس کو سیکڑوں احادیث میں کفر و اسلام کا امتیاز بتایا گیا ہے یعنی نماز اس کے متعلق بھی ایسے الفاظ ہماری زبان و قلم سے نکلتے ہیں جن کی نقل سے بھی کوفت ہے۔ محض اس وجہ سے کہ ہمارا ممدوح نماز نہیں پڑھتا۔ نماز کے ساتھ استخفاف کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ اُس کا مضحکہ اڑایا جاتا ہے۔ اس کے بالمقابل اگر کسی کی کوئی معمولی سی بات اپنی رائے کے خلاف سن لی یا دیکھ لی تو اس کا ہر فعل عیب ہے جو واقعی خوبیاں اس میں ہیں وہ بھی سر بسر ذلت کے ذیل میں سمجھی جاتی ہیں حالانکہ شرع اور عقل وفہم کے نزدیک ہر چیز کا ایک مرتبہ ہے جس سے نہ گھٹنا چاہیئے نہ بڑھنا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے۔ اَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ كَذَا فِي الْجَامِعِ بِرِوَايَةِ مُسْلِمٍ وَأَبِي دَاوُدَ

عَنْ غَايَتِهٖ وَ دَرَجَتِهٖ لَهٗ بِحَقِيْقَتِهٖ) لوگوں کو ان کے مرتبہ میں رکھ کرو (یعنی مرتبہ سے بڑھاؤ نہ گھٹاؤ) لیکن ہم لوگوں کا عام برتاؤ آج کل یہ ہے کہ ہر چیز میں افراط و تفریط ہے اعتدال کا ذکر ہی نہیں۔ علاوہ ازیں اگر میں مان بھی لوں کہ ان حضرات میں شدید اختلاف ہے تو یہ بھی سمجھ لینے کی بات ہے کہ اہل حق میں شدید اختلاف کا ہو جانا نہ منقصت ہے نہ شریعت کے خلاف۔ بلکہ جب کسی امر میں اہل حق کے نزدیک خلاف ہوگا تو جس درجہ کا وہ امر اور وہ اختلاف ہوگا اسی درجہ کی اس میں شدت بھی ہوگی۔ مثال کے طور پر سمجھو کہ ایک امر کو کوئی شخص فرض سمجھتا ہے دوسرا حرام کہتا ہے یا ایک شخص واجب سمجھتا ہے دوسرا مکروہ تحریمی تو اس میں آپس میں نزلفت منازعت تردید ضروری ہے۔ یہی چیز ہے جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپس میں قتال تک پر مجبور کیا۔ ابوداؤد شریف میں ایک حدیث ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وتر واجب ہے۔ دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ جن کی تحقیق اس کے خلاف ہے وہ فرماتے ہیں۔ کَذَبَ (جھوٹ بولا) گو علما اس ارشاد کی صحابی کی شان میں ہونے کی وجہ سے توجیہ فرماتے ہیں لیکن ظاہر الفاظ یہی ہیں اس لئے اگر کسی امر حق کی تحقیق میں کوئی لفظ سخت نکل جائے تو اس کی توجیہ ہم کو بھی تو کرنا چاہیئے۔ حدیث کی کتابوں میں سیکڑوں نظیریں اس کی ملیں گی۔ اور یہ حضرات اپنے اس زور و شور میں اس لئے معذور ہیں کہ ان کے پیش نظر اَلَا لَا يَمْنَعَنَّ رَجُلًا هَيْبَةُ النَّاسِ اَنْ يَّقُوْلَ بِحَقٍّ اِذَا عَلِمَهٗ (كَذَا فِيْ جَمْعِ الْفَوَائِدِ بِرِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ مَرْفُوْعًا) جیسے ارشاد نبوی بکثرت موجود ہیں۔ ترجمہ۔ خبردار! کسی شخص کو امر حق کہنے سے لوگوں کی ہیبت نہ

رو کے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ اس حدیث کو نقل فرما کر رونے لگے اور ارشاد فرمایا کہ بہت سے امور ہم نے دیکھے ورہیبت ہمارے لئے مانع ہو گئی۔ نیز مشہور حدیث ہے مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ ؕ جو شخص کوئی ناجائز چیز دیکھے اس کو ہاتھ سے بند کر دے۔ ہاتھ سے نہ کر سکے تو زبان سے بند کر دے۔ زبان سے بھی نہ کر سکے تو کم از کم، دل سے تو اس پر نکیر کرے اور یہ ایمان کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔ اس قسم کی اور بہت سی نصوص ہیں جن میں سے بعض میں اپنے رسالہ تبلیغ میں ذکر کر چکا ہوں۔ یہ ارشادات ان حضرت کو مجبور کرتے ہیں کہ جس چیز کو حق سمجھتے ہیں اور جس درجہ کا حق سمجھتے ہیں اس کو اندار سے بیان فرمائیں اور شائع کریں اور اس کے خلاف پر نکیر کریں اور شدت سے کریں البتہ یہ ضروری ہے کہ نکیر کرنے والا اس کا اہل ہو کہ نکیر کر سکے ہر شخص اس کا اہل نہیں ہوتا۔ اس میں نہ تشویش کی کوئی وجہ ہے نہ کوفت کی۔ البتہ یہ میرا بھی دل چاہتا ہے اور تمنا و دعا ہے کہ مسلمان خصوصاً اپنے اکابر ایک نظریہ پر متفق ہو جائیں۔ اگرچہ اس میں تنگی ضرور ہو جائے گی کہ اختلاف کی وسعت باقی رہے گی لیکن اور بہت سی مضرتوں سے خلاصی بھی ہو جائے گی۔ مگر اس کی صورت نہ یہ ہے کہ ہر فریق دوسرے کے اکابر کو سب وشتم کرے نہ یہ ہے کہ ان کے غیر واقعی عیوب پھیلائے کہ اس میں نیکی برباد گناہ لازم۔ بجائے نفع کے صرف نقصان ہے۔ جو لوگ اس میں مبتلا ہیں وہ نبی اکرم

لہ یہ رسالہ مکتبہ زکریا، نامیہ مارکیٹ متصل جامع مسجد شہزادی بلڈنگ، لاہور سے مل سکتا ہے

صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات پر بھی غور کریں۔ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا اللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيءِ[1] دوسری حدیث میں ہے۔ سِبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ[2] ایک حدیث میں ہے۔ يَا مَعْشَرَ مَنْ أَسْلَمَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يُفْضِ الْإِيمَانُ إِلَى قَلْبِهِ لَا تُؤْذُوا[3] الْمُسْلِمِينَ وَلَا تُعَيِّرُوهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ فَإِنَّهُ مَنْ يَتَّبِعْ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعِ اللَّهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ يَتَّبِعِ اللَّهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِي جَوْفِ رَحْلِهِ۔

بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ سمجھدار اور پختہ لوگ جو حالات سے بھی واقف ہوں اور اہل علم بھی ہوں کہ ہر بات کا شرعی درجہ سمجھ سکیں متحمل مزاج بھی ہوں۔ جو آپس میں مل کر گفتگو کریں مفصل اور صحیح حالات سنائیں اور ان کی سنیں۔ ان شاء اللہ کسی وقت میں اختلاف رفع ہو جائے گا اور جو یہ نہ کر سکتے ہوں وہ ان کو معذور سمجھیں اور اپنی تقصیر پر بری طرح افسوس کریں لیکن گالیاں دینا تمام مومنوں کو بھی جائز نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث کو بھی نقل کیا گیا ہے کہ سِبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوقٌ (مومن کو گالیاں دینا فسق ہے) اس حدیث کو

---

[1] مومن نہ طعن باز ہوتا ہے نہ لعنت باز، نہ فحش گو ہوتا ہے نہ بدگو۔

[2] مومن کو گالی دینا فسق ہے اور اس کو قتل کرنا کفر کی بات ہے۔

[3] اے وہ لوگو جو زبان سے اسلام کے مدعی ہو اور تمہارے دلوں تک ایمان نہیں پہنچا ہے تم لوگ مسلمانوں کو اذیت نہ پہنچایا کرو اور ان کو عار نہ دلایا کرو۔ ان کے عیوب کے درپے نہ ہوا کرو۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیب کے درپے رہتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ اس کے عیب کے درپے ہو جاتے ہیں اور اللہ جل شانہ جس کے عیب کے درپے ہو جائیں اس کو پردہ کے اندر بھی رسوا فرما دیتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود، ابوہریرہ، سعد، عبداللہ بن مغفل، عمرو بن النعمان اور جابر
(جامع الصغیر) اتنے جلیل القدر اور اکابر صحابہ نے نقل کیا ہے۔ پھر جبکہ اولیاء اللہ
کو گالیاں دینا، بُرا بھلا کہنا کہ اس میں اپنا ہی کچھ بگاڑنا ہے کسی کا کیا نقصان
ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ جل جلالہٗ ارشاد فرماتے ہیں۔
مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ (مشکوٰۃ بخاری وغیرہ) جو شخص میرے
کسی ولی سے دشمنی رکھے میری طرف سے اُس کو اعلانِ جنگ ہے۔ تم خود سمجھ لو
کہ اللہ جل جلالہٗ سے لڑائی کر کے دنیا میں کون شخص فلاح پا سکتا ہے اور آخرت کا تو پوچھنا
ہی کیا ہے۔ اور یہ مضمون کئی حدیثوں میں مختلف الفاظ سے نقل کیا گیا ہے جس سے
معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات میں مختلف الفاظ میں
اس پر متنبہ فرمایا ہے۔ چنانچہ الفاظ بالا حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بخاری شریف
میں نقل کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ روایت حضرت عائشہؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت معاذؓ،
حضرت انسؓ، حضرت ابو امامہؓ، وہب بن منبہؒ سے بھی نقل کی گئی ہے۔ بعض روایتوں
میں وارد ہوا ہے کہ جس شخص نے میرے کسی ولی کو ستایا وہ میرے ساتھ لڑائی پر
اتر آیا۔ ایک حدیث میں آیا ہے جو میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ میرے
ساتھ مقابلہ کے لئے سامنے آتا ہے (فتح الباری)۔ حضرت عمرؓ ایک مرتبہ مسجد نبوی
میں تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر
مبارک کے قریب بیٹھے رو رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا معاذؓ کیوں رو رہے
ہو۔ عرض کیا کہ میں نے اس پاک قبر والے (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایک بات
سُنی تھی اس کی وجہ سے رو رہا ہوں، مبادا میں کہیں مبتلا ہو جاؤں، میں نے آپ

کو یہ کہتے سنا تھا کہ تھوڑا سا دکھاوا بھی شرک ہے اور جو شخص اللہ کے کسی ولی کے ساتھ دشمنی کرتا ہے وہ اللہ کے ساتھ لڑائی کے لئے مقابلہ کرتا ہے (حاکم مستدرک) ایک حدیث میں آیا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ جل جلالہ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ مجھ سے لڑنے کے لئے مقابلہ میں آتا ہے۔ میں اپنے اولیاء کی حمایت میں ایسا ناراض ہوتا ہوں جیسے غضبناک شیر (درمنثور) کتنا سخت اندیشہ ناک معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے جس کی لڑائی ہو اس کا کہاں ٹھکانا کہاں۔ اور پھر اگر اس کے معاوضہ میں ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائیں ناک کان آنکھ جاتے رہیں تب بھی سہل ہے کہ دنیا کی تکلیف بہرحال ختم ہونے والی ہے اور اس نوع کے نقصان سے توبہ کی امید ہے لیکن خدانخواستہ کوئی دینی نقصان پہنچ جائے کسی بددینی میں مبتلا ہو جائے تو کیا ہو۔ ائمہ نے کہا ہے کہ گناہوں میں کوئی گناہ بھی ایسا نہیں ہے جس کے کرنے والے کو اللہ جل شانہٗ نے اپنے ساتھ لڑائی سے تعبیر فرمایا ہو۔ بجز اس گناہ کے اور سود کھانے کے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے ان دونوں کو اپنے ساتھ جنگ سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں کا گناہ بہت ہی زیادہ بڑھا ہوا ہے اور ان لوگوں کے سوء خاتمہ کا سخت اندیشہ ہے (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ) صاحب مرقاۃ نے بھی لکھا ہے کہ اللہ سے بندہ کی لڑائی دلالت کرتی ہے خاتمہ بد ہونے پر۔ ایک مسلمان کے لئے خاتمہ بالخیر ہونا انتہائی مرغوب اور لذیذ لذت

حضرت وہبؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت داؤدؑ کی کتاب (زبور) میں اللہ جل جلالہٗ کا ارشاد دیکھا ہے کہ میری عزت و جلال کی قسم ہے جو شخص میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ مجھ سے مقابلہ پر اتر آیا ہے (درمنثور ۱۸۹/۲)

ہے اور جس چیز سے خاتمہ کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو تم ہی سوچو کتنی خطرناک چیز ہو گی۔

شیخ احمد نے جامع الاصول میں لکھا ہے اُن حضرات صوفیہ پر انکار کرنا جو سنت کے متبع ہوں اور بدعت کے توڑنے والے ہوں بالخصوص وہ حضرات جو علم نافع اور عمل صالح رکھتے ہوں اور معارف و اسرار کے حامل ہوں زہر قاتل ہے اور بڑی نحوست ہے۔ بڑی سخت وعید اس بارہ میں وارد ہوئی ہے اور یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ دل میں اللہ جل جلالہ سے اعراض ہے اور وہ امراض سے بھرا ہوا ہے۔ ایسے شخص کے خاتمہ کے خراب ہونے کا (معاذ اللہ) اندیشہ ہے۔ اس کے بعد موصوف نے بہت طویل بحث اس میں کی ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ بہرحال میں اپنے سے تعلق رکھنے والوں کو خاص طور سے متوجہ کرتا ہوں اور کرتا رہتا ہوں کہ وہ اللہ والوں سے ذرا بھی دل میں کدورت نہ رکھیں ورنہ مجھ سے تعلق نہ رکھیں۔ میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ بھی ہمیشہ اس کی خصوصیت سے تاکید فرمایا کرتے تھے۔

حضرتِ اقدس بقیۃ سلف حجۃ الخلف شاہ عبدالعزیز صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اپنی تفسیر میں ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ کے ذیل میں ایک مضمون تحریر فرمایا ہے کہ یہود کو کفر اور انبیاء کے قتل پر جرأت اس وجہ سے ہوئی کہ انھوں نے انبیاء کی نافرمانی کی اور یہ خصلت نافرمانی کی ان میں آہستہ آہستہ محکم ہوتی گئی اور یہ لوگ گناہوں میں حد سے تجاوز کرتے گئے۔ یہاں تک کہ ان گناہوں کو بہتر جاننے لگے۔ اور جو ان کو گناہوں سے منع کرتا تھا اُس کو اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ انبیاء کو جو گناہوں کے منع کرنے میں مبالغہ کرتے

ہے کہ جب اللہ جل شانہٗ کسی شخص کے ہلاک فرمانے کا ارادہ کرتے ہیں تو سب
پہلے اس سے حیا اور شرم کو زائل کر دیتے ہیں اور جب وہ بے شرم بن جاتا
ہے تو اس کو تو دیکھے گا کہ وہ غضب آلود اور لوگوں کی نگاہ میں مبغوض بن جائے گا۔
اور جب اس حالت کو پہنچ جائے گا تو اس سے امانت زائل ہو جائے گی اور
وہ خائن بن جائے گا اور علی الاعلان خیانت کرنے لگے گا اور جب اس حالت
کو پہنچ جائے گا تو اس کے دل سے رحمت نکال لی جائے گی اور وہ مخلوق پر
شفقت نہ کرے گا اور جب اس درجہ پر پہنچ جائے گا تو لوگوں کے یہاں
مردود اور ملعون بن جائے گا۔ اور جب اس درجہ پر پہنچ جائے گا تو تو دیکھے گا
کہ اسلام کی رسی اس کے گلے سے نکل جائے گی (جامع الصغیر)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جو شخص کسی مسلمان کو اذیت پہنچاتا
ہے وہ مجھ کو اذیت پہنچاتا ہے۔ اور جو مجھ کو اذیت پہنچاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ
کو اذیت پہنچاتا ہے (جامع الصغیر) کتنی سخت بات ہے کہ جب عام مسلمانوں
کا یہ حکم ہے تو اللہ والوں کو اذیت پہنچانا جو حقیقی معنوں میں مسلمان ہیں کتنا
سخت ہوگا۔

علامہ شعرانی طبقات کبریٰ میں لکھتے ہیں کہ امام ابو تراب نخشبی جو مشائخ
صوفیہ میں ہیں یہ فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص کا دل اللہ جل شانہٗ سے اعراض
کے ساتھ مانوس ہو جاتا ہے تو اہل اللہ پر اعتراض کرنا اس کا رفیق اور ساتھی
بن جاتا ہے یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے نامانوس ہو جاتا ہے تو وہ اہل اللہ
پر اعتراض کرنے کا خوگر ہو جاتا ہے

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد — میلش اندر طعنۂ نیکاں برد

شیخ ابوالحسن شاذلی جو اکابر صوفیہ اور مشہور ائمہ تصوف میں ہیں فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کو جھگڑالو لوگوں کے ساتھ ہمیشہ سے ابتلا رہا ہے۔ اُن میں سے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اولیاء کا اعتقاد تو ظاہر کرتے ہیں لیکن خاص خاص بندوں کی نسبت یہ کہہ کر انکار کرتے ہیں کہ یہ ولی کیسے ہوسکتے ہیں۔ حالانکہ جو شخص خود ولایت سے ناواقف ہے وہ کیسے کسی کی ولایت کا انکار کرسکتا ہے شیخ نے آگے چل کر ان اسباب کو مفصل ذکر فرمایا ہے۔ جو مشائخ پر انکار کا ذریعہ بنتے ہیں۔ منجملہ ان کے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ بعض مشائخ لوگوں کی نگاہ سے اس وجہ سے مستور ہوتے ہیں کہ وہ امراء اور اغنیاء سے ملتے جلتے ہیں۔ اور ان لوگوں کو اس اعتراض کا موقع ملتا ہے کہ اگر یہ اللہ کے ولی ہوتے تو مسکینوں کے ساتھ کونے میں بیٹھ کر علم و عبادت میں مشغول ہوتے لیکن وہ شخص اگر اپنے دین کی حفاظت کرتا تو یہ بھی غور کرتا کہ یہ امراء سے ملنے والا شخص اپنی ذات کے لئے مل رہا ہے یا کسی دینی غرض اور دینی منفعت کے لئے یا مسلمانوں کی کسی بہبود کے لئے۔ اور ان سے کسی مضرت کے دفع کرنے کے لئے مل رہا ہے کیونکہ بسا اوقات ایسی مصالح کی بنا پر ان لوگوں سے ملنا واجب ہو جاتا ہے اور ان سے علیحدگی اختیار کرنا حرام بن جاتا ہے۔ (تنبیہات)

یہاں ایک بات اور بھی سمجھ لو کہ اہل اللہ بعض مرتبہ اپنے بُرا بھلا کہنے والے سے انتقام لے لیتے ہیں اور یہ چیز ظاہر بینوں کے لئے حجاب کا سبب بن جاتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ بھی عوام کی طرح جذبات سے مشتعل ہو

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جان دوست تر دارند
جوانان سعادت مند پند پیر دانا را

خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے کہ آدمی کا شمار اور حشر اُن لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جن سے وہ محبت رکھتا ہے۔ ایک صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایک شخص ایک جماعت سے محبت رکھتا ہے لیکن (اعمال کے اعتبار سے یا ملاقات کے اعتبار سے) اُن تک نہیں پہنچ سکتا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی اُنہیں لوگوں میں شمار ہوتا ہے جن سے محبت رکھتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے ایک صحابی نے دریافت کیا یا رسول اللہ قیامت کب آئے گی۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ تُو نے قیامت کے واسطے کیا تیار کر رکھا ہے (کہ اتنا مشتاق ہو رہا ہے)، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اس کے سوا کچھ تیار نہیں کر رکھا ہے کہ اللہ سے اور اس کے رسول سے مجھے محبت ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تو اُسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کو اس حدیث کے سننے سے جتنی مسرت اور خوشی ہوئی کسی چیز سے نہیں ہوئی (مشکوٰۃ شریف) اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرامؓ حضورؐ کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اس لئے جتنی بھی خوشی اُن حضرات کو ہوتی موقع قیاس سے باہر ہے۔ ان حضرات کی محبت کے چند قصے میں نے رسالہ حکایات صحابہؓ میں نمونے کے طور پر لکھ دئے ہیں

؎ یہ رسالہ کتب خانہ [illegible] متصل جامع مسجد شہر دہلی [illegible] سے مل سکتا ہے۔

اُس کو بھی ایک نظر ضرور دیکھو اُس سے اندازہ ہوگا کہ دین پر مرٹنا کیا ہوتا ہے اور ان حضرات کو حضور سے کتنی محبت تھی - ایک حدیث میں آیا ہے کہ آدمی اپنے دوست کے مذہب اور دین پر ہوتا ہے - لہذا خود ہی دیکھ لے کہ کس سے دوستی کرتا ہے (مشکوٰۃ شریف) یہ مضمون احادیث میں مختلف عنوانات سے ذکر کیا گیا ہے جس میں اللہ والوں کے ساتھ محبت اور تعلق رکھنا اور بے دین لوگوں سے علیحدگی اور اجتناب کرنا اہتمام سے ارشاد فرمایا گیا ہے اہل اللہ سے جتنا تعلق اور محبت پیدا ہو سکے وہ اکسیر ہے دونوں جہان میں کام آنے والی چیز ہے سہ

دست در دامن مرداں زن و اندیشہ مکن

کہ با نوح نشیند چہ غم از طوفانش

اہل اللہ سے جتنی بھی محبت پیدا کر سکو دریغ نہ کرنا اور بے دین لوگوں سے جتنا بھی ممکن ہو احتراز کرنا اور یکسو رہنا - نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صالح اور بہتر ہمنشیں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو مشک والا ہو کہ اگر اس سے مشک نہ بھی ملے تب بھی اس کی خوشبو تو پہنچے ہی گی - اور برے ہمنشیں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بھٹی کا دھونکنے والا ہو کہ اگر کوئی چنگاری وغیرہ گر گئی تو بدن جلا دے گی یا کپڑے جلا دے گی اور اگر چنگاری نہ بھی اڑی تو اس کا دھواں اور بو تو پہنچے ہی گی - بخاری مسلم وغیرہ میں یہ حدیث مختلف الفاظ

لہ حضرت لقمان حکیم کی اپنے بیٹے کو نصیحت ہے کہ بیٹا جاہل کی دوستی میں کبھی رغبت نہ کرنا کہ تیرے تعلق سے وہ اپنی حرکتوں کو تیری نگاہ میں اچھا سمجھنے لگے اور حکیم کی ناراضگی کو ہلکا نہ سمجھنا کہ وہ اس وجہ سے تجھ سے اعراض کرنے لگے (درمنثور) ۔

سے نقل کی گئی ہے۔

حضرت لقمان حکیم کی نصیحت ہے کہ بیٹا! صلحاء کی مجلس میں بیٹھا کر۔ اس سے تو بھلائی کو پہنچے گا اور اُن پر رحمت نازل ہوگی تو تُو اُس میں شریک ہوگا۔ اور بُروں کی صحبت میں کبھی نہ بیٹھنا کہ اس سے بھلائی کی توقع نہیں، اور کسی وقت ان پر کوئی آفت نازل ہوئی تو تُو بھی شریک ہو جائے گا (درمنثور ص۱۶۴/۵) اس لئے بُری صحبت کے اثرات سے بہت احتراز کرنا چاہیئے۔ اور اللہ والوں کی صحبت اور اُن کے پاس بیٹھنے کو اکسیر سمجھنا چاہیئے۔ ان کی صحبت نیک اعمال کی ترقی کا سبب ہوتی ہے۔ البتہ جیسے ہر چیز میں اصلی و نقلی کا امتیاز کیا جاتا ہے، سچ اور جھوٹ کو پرکھا جاتا ہے۔ یہاں بھی فریب اور دھوکہ سے بچنا ضروری ہے ؎

اے بسا ابلیس کادم روئے ہست
پس بہ ہر دستے نہ باید داد دست

مغالطہ سے بُرے کو بھلا سمجھ کر پھنس جانا زیادہ نقصان دہ ہے، اور اس کا معیار شریعت مقدسہ کا عمل ہے کہ جس شخص کے عقائد درست ہوں، شرک و بدعت میں مبتلا نہ ہو۔ نماز، روزہ اور شریعت کے سب احکام کا پابند ہو۔ وہ نیک ہے۔ شریعت کے خلاف چل کر کوئی شخص نیک نہیں ہو سکتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش اس چیز کے تابع نہ بن جائے۔ جس کو میں لے کر آیا ہوں" (مشکوٰۃ)

محاکمہ کروں۔

سنو! دو آدمیوں کے درمیان محاکمہ جب ہی ہو سکتا ہے۔ جب محاکمہ کرنے والا ان میں محاکمہ کرنے کی پوری حیثیت رکھتا ہو اور پھر دونوں کی پوری پوری سُنے اور سننے کے بعد ان کے کلام کا وزن دیکھے۔ ہر ایک کے اشکالات کا دوسرے سے جواب مانگے اور پھر جواب الجواب اور ان ساری تحقیقات کے بعد پھر دیکھے کہ کس کی بات وزنی ہے۔ پھر کوئی رائے قائم کر سکتا ہے۔ اب تم خود اندازہ کرو کہ اوّل تو میری حیثیت ہرگز ایسی نہیں کہ ان حضرات سے مساویانہ گفتگو کر سکوں اور اگر بفرض محال ان کے اخلاق کریمانہ کے پیش نظر ایسا ہو بھی جائے تو پھر کیا میری یہ بھی حیثیت ہے کہ میں اس میں توازن قائم کروں۔ میری حیثیت یہ ہے کہ میری پختہ رائے کے بعد بھی اگر یہ حضرات کسی بات کو فرمادیں کہ یہ غلط ہے تو مجھے اس کو قبول کرنا چاہئے۔ چہ جائیکہ اس پر تنقید کروں۔ مجھے حیرت ہوتی ہے ان لوگوں پر جو پڑھے لکھے زیادہ نہیں۔ دو خبر پڑھتے یا کسی مضمون کسی اخبار میں لکھ دیا اور ان لوگوں پر تنقید شروع کر دیتے ہیں جو علوم کے سمندر پئے ہوئے ہیں۔ ہمیشہ یاد رکھو۔ کسی پر تنقید کرنے اور رد کرنے کے واسطے اس کی بات کی حقیقت اس کے دلائل کی قوت معلوم ہونا ضروری ہے۔ یہ نقص بہت عام ہے کہ بغیر بات سمجھے اناپ شناپ بکنا شروع کر دے۔ ہم لوگوں کی مثال اس بندر کی سی ہے کہ ایک ادرک کی گرہ کہیں سے پالی اور اپنے آپ کو پنساری سمجھنے لگے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علاماتِ قیامت میں اِعْجَابُ کُلِّ ذِی
رَأْیٍ بِرَأْیِہٖ بھی ارشاد فرمایا ہے (ہر ذی رائے کا اپنی رائے کو سب سے اچھا
سمجھنا) جس کا آج کل ظہور علی الوجہ الاتم ہو رہا ہے۔ ہر شخص یہی سمجھتا ہے
ہمچو من دیگرے نیست کہ جو میری سمجھ میں آگیا ہے وہی حق ہے۔ چاہے
کوئی بڑا کچھ کہے یا چھوٹا، عالم کہے یا مدبر۔

غور تو کرو کہ حضرت اقدس حکیم الامۃ دام اللہ ظلال برکاتہم ۱۳۰۱ھ
میں فارغ التحصیل علوم ہوئے۔ اس کے بعد سے آج ۱۳۵۶ھ تک
درس تدریس قال اللہ قال الرسول استفادہ و افادہ باطنی میں انہماک۔
یہ نصف صدی سے زیادہ زمانہ فقہ اور اصول قرآن اور حدیث کے غور و
خوض و افہام و تفہیم میں گزر گیا۔ جس مبارک ہستی کا اتنا وسیع وقت علوم کے
تدبر میں گزرا ہو۔ نکاتِ قرآنیہ اور دقائق فقہیہ میں اتنی مدت گزری ہو اُس کی
نظر کیسی چیز ہے جس کو بے دھڑک ہر آدمی لغو اور غلط کہہ دے۔

اسی طرح امیر الہند حضرت مدنی ۱۳۱۶ھ میں فارغ التحصیل ہوئے
اور آج تک کا سارا زمانہ درس و تدریس، استفادہ اور افادہ باطنی میں گزرا۔
سالہا سال حضرتِ شیخ الہند جیسے محقق متبحر کے زیرِ سایہ علومِ ظاہریہ و باطنیہ
میں مہارت حاصل کی۔ اور کثیر عمر کا حصہ سیاسی مناظر اور قید و بند ہند
و بیرونِ ہند کے تجربات میں گزرا۔ کیا یہ ہستیاں ایسی ہیں کہ ہر کہ ومہ ان
کی دقیق نظروں کا مقابلہ کرنے لگے اور بے دھڑک ان پر اعتراض شروع
کر دے۔ اور پھر بالخصوص مجھ جیسا کوتاہ نظر جو ابھی طفلِ مکتب ہو اور کے اندر

کے پیر شدی کا مصداق ہو۔ میں تو جب ان حضرات اکابر کے نام اشتہارات
اور اخبارات میں لکھے خط دیکھتا ہوں محو حیرت ہو جاتا ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو
گئی ہے۔ عالم میں کیسا انقلاب رونما ہو گیا ہے۔ اکابر کا احترام بالکل جاتا
رہا ہے۔ پھر اگر اہل علم اپنے علم کی روشنی میں ان کے خلاف کوئی بات کہیں
تب بھی ایک درجہ میں گنجائش ہو سکتی ہے۔ مگر وہ اہل قلم جن کا منتہائے علم
ایک اخبار کا مضمون لکھ دینا ہے یا ایک شستہ تقریر کر دینا ہے۔ ایسے
بے جا الفاظ سے یاد کرتے ہیں جو اپنے سے چھوٹوں کے لئے بھی استعمال کرنا
ناموزوں ہے۔ ان باتوں کو دیکھ کر میرے استعجاب کی انتہا نہیں رہتی۔

میری ایک نصیحت بہت غور سے سنو۔ ہمیشہ ایسی چیزوں پر لب کشائی
کرو جس کے پورے ماله وما علیه پر عبور رہو۔ دو شخصوں کے درمیان میں محاکمہ
جب ہی ممکن ہو سکتا ہے جب ان دونوں کے پورے دلائل پر عبور رہو۔ البتہ
کسی شرعی منصوص کے خلاف کوئی چیز ہو تو اس میں کسی کی بھی رعایت نہیں کہ اللہ
اور اس کے رسول کے خلاف کوئی قول معتبر نہیں بلکہ فقہاء سلف کے منصوص
اقوال کے خلاف بھی مقلد کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ لیکن جہاں مسئلہ استنباطات متعلق
رکھتا ہو نصوص شرعیہ ہر ایک کے ساتھ ہوں وہاں جلدی سے دخل در معقولات
کر کے فوراً محاکمہ کر دینا حماقت ہے۔ میں تم کو بڑے زور سے روکتا ہوں کہ
ان چیزوں پر اظہار رائے کرنے میں کبھی بھی جلدی نہ کرنا۔ بہت غور و فکر اور تدبر کے بعد
لب کشائی کرنا۔ جہاں تک ممکن ہو اس سے گریز کرنا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو عمر ثانی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے حضرت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپس کی لڑائی میں کس قدر بہترین فیصلہ کیا۔
تِلْكَ دِمَاءٌ طَهَّرَ اللّٰهُ اَيْدِيَنَا مِنْهَا فَلَا نُلَوِّثُ اَلْسِنَتَنَا بِهَا

ان خونوں سے اللہ جل شانہٗ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا تو پھر ہم
اپنی زبان کو کیوں ان سے آلودہ کریں۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرات
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان اعلیٰ وارفع ہے۔ دوسروں کو ان پر
کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے تو میں کہوں گا کہ وہاں لب کشائی سے بچنے
والے بھی حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ہیں۔ جو جلیل القدر تابعی ہیں۔ حضرت خضر
اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما السلام کا قصہ مشہور و معروف ہے قرآن پاک
میں مفصل مذکور ہے۔ متعدد احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد
وارد ہوا ہے کہ اللہ جل شانہٗ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام
پر رحم فرمائیں اگر وہ سکوت کرتے تو دیگر عجائبات حضرت خضر کے زیادہ
معلوم ہوتے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حضرت عیسیٰؑ
کا مقولہ ہے کہ امور تین طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جن کا رشد (ہدایت) ہونا
ظاہر ہو ان کا اتباع کرو۔ دوسرے وہ امور ہیں جن کا گمراہی ہونا ظاہر ہو
ان سے اجتناب کرو۔ تیسرے وہ ہیں جن میں اختلاف ہو ان کو ان
کے عالم کے حوالہ کرو (رواہ الطبرانی ورجالہ موثقون کذا فی مجمع الزوائد)
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص فتویٰ دینے پر زیادہ جری
ہے وہ جہنم پر زیادہ جری ہے (دارمی)۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ارشاد فرماتے
ہیں کہ جو شخص ہر استفتا کا جواب دے وہ مجنون ہے (دارمی)

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ۔ اللہ کی نافرمانی میں مخلوق
کی کوئی اطاعت نہیں، صاف اور واضح اعلان ہے۔ اب غور سے سنو
کہ مسائل حاضرہ میں اصل مدار اسلام اور مسلمانوں کی منفعت پر ہے اور
اس کلیہ کے تحت میں تقریباً تمام جزئیات حاضرہ داخل ہیں۔ اس میں
حسب قواعد شرعیہ اَلْاُمُوْرُ بِمَقَاصِدِهَا وَالشَّيْءُ الْوَاحِدُ يَتَّصِفُ
بِالْحِلِّ وَالْحُرْمَةِ بِاعْتِبَارِ مَا قُصِدَ لَهُ (مقصد کے اعتبار سے امور کا اعتبار
ہوتا ہے۔ اور ایک ہی شے مقصد کے اختلاف کے اعتبار سے حلال و
حرام کی ساتھ متصف ہو سکتی ہے) يُتَحَمَّلُ الضَّرَرُ الْخَاصُّ لِدَفْعِ ضَرَرٍ عَامٍّ
(خصوصی نقصان عمومی نقصان کے مقابلہ میں قابل برداشت ہے)
مَنِ ابْتُلِيَ بِبَلِيَّتَيْنِ يَخْتَارُ أَهْوَنَهُمَا (جو دو مصیبتوں میں گرفتار ہو وہ
کم درجہ مصیبت کو اختیار کرے) اِذَا اجْتَمَعَ الْحَلَالُ وَالْحَرَامُ غُلِّبَ الْحَرَامُ
(جس چیز میں حلال و حرام دونوں شامل ہوتے ہیں تو حرام کو غلبہ ہوتا ہے) وغیرہ وغیرہ۔ ایسے
قواعد کلیہ ہیں کہ ان کے تحت میں جزئیات کا داخل کرنا اور ان سے جزئیات کا مستنبط کرنا
ہر کہ ومہ کا کام نہیں ہے وہی ان قواعد سے جزئیات کا جواز و عدم جواز نکال سکتا ہے
جو قواعد شرعیہ سے پورا پورا واقف ہو اور جو شخص نصوص شرعیہ حدود شرعیہ اور
قواعد فقہیہ سے واقف نہ ہو وہ شخص کسی آیت کا ترجمہ دیکھ کر، حدیث کا ترجمہ دیکھ کر فتاویٰ
جاری کرنے لگے تو اس سے زیادہ بد دینی کیا ہوگی۔ انہیں قواعد کے تحت میں جو وجوہ
اختلاف بھی ہے کہ ایک مشترک مقصد یعنی اسلام کی اور مسلمانوں کی منفعت اور ان کو ضرر
دینے سے بچانا، دونوں حضرات کا مشترک مقصد ہے اور ہونا بھی ضروری ہے کہ دنیا

مسلمان بھی اُس کو گوارا نہیں کر سکتا کہ اسلام کو یا مسلمانوں کو کچھ نقصان پہنچے۔
چہ جائیکہ اولیاء اللہ اور محقق علماء کے متعلق اس قسم کی بدگمانی کی جائے۔ یہ انتہائی
سخت خطرناک غلطی ہوگی۔ اس کے بعد اُس مقصد کے حصول کے اس وقت
دو راستے ہیں اور دونوں خطرات سے خالی نہیں ہیں اور اس میں کسی کو بھی
انکار نہیں ہے۔ اب زیرِ بحث مسئلہ صرف یہ رہ جاتا ہے کہ کس طریقہ میں مضرت
زیادہ ہے۔ کس میں کم ہے۔ کونسی مضرت قابلِ تحمل ہے۔ کونسی مضرت
ناقابلِ برداشت ہے کونسا نقصان عام ہے اور کونسا خاص ہے۔ اس کی
مثال بعینہ ان دو ڈرائیوروں کی سی ہے جن کو مثلاً مکہ مکرمہ جانا ہے اور
موٹروں کو ان کچے راستوں سے لے جانا ہے۔ جن میں دلدلیں ضرور ہیں۔
خطروں کا ہونا بھی یقینی ہے، خطرات بھی لازمی ہیں۔ لیکن اختلاف اس میں
ہے کہ کونسا راستہ ایسا ہے کہ جس میں خطرات کم ہیں اور کونسا ایسا ہے جس میں
خطرات زیادہ ہیں۔ کونسے راستے پر چل کر پہنچ جانے کا غلبۂ ظن ہے اور کس
راستے سے جانے سے دلدل میں پھنس کر راستہ میں ایسے پھنس جانے کا خطرہ
شبہ کہ نہ پیچھے رفیق نہ جائے مالدن کا مذاق بن جائے۔ کس راستہ میں یہ
خطرہ ہے کہ کوئی متشدد حکومت قافلہ کو اسیر کر کے نہ واپس آنے دے
نہ آگے جانے دے۔ ایسی صورت میں اگر دو ڈرائیوروں میں راستہ کے بارہ
میں اختلاف ہو اور ہر ایک کے نزدیک ایک راستہ پر سے جانے میں منزلِ مقصود
تک پہنچ جانے کا غلبۂ ظن ہو اور دوسرے میں خطرہ یقینی اور قطعی ہو تو اس میں
کیا قصور ہے ڈرائیوروں پر ہر ایک ذمہ داری ہے اس کی کہ جس راستہ پر

والے بالا پ جتنے ہیں اُن میں کوئی خطرہ نہیں یا منزلِ مقصود تک پہنچنا یقینی
ہے۔ ایسی حالت میں تم ہی سوچو کہ جو ڈرائیور راستوں کے خطرات کی طرح
کا شکار ہوں۔ دن رات اسی سوچ میں گھلے جاتے ہوں کہ قافلہ کو کس
طرح منزلِ مقصود تک پہنچا دیں وہ قابلِ شکرگزاری ہیں یا قابلِ ملامت و دشنام
ہیں۔ وہ اس قابل ہیں کہ ان کی جو اعانت ہم سے ممکن ہو کی جائے۔
یا اس کے قابل ہیں کہ جو مشکلات ان کے راستہ میں حائل کی جا سکتی ہوں
ان سے دریغ نہ کیا جائے اور یہی سلوک ہم اپنے رہبروں کے متعلقات
بیجا مشکلات حائل کرتے ہیں۔ وہ اپنے اور اپنے متبعوں کے اور اپنی قوم
کے دینیات کو خطرہ میں ڈالتے ہیں یا ان کو کوئی نفع پہنچاتے ہیں یہ بحث ہوتی
کہ ہر شخص کو اپنی بصیرت سے اپنے تجربہ سے کسی ایک جانب جادہ معلوم
ہوتا ہے وہ اس راستہ پر چلتا ہے۔ لیکن یہ امر انصاف سے بعید ہے کہ
دوسرے اہلِ تجربہ کاروں کو سب و شتم کرے۔ ان کو شناخت نہیں
معلوم ہے کہ ہندوستان میں دو نظریے اکثر پائے جاتے
ہیں۔ ایک یہ کہ مسلمان اقلیت میں ہیں ان کو ہندوستان میں سیاسی
جدوجہد دوسری اقوام کے ساتھ مل کر کرنا ضروری ہے ورنہ اکثریت کے
خلاف ہر کسی سعی کا ثمر ہونا مشکل ہے۔ گو اس اتحاد میں کچھ تکلیف بھی
کرنا پڑتا ہے۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ ہندوؤں کی تنگ نظری سے ان کے ساتھ
شامل ہونے میں مقصد تک پہنچنے سے قبل ہی بہت سے دینی اور دنیاوی
نقصانات برداشت کرنے پڑیں گے اور مقصد تک پہنچنا یقینی نہیں۔

ایسی صورت میں مسلمانوں کو اپنی علیحدہ مستقل جد وجہد کرنا ضروری ہے میرے اکابر ان نظریوں میں ہمیشہ مختلف رہے ہیں اور اب تک ہیں۔ دونوں نظریئے اپنی اپنی جگہ پر اہم ہیں۔ کسی ایک کو بھی قطعی طور پر غلط نہیں کہا جا سکتا۔ ایسی صورت میں یہ ضروری نہیں کہ جس کے نزدیک جو چیز اہم ہو جس صورت میں نقصان کم ہو اس کو اختیار کرے اور اپنے دوستوں کو بھی ضرور مشورہ دے کہ اس راستہ پر چلنا مفید و مناسب ہے اور دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا راستہ بین بین نکل سکتا ہو تو اس کو اختیار کرلے۔ بشرطیکہ کوئی رہبر کوئی ڈرائیور ساتھ ہو۔ کوئی راستہ پر چلانے والا ہمراہ ہو۔ مجھے حیرت ہے کہ ہم لوگ ذرا سے اختلاف سے کتنا مشتعل ہو جاتے ہیں اور پھر ایسے لوگوں کی شان میں گستاخیاں اور بے ادبیں شروع کر دیتے ہیں جن کو ہم اپنا مقتدا اپنا رہبر بھی مانتے ہیں اور جس قوم کے مقتداؤں کا یہ حال ہو جو ہم لوگ اپنی تحریروں اور تقریروں میں لکھتے اور کہتے ہیں تو مقتدیوں کا حال خود ظاہر ہے۔ ایسی صورت میں ہم صرف ان اکابر ہی کی شان میں گستاخی نہیں کرتے بلکہ اپنی نااہلیت اور نالائقی کا بھی ڈنکا بجاتے ہیں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جو اوصاف حمیدہ کبھی مسلمانوں کی شایان شان تھے۔ وہ آج دوسرے لوگ اختیار کر رہے ہیں اور مسلمان ان کو چھوڑتے جاتے ہیں۔ آج دوسری قوموں میں باوجود شدید اختلاف کے آپس میں اتحاد ہے۔ اتفاق ہے۔ ایک کو دوسرے کی رائے کی باوجود مخالفت کے وقعت ہے۔ وہ اندر خانہ اور در پردہ ہی نہیں علی الاعلان مخفی مشورے بھی آپس

ہیں کر لیتے ہیں اور ہم لوگ کسی بڑے کا اتباع اور اس کی حمایت یا اس کی جماعت میں ہونا اس کو سمجھتے ہیں کہ اس کی مخالف جماعت سے برسرپیکار رہیں۔ اس کی توہین و تذلیل کے درپے رہیں۔ گو اس میں خود ہمارا نقصان ہو جائے۔ ہماری بدنامی ہو جائے مگر دل ٹھنڈا جب ہی ہوگا جب دوسری جماعت کی کوئی رسوائی ہوگی۔ اس کا کوئی عیب طشت از بام ہوگا خیر قرون اور اسلاف کا ذکر نہیں۔ میں نے قریب ہی زمانہ کے اپنے خاندانی بزرگوں کے قصے کثرت سے سُنے ہیں کہ آپس میں جائدادی قصوں میں مقدمہ بازی ہے مگر کیرانہ تحصیل میں جو کاندھلہ سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ہے اکثر دونوں فریق ایک ہی بہل میں چلے جاتے تھے۔ جس فریق نے اپنی بہل جڑوالی دوسرا بھی اسی میں چل گیا۔ انہی واقعات کے سلسلہ میں ایک عجیب بات سُنی ہے کہ دو عزیزوں میں طویل مقدمہ بازی تھی۔ ایک عرصہ تک مقدمہ چلتا رہا۔ اسی دوران میں مدعا علیہ کا انتقال ہوگیا۔ مدعی نے مرحوم کی اہلیہ کے پاس کہلا کر بھیجا کہ میری لڑائی بھائی سے تھی تم جیسے اُن کی چھوٹی تھیں میری بھی چھوٹی ہو۔ تم سے کوئی جھگڑا نہیں۔ کاغذات اس میں جو تم طے کر دو گی اور تجویز کر لو گی وہی مجھے منظور ہے۔ اسی صدی کا قصہ ہے اور دنیاداروں کا واقعہ ہے۔ کیا آج کل دیندار کہلانے والے بھی ایسا کرتے ہیں یا کر سکتے ہیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ ہم لوگوں کی مساعی بجائے تخریب کے تعمیر میں خرچ ہوتیں۔

سوال نمبر۲- ہمیں کیا کرنا چاہیئے - کیا مر رہنا چاہیئے - تو کہیں شریک کیوں نہیں ہوتا؟

جواب نمبر۲ مر رہنا تو قبضہ کی بات نہیں ہے - موت کا ایک وقت معین ہے وہ نہ اس سے پہلے آسکتی ہے نہ مؤخر ہو سکتی ہے اور خودکشی حرام ہے کہ اس سے دنیا کے ساتھ آخرت بھی تباہ ہے - ایسے بیہودہ الفاظ زبان سے نکالنا بھی نہ چاہیئیں - دنیا کی زندگی بہت تھوڑی ہے آدمی کو اس میں کوئی دین کا کام ضرور ہی کرنا چاہیئے - اور اصل یہ ہے کہ صرف دین ہی کے لئے آدمی پیدا کیا گیا ہے - اگر آدمی دین کے کسی کام میں نہ لگے تو اس میں اور چوپایوں میں کیا فرق ہے - محض کھانے پینے میں تو حیوانات ہم سے بڑھے ہوئے ہیں - بہرحال اس سوال کے دو جز ہیں - ایک میری ذات کے متعلق' دوسرا تم سے متعلق - اور یہ دوسرا جز دو نوع کو شامل ہے - ایک طلبہ کے متعلق' دوسرا عوام کے اس لحاظ سے تین جز سوال کے ہو گئے -

(الف) میری ذات کے متعلق یہ صحیح ہے کہ اس میں حتی الوسع اس کی کوشش کرتا ہوں کہ کہیں بھی شریک نہ ہوں - مگر میں اس کو خوبی نہیں سمجھتا بلکہ اپنا ضعف اور اپنی نااہلیت سمجھتا ہوں - اس لئے یہ چیز قابل التفات نہیں اور اسی وجہ سے جو مجھے برا کہے میں سمجھتا ہوں کہ صحیح کہہ رہا ہے - اس میں زیادہ دخل میری طبعی وحشت کو بھی ہے - ہر شخص کا ابتدائی نشوونما جس طریقہ پر ہوتا ہے وہ اس کی تقریباً فطرت بن جاتا ہے - اسی

وجہ یہ۔ اکابر کی خواہش ہمیشہ یہی رہا کرتی ہے کہ بچوں کو ابتدا ہی سے دین اور دینیات کے ساتھ وابستہ کیا جائے تاکہ دین کا اہتمام ان کی طبیعت بن جائے۔ اسی وجہ سے شریعت مطہرہ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بچوں کو سات برس کی عمر میں نماز کا حکم کرو اور دس برس کی عمر میں نماز نہ پڑھنے پر مارو۔ حالانکہ سات برس میں بچہ مکلف بھی نہیں ہوتا۔ مگر یہ تجربہ ہے کہ جو بچپن میں نماز کا عادی ہو جاتا ہے اس کو ہمیشہ کے لئے نماز سہل ہوتی ہے۔ میری ابتدائی تربیت جن اصول کے تحت ہوئی ہے وہ یہ تھے کہ مجھے سترہ برس کی عمر تک نہ کسی سے بولنے کی اجازت تھی نہ بلا معیت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ یا چچا جان کے کہیں جانے کی اجازت تھی۔ حتیٰ کہ مدرسہ کی جماعت میں سبق بھی ان دو حضرات کے علاوہ کسی مدرس سے پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔ اور اس کی بھی اجازت نہ تھی کہ میں اپنی اور اپنے اکابر کے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی مجلس میں بھی بلا والد صاحب یا چچا جان کے ساتھ ہوئے بیٹھ سکوں کہ مبادا میں سبق کی جماعت میں یا حضرت کی مجلس میں کسی پاس بیٹھنے والے سے کوئی بات کروں۔ مجھے دو تین آدمیوں کے سوا کسی سے بات کرنے کی اجازت نہ تھی۔ تنہا مکان جانے کی اجازت نہ تھی یہاں تک کہ جماعت کی نمازیں بھی مخصوص حضرات کی زیر نگرانی شرکت کرتا تھا۔ اس دور کی آپ بیتی اگر میں سناؤں تو ایک سبق آموز ولطیفہ بن جائے کہ کس قدر تشدد مجھ پر رہا اور کس قدر سخت مجرم قیدیوں کی سی زندگی گزری مگر اللہ کا

لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کے فضل نے مجھ کو نباہنے کی توفیق فرمائی۔ جس کی برکات میں اب دنیا ہی میں پا رہا ہوں۔ مثال کے طور پر ایک قصہ لکھتا ہوں کہ ایک مرتبہ میرا نیا جوتہ مدرسہ میں سے کسی نے اٹھا لیا تو تقریباً چھ ماہ تک مجھے دوسرا جوتہ خریدنے کی ضرورت نہیں ہوئی کیونکہ اس مدت میں مجھے مدرسہ سے باہر قدم نکالنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ مدرسہ ہی کی مسجد میں جمعہ ہوتا تھا اور مدرسہ کے بیت الخلا میں ایک دو جوتے جو کسی کے پرانے ہو جاتے ہیں وہ ڈال دیتا ہے جو اب تک بھی دستور ہے۔ اس وجہ سے مجھے کسی ضرورت کے واسطے بھی مدرسہ کے دروازہ سے نہ تو باہر قدم رکھنا پڑا نہ جوتے کی ضرورت ہوئی۔ اس قسم کے سیکڑوں واقعات گزرے ہیں۔ اس کا اثر یہ ہے کہ اب مجھے مجمع سے وحشت ہے کسی مجمع میں جانا میرے لئے انتہائی مجاہدہ ہے حتیٰ کہ اپنے کمرہ میں اگر تنہا ہوں اور کمرہ کی زنجیر کھلی ہوئی ہو تو اس کی بہ نسبت مجھے اس میں زیادہ لطف اور سکون ہوتا ہے کہ اندر کی زنجیر لگی ہو۔ بھلا ایسا وحشی شخص کیا کہیں شریک ہو۔ جلسہ جلوس کی خصوصیت نہیں ہے مجھے تقریبات میں بھی شرکت سے وحشت ہوتی ہے۔ ہر نوع کے مجمعوں کی شرکت میرے لئے دقت کا سبب ہے ؎

قفس دانیم و بس راہ چمن از ما چہ می پرسی
کہ پیش از بال و پر برداشتند از آشیاں مارا

اس کے علاوہ ایک عذر یہ بھی پیش آگیا کہ جلسوں میں مقررین حضرات

تقاریر کے زور میں ایسے اونچے اونچے لفظ فرما دیتے ہیں کہ ان پہ سکوت شرعاً مشکل معلوم ہوتا ہے اور بولنے سے اختلاف کی خلیج وسیع ہوتی ہے، اور جلسہ میں گڑبڑ پیدا ہوتی ہے۔ حضرات مقررین کی تقریر ہی جب مؤثر ہوتی ہے جب وہ جوش میں اَن کہنی کبھی کہہ جائیں اور مجھ جیسے وہمی کو ہر چیز پہ یہ سوچ کہ یہ کہنا جائز تھا یا نہیں۔

انا تنبق وانت مثبق فکیف نتفق   چند سال ہوئے ایک جلسہ میں یہاں سہارن پور ہی میں شرکت کی نوبت آئی۔ مقرر صاحب نے ایک بات ایسی فرما دی جو صریح غلط تھی۔ ہمارے ناظم صاحب سے نہ رہا گیا فوراً ٹوک دیا۔ انہوں نے گرانی سے قبول کر لیا اور کہہ دیا کہ یہ ناظم صاحب یوں فرماتے ہیں۔ اس کے بعد پھر کچھ اور کہہ دیا۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارن پوری نور اللہ مرقدہ کے صاحبزادہ مولانا خلیل الرحمٰن صاحب مرحوم بھی شریک جلسہ تھے دوبارہ اُنہوں نے ٹوک دیا۔ وہ صاحب اچھا اچھا فرما کر آگے چل دیئے۔ تھوڑی دیر میں ایک اور صاحب نے جن کا میں نام نہیں لکھتا ٹوک دیا۔ مقرر صاحب کو اس قدر غصہ آیا کہ تقریر ہی بند کر دی۔ کہنے لگے کہ آپ لوگ یہ چاہتے ہی نہیں کہ میں تقریر کروں۔ اس کے ساتھ ہی جلسہ میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ آدھے آدمی ادھر آدھے اُدھر۔ ہر شخص مستقل اہل الرائے اور اہل فنون۔ کوئی مقرر کا حامی کوئی ناقدین کا طرفدار۔ آخر جلسہ تکدر سے ختم ہو گیا۔ اسی کے قریب قریب اور بھی چند واقعات تو خود مجھے پیش آ چکے ہیں کہ جلسوں میں ان مقررین حضرات

نے ایسے ایسے الفاظ استعمال فرمائے کہ اُن کو حدود میں رکھنا، اُن کی تاویل کرنا مشکل ہے۔ اسی لیئے اکثر جلسوں میں شرکت سے ڈر لگتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ میں جس کام میں لگ رہا ہوں اس کا سراسر دین اور متفق علیہ کارِ خیر ہونا یقینی ہے۔ خدا کرے کہ یہ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا[1] اور رُبَّ صَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ صِيَامِهٖ إِلَّا الْجُوْعُ وَرُبَّ قَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ قِيَامِهٖ إِلَّا السَّهَرُ[2] کے ذیل میں نہ ہو۔ مجھے اپنی بدعملیوں سے یہ اندیشہ ضرور رہے کہ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ لِيُقَالَ إِنَّكَ عَالِمٌ فَقَدْ قِيْلَ[3]

---

[1] یہ سورہ کہف کے اخیر رکوع کی ایک آیت کا ٹکڑا ہے۔ پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کہئے کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل خسارہ میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کری کرائی محنت سب گئی گزری ہوئی۔ اور وہ اس خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

[2] یہ ایک حدیث ہے۔ حضورؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ بہت سے روزہ رکھنے والے ایسے ہیں جن کو روزہ سے بجز بھوکا رہنے کے کوئی نفع نہیں اور بہت سے رات کو عبادت کرنے والے ایسے ہیں جن کو رات بھر عبادت میں کھڑے رہنے سے جاگنے کے سوا کوئی فائدہ نہیں۔

[3] یہ بھی ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جن لوگوں کا فیصلہ ہوگا ان میں ایک تو شہید ہوگا جس کو بلا کر اللہ کی نعمتیں جو دنیا میں اس پر ہوئی تھیں یاد دلا کر پوچھا جائے گا کہ ہماری ان نعمتوں کے مقابل میں تو نے کیا کارگزاری کی۔ وہ کہے گا کہ میں نے تیرے راستہ میں جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہوگیا۔ حکم ہوگا کہ یہ ہمارے لیئے نہیں تھا بلکہ اس لیئے تھا کہ لوگ کہیں بڑا بہادر تھا۔ کہ جان کی بازی لگا دی چنانچہ لوگوں نے کہہ دیا اور جس نیت سے کیا تھا (باقی اگلے صفحہ پر)

نہ بن جائے لیکن لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ کے بھروسہ لگ رہا ہوں مگر کام یقیناً سراسر خیر ہے اور اہل حق میں سے کسی کو بھی اس کے خیر ہونے میں تردد نہیں ہے۔ ایسی صورت میں کسی دوسرے مشغلہ میں لگنا اس کے حرج کا یقینی سبب ہے لوگ کہتے ہیں کہ آخر حضرت مدنی بھی دونوں کام کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں بے شک کرتے ہیں مگر مجھے اس میں حضرت مدنی کی ترص کرنا سراسر حماقت ہے۔ بھلا جس شخص کے یہاں سفر حضر برابر ہو دن رات یکساں ہو نہ اس کو راحت کی ضرورت ہو، نہ تکان پاس پھٹکتا

(پچھلے صفحہ سے آگے) وہ مل گیا۔ اس کو حکم ہوگا کہ جہنم میں پھینک دیا جائے۔ پھر ایک عالم بلایا جائے گا اس کو بھی اسی طرح اللہ کی نعمتیں جتائی جائیں گی اور سوال ہوگا کہ ان نعمتوں میں کیا کارگزاری کی تھی۔ وہ کہے گا کہ میں نے علم پڑھا اور پڑھایا سب آپ کے لئے کیا۔ ارشاد ہوگا جھوٹ ہے۔ یہ سب اس لئے کیا تھا کہ لوگ کہیں بڑا عالم ہے پس لوگوں نے کہہ دیا اور مقصود پورا ہوگیا۔ اس کو بھی جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ پھر ایک مالدار بلایا جائے گا جس کو ہر قسم کی دولت اللہ نے دی تھی اس سے بھی اسی طرح سوال ہوگا۔ وہ کہے گا کہ میں نے کوئی خیر کا موقعہ ایسا نہیں چھوڑا جس میں خرچ نہ کیا ہو۔ ارشاد ہوگا کہ یہ سب اس لئے تھا کہ لوگ کہیں بڑا سخی ہے سو کہہ دیا گیا اس کو بھی جہنم میں پھینک دیا جائے گا (مشکوٰۃ)

لہ یہ قرآن پاک کی ایک آیت کا ٹکڑا ہے جو سورہ زمر کے چھٹے رکوع کے شروع میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جنہوں نے (گناہ کرکے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں تم خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو بالیقین حق تعالیٰ شانہٗ گناہوں کو (توبہ سے اور اپنے فضل سے) بخش دیں گے۔ وہ تو بڑے ہی بخشنے والے اور رحم والے ہیں۔

ہو اس کی کوئی کیا حرص کر سکتا ہے۔ ان کا تو یہ حال ہے کہ حجاز سے سفر شروع کریں اور کراچی سے اُتر کر سیدھے دو شب دو روز ریل میں گزار کر پانچ بجے صبح دیوبند پہنچیں اور چھ بجے بخاری شریف کا سبق پڑھا دیں جیسا کہ اس آخری سفر حج میں پیش آیا ہے۔ وہ مسلسل پندرہ دن تک روزانہ کئی سو میل کا سفر کریں اور کئی کئی تقریریں کر دیں جیسا کہ گزشتہ سال ہوا۔ ابھی دو ایک برس کا قصہ ہے کہ سہارنپور میں سیرت پر ایک ہفتہ وار تقریر کا وعدہ ایک مجلس میں کر گزرے تھے۔ کئی مہینہ تک ہر ہفتہ شب کی گاڑی سے آنا۔ عشاء کے بعد سے ایک بجے تک تقریر کرنا اور تین بجے بد کسی کے جگائے اُٹھ کر ریل پر چل دینا اور صبح کو سبق پڑھانا جس میں مسلسل تین چار گھنٹے تقریر فرمانا۔ اس کے بالمقابل میری حالت یہ کہ میرا انتہائے سفر اکثر دہلی ہوتا ہے۔ جانے سے ایک دن پہلے سے سہم جاتا ہوں کہ سفر درپیش ہو گیا ہے اور واپسی کے دو تین دن بعد تک سفر کا خمار اور تعب و تکان رہتا ہے کہ سبق میں دلجمعی نہیں ہوتی۔ تالیف میں دلبستگی نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ حضرت مدنی کی ابتدائی مدرسی مدینہ منورہ میں برسوں ایسی جانفشانی سے گزر چکی ہے کہ بعض زمانوں میں مسلسل بارہ تیرہ سبق روزانہ پڑھانا اور شب و روز میں صرف دو تین گھنٹے سونا باقی اوقات یا سبق یا اس کا مطالعہ۔ جو شخص ایک عرصہ تک اس طرح استعداد کو پختہ کر چکا ہو اس کی حرص کرنا اپنی استعداد کا ناقص کرنا نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ تو علوم کا حال تھا۔ اب سلوک کی سنو۔ سب سے پہلی غوطہ تو بحرِ عشق و معرفت شیخ العرب

دالجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے یہاں لگایا اور مدینہ پاک میں مسجد اجابت جیسی بابرکت اور یکسو جگہ میں عرصہ تک ضربیں لگائیں۔ پھر اس کی تکمیل و تخصیص قطب الارشاد حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کے یہاں ہوئی اور پھر برسوں حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ کے ظلِ عاطفت میں ماشاء کی یکسوئی میں اس رنگ کو پکایا۔ ایسے شخص پر کیا تو اغیار کا اثر ہو اور کیا تشتت اس کو مضر ہو اور میری حالت یہ کہ بالکل تنہائی میں بھی یکسوئی نہیں ہوتی۔ ع

ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

تو ایسی حالت میں اُن کی حرص کر کے میں غریب کہاں رہوں گا۔ مجھے تو گوشۂ یکسوئی میں پڑے رہنے پر بھی تبتل[1] اور دلجمعی نصیب ہو جائے تو غنیمت ہے۔ کوا چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا۔ وَکَیْفَ یُدْرِکُ الظَّلِیْعُ شَاْوَ الضَّلِیْعِ[2] یہ میری اپنی حالت ہے۔ جن لوگوں کو حق تعالیٰ شانہٗ نے ہمت و قوت عطا فرمائی ہے اور وہ ذی استعداد مالک الاوقات ہیں وہ ضرور

---

[1] یہ قرآن پاک کی ایک آیت کی طرف اشارہ ہے جو سورۂ مزمل کے پہلے رکوع میں وارد ہوئی ہے۔ وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل جلالہٗ کا ارشاد ہے کہ: اپنے رب کا نام لیتے رہیں اور سب سے تعلقات منقطع کر کے اسی کی طرف متوجہ رہیں۔

[2] یہ عربی کی ایک ضرب المثل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ لنگڑا اونٹ، قوی اور توانا (گھوڑے) کی رفتار کیسے چل سکتا ہے۔

کریں اور اُن کو کرنا چاہیئے۔ ایک ناکارہ و نااہل پر اپنے کو قیاس نہیں کرنا چاہیئے۔

دوسرا جز طلبہ کے متعلق ہے۔ میں تو طلبہ کی ہر قسم کی عملی شرکت کو ان کے لئے سمِ قاتل سمجھتا ہوں۔ ممکن ہے کہ میرے بعض اکابر میرے اس خیال کی زور شور سے تردید فرمائیں اور بہت ممکن ہے کہ حق بھی وہی ہو جو وہ ارشاد فرمائیں۔ کیونکہ بہر حال وہ میرے بڑے ہیں اور میری رائے اُن کے مقابلہ میں کوئی بھی چیز نہیں۔ مگر میری ناقص سمجھ میں تو اب تک جتنا غور کرتا ہوں یہی آتا ہے اور بہت سی وجوہ سے میرے خیال خام میں اب تک یہی چیز جمی ہوئی ہے اُن میں سے بعض کی جانب تمہیں متوجہ کرتا ہوں۔

الف، سَلِ الْمُجَرِّبَ وَلَا تَسْئَلِ الْحَكِيْمَ[علہ] میں پوچھتا ہوں ایک گہری نظر عالم پر یا کم از کم ہندوستان پر ڈال کر دیکھو کہ آج جتنے حضرات علمی دنیا کے ملک میں اُن کی طالب علمی کا زمانہ کیسا گزرا ہے۔ آج وہ خواہ کسی میدان میں گامزن ہوں لیکن علمی مشغلہ والے بالعموم وہی ملیں گے۔ جو طلب علمی کے زمانہ میں انہماک سے اس میں لگے رہے اور جو حضرات اس زمانہ میں کسی دوسری طرف مشغول رہے ہیں آج وہ شہرت میں خواہ کتنے ہی ممتاز ہوں اور علماء کی فہرست میں خواہ کتنے ہی شمار ہوتے ہوں مگر علمی مشغلہ تحقیق تدقیق فقہ تحدیث پر اُن کی نظر بہت ہی پہنچے ہے گی۔ کسی

[علہ] یہ عرب کی ایک مشہور ضرب المثل ہے کہ تجربہ کار سے بات تحقیق کرنی چاہیئے بڑے عقلمند اور دانا سے تحقیق نہیں ہوتی۔

غیر معمولی فقہی مسئلہ کی ضرورت پیش ہو یا کسی علمی تحقیق و تدقیق کی ضرورت ہو تو ان کا قدم آگے نہیں ملے گا۔ یہ کچھ دلائل کی بات نہیں ہند کے علماء کے سامنے ہیں۔ ایک نگاہ غور سے ڈالو پتہ چل جائے گا۔

(ب) ہمارے اکابر اور اکابر کے اکابر ہمیشہ علم سلوک ان کی جان رہا ہے اور گویا علمی مشغلہ کے ساتھ ان حضرات کے یہاں یہ سلسلہ بھی جزو لاینفک کے قبیل سے رہا اور ہے مگر خلفاً عن سلف سب کے سب قطعتہً طلبا کو بیعت سے انکار ہی فرماتے رہے۔ حالانکہ ان حضرات کے یہاں یہ جز کتنا ضروری سمجھا جاتا ہے مگر طلب علم کے اس کو بھی منافی سمجھتے رہے۔

(ج) تجربہ اور سرسری غور سے اصولاً بھی میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ طلبا کا جلسوں اور جلوسوں میں شریک ہونا ایسا نہیں ہے کہ وہ محض وقتی چیز ہو۔ ہفتوں نہیں تو کئی کئی دن تک ان کا ذکر تذکرہ ان پر تبصرہ اُن کا حسن و قبیح طلبا کی مجلس کا اہم مشغلہ رہتا ہے۔

(د) پھر ان کی اجتماعی زندگی ایک دارالطلبہ میں ان کا مجموعی قیام چوبیس گھنٹہ کا ساتھ اس مناظرانہ گفتگو کو ختم بھی نہیں ہونے دیتا۔ ہر مجلس میں یہی تذکرہ، ہر وقت یہی بحث کہاں کا مطالعہ اور کہاں کا تکرار اور کہاں کا سبق۔ یہ روزمرہ کے واقعات ہیں جو انکار کر دینے سے زائل نہیں ہو سکتے۔

(ہ) پھر ان مناظروں اور اختلافات کا ثمرہ منازعت اور جھگڑوں

پر پہنچتا ہے۔ جس خیال کے مجمع کی کثرت ہوتی ہے۔ وہ اقلیت کو دبانے
کی کوشش کرتا ہے۔ اول اپنے زور سے یہ ناکافی ہو تو ناظم و مہتمم مدرسہ کے
یہاں جھوٹی سچی شکایات سے اور دوسرا فریق جوابی کوشش میں ان پہ
جھوٹ افترا اور سچی شکایات کا طومار باندھتا ہے۔ پھر عموماً غالب فریق
کے گواہ بھی کثرت سے ہو جاتے ہیں اور مغلوب کے لئے سچی گواہی دینے
والے بھی مشکل سے ملتے ہیں۔ ناظمین مدارس عالم الغیب بھی نہیں ہوتے
جس کا ثمرہ کثر یہ بھی ہو جاتا ہے کہ اصل مجرم بری ہو جاتے ہیں غیر مجرم ماخوذ۔
یہ محض تخیلات نہیں واقعات ہیں جو آئے دن گزرتے ہیں اور ہم لوگ ان
کو تکتے ہیں۔ اختلاف رائے عام طبقہ میں بھی ہوتا ہے۔ ان میں اختلافات
اور نزاعات بھی ہوتے ہیں مگر وہ اکثر وقتی ہوتے ہیں۔ ان کے اجتماعات
عموماً مخصوص وقت کے ساتھ ہوتے ہیں۔ جلسہ ختم ہوا سب اپنے اپنے
گھر چلے گئے۔ مگر ان لوگوں کا یہی گھر ہے، یہی مجلس خانہ، چوبیس گھنٹہ تک
یک جائی قیام۔ ایسی صورت میں معمولی سا اختلاف بھی شروع ہوتا ہے
تو وہ مہینوں نشو ونما پاتا ہے۔ یہ تو طلبا کا اپنا ماحول ہوا۔ ایک قدم
آگے اور بڑھاؤ۔

آج کل مدرسین کسی مدرسہ کے بھی ایک خیال کے ہیں۔ دو چار
ادھر ہیں تو دو چار ادھر۔ اسباق میں معمولی سی مناسبت سے نہیں بلکہ
بے سن مناسبت کے بھی بحثیں چھڑ جاتی ہیں۔ ان پر تبصرے ہوتے ہیں۔
رائے زنیاں ہوتی ہیں۔ اپنے ہم خیال لوگوں کی تعریفیں ہوتی ہیں ان کی

تقریروں کی مدح وثنا ہوتی ہے۔ دوسروں پر تنقید ہوتی ہے تفضیحیک ہوتی ہے اُن کی نقلیں اتاری جاتی ہیں۔

(ظ) ایک قدم اور آگے چلو۔ جماعت کے سب طلبا، مدرس کے ہم خیال نہیں ہوتے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جن کی وہ تعریف کر رہا ہے وہ اکثر طلبا کی نگاہ میں تنقید کے قابل ہے اور جن کی مدرس تغلیط کر رہا ہے طلبہ اکثر نہیں تو معتد بہ اس کے حامی ہیں۔ اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے وہ مدرس اُن طلبہ کی نگاہ میں بے وقعت ہوتا ہے۔ کج فہم اور متعصب بنتا ہے اور جب طلبہ کے تخیلات مدرس کی طرف سے یہ ہوں گے تو علمی انتفاع معلوم۔ یہ طے شدہ امر ہے اور عادۃ اللہ ہمیشہ سے یہی جاری ہے کہ اساتذہ کا احترام نہ کرنے والا کبھی بھی علم سے منتفع نہیں ہو سکتا۔ جہاں کہیں ائمۂ فن طالب علمی کے اصول لکھتے ہیں اس چیز کو نہایت اہتمام سے ذکر فرماتے ہیں اور محدثین نے تو مستقل طور پر آداب طالب کا باب ذکر کیا ہے جو اوجز المسالک[1] کے مقدمہ میں مفصل مذکور ہے۔ اس میں اس چیز کو خاص طور سے ذکر کیا ہے امام غزالی نے بھی احیاء العلوم میں اس پر مفصل بحث فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ استاد کے ہاتھ میں کلیۃً اپنی باگ دے دے اور بالکل اسی طرح انقیاد کرے جیسا کہ بیمار مشفق طبیب کے سامنے ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ جس نے مجھے ایک حرف بھی پڑھا میں اس

---

[1] مقدمہ اوجز المسالک شرح مؤطا کی جلد اوّل میں شامل ہے اور علیحدہ بھی مل جاتا ہے۔

کہ غلام ہوں چاہے وہ مجھے فروخت کردے یا غلام بنائے۔ علامہ زرنوجی نے تعلیم المتعلم میں لکھا ہے کہ میں بہت سے طلبہ کو دیکھتا ہوں کہ وہ علم کے منافع سے بہرہ یاب نہیں ہوتے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ علم حاصل کرنے کی شرائط اور آداب کا لحاظ نہیں رکھتے اسی وجہ سے محروم رہتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں انہوں نے ایک مستقل فصل اساتذہ کی تعظیم کے ضروری ہونے میں لکھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ طالب علم علم سے منتفع ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ علم اور علماء اور اساتذہ کا احترام نہ کرے۔ جس شخص نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ احترام سے کیا ہے اور جو گرا ہے بے حرمتی سے گرا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ آدمی گناہ سے کافر نہیں ہوتا دین کے کسی جز کی بے حرمتی کرنے سے کافر ہو جاتا ہے۔ ولنعم ما قیل ؎

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم گشت از فضل رب

ہم اللہ جل شانہٗ سے ادب کی توفیق چاہتے ہیں کہ بے ادب اللہ کے فضل سے محروم ہوتا ہے ؎

ادب تاجیست از فضلِ الٰہی
بنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی

یعنی ادب فضلِ خداوندی کا ایک زبردست تاج ہے اس کو سر پر رکھ کر جہاں چاہے چلے جاؤ۔ اور یہ مثل تو مشہور ہی ہے۔ باادب بانصیب بے ادب بے نصیب۔

امام سدید الدین شیرازی فرماتے ہیں کہ میں نے مشائخ سے سنا ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اُس کا لڑکا عالم ہو جائے اُس کو چاہیئے کہ علماء کا اعزاز و اکرام بہت کرتا رہے اور ان کی خدمت کثرت سے کرے۔ اگر بیٹا عالم نہ ہوا تو پوتا ضرور عالم ہو جائے گا۔ امام شمس الائمہ حلوانی کا قصہ مشہور ہے کہ وہ کسی ضرورت سے کسی گاؤں میں تشریف لے گئے۔ وہاں جتنے شاگرد تھے وہ اُستاد کی خبر سن کر زیارت کے لئے حاضر ہوئے مگر قاضی ابوبکر حاضر نہ ہو سکے۔ بعد میں جب ملاقات ہوئی تو اُستاد نے دریافت کیا۔ اُنہوں نے والدہ کی کسی ضروری خدمت بجا لانے کا عذر کیا۔ شیخ نے فرمایا کہ رزق میں وسعت ہوگی مگر علم سے نفع نہیں ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ویسے بھی عام طور سے مشہور ہے کہ والدین کی خدمت رزق میں زیادتی کا سبب ہوتی ہے اور اساتذہ کی خدمت علم میں ترقی کا۔ الغرض یہ بالکل طے شدہ امر ہے۔ لیکن ہمارا جو طرزِ عمل ہے وہ سب ہی کو معلوم ہے کہ جب شاگردوں اور استاد کا سیاسی اختلاف ہوتا ہے تو اس پر فقرہ بازی، تنقیص، عیب جوئی وغیرہ میں انتہا ہوتی ہے جو اُن کے لئے حرمان کا سبب بن جاتا ہے۔ میرا تو تجربہ یہاں تک ہے کہ انگریزی تعلیم بھی جو لوگ طلب علمی میں اساتذہ کی مار کھاتے ہیں وہ کافی ترقیاں حاصل کرتے ہیں۔ اونچے اونچے عہدوں پر پہنچتے ہیں۔ جس غرض سے وہ علم حاصل کیا تھا وہ نفع پورے طور پر حاصل ہوتا ہے اور جو اس زمانہ میں اُستادوں کے ساتھ نخوت و تکبر سے رہتے ہیں وہ بعد میں اپنی ڈگریاں لئے ہوئے سفارشیں ہی کراتے پھرتے ہیں۔ کہیں اگر بمشکل مت

ں بھی جاتی ہے تو آئے دن اس پر آفات ہی رہتی ہیں۔ بہر حال جو علم بھی ہو اُس
کا کمال اُس وقت تک ہوتا ہی نہیں اور اس کا نفع حاصل ہی نہیں ہوتا جب
تک کہ اُس فن کے اساتذہ کا ادب نہ کرے۔ چہ جائیکہ اُن سے مخالفت کرے
کتاب ادب الدنیا والدین میں لکھا ہے کہ طلب علم کے لئے استاد کی خوشامد اور
س کے سامنے تذلل (ذلیل بننا) ضروری ہے۔ اگر ان دونوں چیزوں کو اختیار
کرے گا نفع کمائے گا اور دونوں کو چھوڑ دے گا تو محروم رہے گا۔ حضور سے
نقل کیا ہے کہ طلب علم کے سوا کسی چیز میں خوشامد کرنا مومن کی شان نہیں ہے۔
حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں طالب ہونے کے وقت ذلیل بنا تھا۔
س لئے مطلوب ہونے کے وقت عزیز بنا۔ بعض حکیموں کا قول نقل کیا ہے
کہ جو شخص علم کی تھوڑی سی ذلت کو برداشت نہیں کرتا ہمیشہ جہل کی ذلت
میں رہتا ہے۔

ی، اس کے بعد کا حشر اور بھی خراب اور تکلیف دہ ہوتا ہے کہ اب
مدرسہ کی ذات بحثِ مناظرہ بن جاتی ہے۔ موافقین کے نزدیک وہ فرشتہ
ہے جس کی ہر نقل ثواب ہے۔ اس کا ہر فعل حجت ہے۔ مخالفین کے نزدیک
وہ مدرسہ میں رکھنے کے قابل نہیں وہ پڑھانے کے قابل نہیں۔ نہ اس کی استعداد
کوئی ہے نہ اس کی تقریر سمجھ میں آتی ہے۔ اس کی ہر خوبی قابل نفرت ہے۔
اس کا ہر فعل قابل مذمت ہے۔ اس کے مثالب ومعائب تلاش کئے جاتے ہیں
اور جب نہیں ملتے تو جھوٹے افترا کئے جاتے ہیں۔ اُن کا منظم طریقہ سے
پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ کیا یہ واقعات ایسے ہیں جو کسی واقف سے اُوجھل

ہوں یا مدارس سے تعلق رکھنے والے اُن سے انکار کر دیں۔

(ک) یں حال ہی کا ایک واقعہ ایک مدرسہ کا لکھتا ہوں کہ ایک حجرہ کے چند طلبہ میں کھانا کھاتے ہوئے یہ بحث چل پڑی کہ اکثریت کا فیصلہ ہر حال میں قابل حجت ہے یا نہیں۔ اوّل گفتگو ہوئی پھر مناظرہ ہوا پھر مجادلہ ہوا۔ اسی مجلس میں منتہا یہ ہوا کہ ایک جانب سے لکڑی چلی اور دوسری جانب سے جوتہ چلا۔ مدارس میں کون نگران ایسا ہے جو ان کے ساتھ ہمزاد کی طرح ہر وقت ساتھ رہے۔ کون ہر وقت چوبیس ۲۴ گھنٹہ ان کے پاس بیٹھا رہے کہ اُن کی ہر گفتگو کو سنتا رہے اور حدود سے تجاوز نہ کرنے دے۔

(ل) اسی طرح ابھی چند روز کا ایک مدرسہ کا واقعہ ہے کہ ایک جلسہ میں چند طلبہ کی شرکت ہوئی۔ بعد میں جلسہ کی کارگزاری پر رائے زنی ہوئی۔ پھر مباحثہ ہوا۔ دو فریق بن گئے۔ اوّل اوّل دھمکیاں رہیں آخر ایک دن ایک فریق نے دوسرے فریق کے ایک آدمی کو حجرہ میں بند کر کے اس قدر مارا کہ قریب الموت کر دیا۔ یہ آئے دن کے واقعات ہیں فرضی افسانے اور احتمالات عقلیہ نہیں ہیں۔

(م) اس کے بعد یہ بھی غور طلب ہے کہ طلبا کو جن اولیا نے اہل مدارس کے سپرد کیا ہے اُن کی غرض تعلیم ہے اور صرف تعلیم۔ اُن میں سے اکثر و بیشتر ایسے ہیں جو باوجودیکہ خود تحریکاتِ حاضرہ کے حامی اور ساعی ہیں۔ لیکن اُن سے اگر کہا جائے کہ صاحبزادہ آج اس میں مشغول ہیں تو وہ اُس کی شکایت کرتے ہیں اور اس قسم کے خطوط کثرت سے منتظمین کے پاس موصول ہوتے رہتے

ہیں اور زبانی بھی وہ کہتے رہتے ہیں کہ سیاست ہمارے گھر کی چیز ہے۔ چند روز ہمارے ساتھ رہ کر اس سے کافی مناسبت پیدا ہو سکتی ہے۔ اس وقت ہم صرف استعدادِ علوم چاہتے ہیں۔

ان امور کے بعد اُس روپیہ کے مصرف کا سوال ہے جو علم کے نام سے لیا جاتا ہے اور دینے والے صرف علم کے مشغلہ کی وجہ سے دیتے ہیں۔ اگرچہ بہت سے حضرات ایسے بھی ہیں جو سیاسی مشاغل میں صرف کرنے کے خلاف نہیں، لیکن بہت سے ایسے بھی ہیں جن کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ روپیہ فلاں کام میں خرچ ہو گا اور اس وظیفہ کے پانے والے طلبہ کا یہ مشغلہ ہو گا تو ایسی صورت میں وہ ہرگز گوارا نہ کریں۔ بلکہ بعض حضرات تو یہ شرط بھی لگا دیتے ہیں کہ ایسے طلبہ کو اُس میں سے دینے کی اجازت نہیں ہے تو کیا پھر ایسی صورت میں یہ احتیاط کا مقتضیٰ نہیں ہے کہ روپے کو اس کے مصرف میں نہایت حزم و احتیاط سے خرچ کیا جائے۔ مدرسین اس میں احتیاط کر سکتے ہیں کہ وہ اگر اپنا وقت ایسے کاموں میں خرچ کریں تو شرعی قواعد کے ماتحت دوسرے وقت سے اس کی تلافی کر دیں۔ لیکن کیا طلبہ بھی اس میں احتیاط کر سکتے ہیں یا اگر کر سکتے ہیں تو کرتے بھی ہیں۔

یہ چند امور میں نے مثال کے طور پر لکھے ہیں غور کرو گے تو اور زیادہ کلام کی گنجائش ہو گی۔ امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ طلب علم کے لئے بہت سے آداب اور شرائط ہیں اُن میں سے اہم اور اصل اصول دس ہیں ان کے منجملہ ایک یہ بھی ہے کہ اپنے آپ کو کسی دوسری چیز میں مشغول

نہ کرے۔ اہل وعیال اور وطن سے دُور جاکر علم حاصل کرے تاکہ خانگی ضروریات
مشغول نہ بنائیں کہ تعلقات ہمیشہ علم سے پھیرنے والے ہوتے ہیں اور اللہ
جل شانہ' کا ارشاد ہے مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَیْنِ فِی جَوْفِہِ حق تعالیٰ شانہ'
نے کسی آدمی کے دو دل نہیں پیدا فرمائے ہیں۔ اسی وجہ سے مشہور ہے
کہ علم اُس وقت تک تجھ کو اپنا تھوڑا سا حصّہ بھی نہ دے گا جب تک کہ تو اپنے
آپ کو ہمہ تن اس کے حوالے نہ کردے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو دل مختلف چیزوں
میں مشغول رہے وہ کھیت کی اس نالی کی طرح ہے جس کی ڈول بنی ہوئی نہ
ہو کہ کچھ حصّہ اس میں سے اِدھر اُدھر چلا جائے گا اور کچھ حصّہ پانی کا ہوا
بن کر اُڑ جائے گا صرف تھوڑا سا پانی رہے گا جو کھیت کے لئے کارآمد ہوسکے گا۔
اس سب کے بعد مجھے اس چیز کے اعتراف سے بھی انکار نہیں ہے کہ طلبا
کی بے فکر جماعت مقاصد کی کامیابی کے لئے بہترین جماعت ہے لیکن موجودہ
ماحول میں مفسد غالب ہیں اور جلبِ منفعت سے دفعِ مضرت ہمیشہ مقدم
ہوتا ہے اس لئے ماحول کی تبدیلی تک یہ چیز میرے نزدیک خطرناک ہے
البتہ اگر ان کے حدود میں رہنے کی کوئی صورت پیدا ہوسکے تو امر آخر ہے۔
تیسرا جزء غیر طلبہ کے متعلق ہے جو لوگ دین کے کسی خاص کام میں منہمک
نہیں ہیں ان کو یقیناً انہماک کے ساتھ شریک ہونا چاہیئے لیکن دیانت کے
ساتھ اور اُس دیانت کے ساتھ جس کو وہ کل اللہ کے سامنے پیش کرسکیں۔
وہ ان کے اعمال نامے میں جلی قلم سے لکھی جاسکے۔ جہاد دین کا اہم ترین
شعبہ ہے اس لئے ہر وہ چیز جو اعلاءِ کلمۃُ اللہ کی معین و مددگار ہو یقیناً

مفید ہے اور ضروری ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک دن کسی اسلامی سرحد کی حفاظت میں لگے رہنا ساری دنیا سے اور دنیا میں جو کچھ ہے سب سے افضل ہے اور اللہ کے راستے میں صبح کو چلنا یا شام کو چلنا دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے افضل ہے۔ دوسری حدیث میں وارد ہے کہ ایک دن رات کا رباط (یعنی اسلامی سرحد کی حفاظت میں مشغولی) ایک ماہ کے نفلی روزوں سے افضل ہے اور تمام مہینہ کی شب بیداری سے افضل ہے اور اس حالت میں کسی کی موت آجائے تو صدقہ جاریہ کے طور پر ہمیشہ کے لئے اس کے اعمال میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص اسی حالت میں مرجائے قیامت تک اس کے نیک عمل کا ثواب ملتا رہے گا اور اس کو رزق عطا ہوتا رہے گا اور قبر کے فتنوں سے محفوظ رہے گا اور قیامت کے دن (جو نہایت ہی گھبراہٹ کا دن ہوگا) یہ شخص نہایت مطمئن ہوگا۔

ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کسی ایسی ہی جگہ کھڑے تھے کسی نے پوچھا کہ آپ کیوں کھڑے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ کے راستے میں تھوڑی دیر کھڑے رہنا حجر اسود کے پاس شب قدر میں جاگتے رہنے (اور عبادت کرنے) سے افضل ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اس شخص کی ایک نماز دوسروں کی پانسو نمازوں سے افضل ہے اور اس شخص کا ایک روپیہ دوسروں کے سات سو روپیہ سے افضل ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ بہترین شخص دو آدمی ہیں ایک وہ جس کے

پاس کچھ جانور ہوں (کہ وہ ذریعہ معاش ہوں) ، اُن کا حق ادا کرتا ہو اور اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہو۔ دوسرا وہ شخص جو گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے اللہ کے دشمنوں کو ڈراتا ہو اور وہ اس کو ڈراتے رہتے ہوں (ف، پہلے شخص کے بارے میں جانوروں کا ہونا قید نہیں ہے مقصود یہ ہے کہ معمولی گزر اوقات کا کچھ سبب ہو اور عبادت میں ہر وقت مشغول رہے۔ اسی طرح دوسری جانب گھوڑا قید نہیں ہے۔ چونکہ اس زمانہ میں جہاد گھوڑے ہی پر عموماً ہوتا تھا اس لئے اس کو ارشاد فرمایا۔ مقصود یہ ہے کہ اللہ کے دشمنوں کو مرعوب کرتا ہو۔ خواہ کسی طریقہ سے ہو۔ بہت سی حدیثوں میں یہ مضمون وارد ہے کہ دو آنکھیں ایسی ہیں جن کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی۔ ایک وہ آنکھ جو اللہ کے راستے میں جاگی ہو۔ دوسری وہ آنکھ جو اللہ کے ڈر سے کسی وقت روئی ہو۔

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں یہ بتاؤں کہ لیلۃ القدر سے افضل کونسی رات ہے۔ وہ رات ہے جس میں (دین کی حفاظت کے لئے) کسی خطرہ کی جگہ کوئی شخص جاگے۔ اس کو یہ بھی اُمید نہ ہو کہ اپنے اہل وعیال کی طرف صحیح سالم لوٹ سکتا ہے یا نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ہر آنکھ رونے والی ہوگی مگر وہ آنکھ جو ناجائز چیز (مثلاً نامحرم عورتوں وغیرہ) سے بند رہی ہو اور وہ آنکھ جو اللہ کے راستے میں جاگی ہو اور وہ آنکھ جس سے ایک مکھی کے سر کے برابر بھی آنسو کا قطرہ اللہ کے خوف سے نکلا ہو۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ

جو شخص اللہ کے راستے میں کچھ خرچ کرتا ہے وہ سات سو درجہ ثواب پاتا ہے
ایک حدیث میں ہے جو کسی مجاہد کی اعانت کرے وہ بھی مجاہد ہے۔ اور جو
اُس کے اہل وعیال کی خبر گیری کرے وہ بھی مجاہد ہے۔ ایک حدیث میں ہے
جو کسی مجاہد کی اعانت کرے یا کسی قرضدار کی مدد کرے۔ اللہ جل شانہ اُس
کو ایسے دن اپنی رحمت کے سایہ میں رکھیں گے جس دن اُن کے سوا کسی کا سایہ
نہ ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کیا ہی مبارک ہے وہ شخص جو جہاد میں بھی اللہ
کے ذکر کی کثرت رکھے کہ اس کو ہر کلمہ پر ستر ہزار نیکیاں ملتی ہیں اور ہر نیکی
دس گنا ثواب رکھتی ہے اور اللہ جل شانہ کے یہاں جو خاص انعام ہوگا وہ
مزید براں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اللہ کے خوف سے رو یا ہو
وہ اس وقت تک جہنم میں نہیں جا سکتا جب تک کہ دودھ تھنوں میں واپس نہ ہو۔ مراد
یہ ہے کہ اس کا جہنم میں جانا محال ہے، اور جس ناک کے سوراخ میں اللہ
کے راستے کا غبار گیا ہو اس میں جہنم کی آگ کا دھواں کبھی نہیں جا سکتا۔
ایک حدیث میں آیا ہے کہ جن قدموں پر اللہ کے راستے کا غبار پڑا ہے اُن
کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس چہرہ پر اللہ کے
راستہ کا غبار پڑا ہے اس تک جہنم کی آگ کا دھواں نہیں پہنچ سکتا۔ ایک
حدیث میں ہے کہ جس شخص کے کوئی زخم اللہ کے راستہ میں آیا ہے اُس پر
قیامت کے دن شہیدوں کی مُہر لگی ہوئی ہوگی اور وہ زخم زعفران کے رنگ
کی طرح چمکتا ہوا ہوگا اور اُس میں سے خوشبو اور مہک مُشک کی سی آئے گی۔
جس سے ہر شخص پہچان لے گا کہ یہ زخم اللہ کے راستے میں لگا ہے۔

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک قافلہ کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے۔ اس قافلہ میں ایک نوجوان تھا جو راستہ سے بچ کر علیحدہ چل رہا تھا۔ حضورؐ نے اس سے دریافت کیا کہ تم علیحدہ کیوں جاتے ہو۔ اس نے عرض کیا کہ غبار کی وجہ سے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس غبار سے بچنے کی ضرورت نہیں یہ قیامت کے دن مُشک کے ریزے بنے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اللہ کے راستہ میں ایک تیر چلائے خواہ وہ نشانہ پر لگے یا نہ لگے اس کو ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ہے۔ ان کے علاوہ سیکڑوں احادیث اس کے ثواب و ترغیب اور چھوڑ دینے کی وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ اور جہاد ہر وہ کوشش ہے جو اسلام کے غلبہ اور کفار کی مدافعت کے لئے کی جائے۔ اس لئے جو بھی کوشش اس نیت اور ارادے سے ہوگی وہ اس میں داخل ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ افضل جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے حالانکہ ظالم بادشاہ کے لئے کافر ہونا ضروری نہیں بلکہ مسلمان بادشاہ اگر ظالم ہو تو وہ بھی اس میں داخل ہے۔ بلکہ بڑی شرط یہی ہے کہ ساری جد وجہد کا مقصد اسلام کی قوت اس کی رفعت اس کی بلندی ہو۔

ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایک شخص غنیمت (یعنی دنیوی منفعت) کے ارادے سے جہاد کرتا ہے ایک اس نیت سے کہ اس کی قوت و طاقت کا مظاہرہ ہو، ایک اس نیت سے کرتا ہے کہ اس کی شہرت اور چرچا ہو۔ ان میں سے کونسا جہاد معتبر ہے؟ حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جہاد وہی ہے جو صرف اس لئے کیا جائے
کہ اللہ کا بول بالا ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کسی شخص نے حضورؐ سے دریافت
کیا۔ ایک شخص جہاد کرتا ہے اور وہ دنیا کے کسی نفع کے ارادہ سے کرتا ہے
حضورؐ نے فرمایا اس کا کوئی اجر نہیں۔ صحابہ کو اس پر تعجب ہوا۔ ان پوچھنے
والے صحابی سے کہا کہ شاید سوال اچھی طرح واضح نہیں ہو سکا اس لئے دوبارہ
دریافت کرو۔ اُنہوں نے دوبارہ پوچھا۔ حضورؐ نے دوبارہ بھی یہی ارشاد
فرمایا۔ پھر تیسری دفعہ دریافت کیا گیا تو حضورؐ نے تیسری دفعہ بھی یہی جواب
دیا۔ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے جہاد کی حقیقت سمجھا دیجئے۔
حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو اللہ کے واسطے ثواب کی نیت سے جہاد کرتا ہے
تو قیامت میں اسی طرح اُٹھایا جائے گا۔ اگر ریاکاری (یعنی لوگوں کو قوت و
طاقت کے دکھانے کی نیت سے) یا کچھ مال و دولت کمانے کی غرض سے
جہاد کرتا ہے تو اُسی حالت پر اُٹھایا جائے گا۔ بات یہ ہے کہ جس نیت سے
تیرا فعل ہوگا اُسی حالت پر تیرا حشر ہوگا۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے
کہ جہاد کرنے والے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ شخص ہے جو محض
اللہ کی رضا کا طالب ہے۔ امام کی اطاعت کرے۔ اپنی پسندیدہ چیز کو
خرچ کردے۔ ساتھی سے نرمی کا برتاؤ کرے اور فساد سے دور رہے۔
اس شخص کا سونا جاگنا سب کچھ ثواب اور اجر کا باعث ہے۔ دوسرا وہ
شخص ہے جو تفاخر اور ریاکاری اور شہرت کے لئے سب کچھ کرتا ہے۔ امام
کی نافرمانی کرتا ہے۔ فساد میں شرکت کرتا ہے وہ شخص برابر سرابر بھی نہیں

لوٹتا۔ یعنی جتنا ثواب ہوتا اس سے زیادہ گناہ کما لیا۔ اس بارے میں بھی
بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں اس لئے یہ تو اولین شرط ہے کہ جو کچھ
کیا جائے وہ خالص اللہ کی رضا اس کے دین کی حمایت اور حق کا بول بالا
ہونے کی غرض سے کیا جائے۔ اس کے بعد اہل الرائے اور تجربہ کار دیندار
لوگوں کی رائے سے جو سعی بھی اس ارادہ سے ہوگی وہ اجر سے انشاء اللہ
خالی نہ ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ اخلاص اور اللہ کے لئے ہونے کی ہر کام
میں ضرورت ہے چنانچہ پہلے یہ حدیث شریف گزر چکی ہے کہ قیامت کے
دن سب سے پہلے جو لوگ بلائے جائیں گے اُن میں ایک شہید ہوگا اُس کو بلا کر
اللہ جل جلالہ کی جو نعمتیں دنیا میں اس پر کی گئی تھیں یاد دلائی جائیں گی۔
اور جب وہ اُن نعمتوں کا اقرار کرے گا اور یاد کرے گا کہ واقعی کس قدر
انعامات اللہ جل جلالہ کے دُنیا میں مجھ پر ہوئے تھے۔ تو اُس سے پوچھا
جائے گا کہ اللہ کی ان نعمتوں میں کیا کارگزاری کی۔ وہ عرض کرے گا کہ میں
نے تیری راہ میں جان دے دی کہ یہی سب سے زیادہ محبوب چیز تھی،
حکم ہوگا کہ جھوٹ ہے یہ اس لئے کیا گیا تھا کہ لوگ کہیں بڑا بہادر تھا چنانچہ
جو مقصود تھا وہ حاصل ہو چکا۔ اور لوگوں نے کہہ لیا کہ بڑا جری ہے بہادر
ہے۔ اس کے بعد اس کو حکم کیا جائے گا کہ جہنم میں ڈال دیا جائے۔ پھر ایک
عالم بلایا جائے گا۔ اس کو بھی اسی طرح اللہ جل شانہ کے انعامات یاد دلائے
جائیں گے اور پوچھا جائے گا کہ ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا۔ وہ کہے گا تیرا علم
سیکھا اور لوگوں کو سکھایا۔ تیرے پاک کلام کو پڑھا اور پڑھایا، ارشاد ہوگا

کہ جھوٹ ہے۔ یہ سب اس لئے کیا گیا تھا تاکہ لوگ کہیں بڑا جید عالم ہے، بڑا قاری ہے۔ چنانچہ جو مقصود تھا وہ حاصل ہو چکا اور لوگوں نے کہہ لیا۔ اس کے بعد اس کو بھی حکم ہوگا کہ جہنم میں لے جاؤ۔ اس کے بعد ایک مالدار بلایا جائے گا۔ اس سے اسی طرح اللہ کی نعمتوں کو یاد دلا کر پوچھا جائے گا۔ وہ کہے گا کہ میں نے کوئی بھی خیر کی جگہ ایسی نہیں چھوڑی جس میں خرچ کرنا آپ کو پسند ہو اور میں نے آپ کے لئے اس میں خرچ نہ کیا ہو۔ ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا تھا تاکہ لوگ کہیں بڑا سخی ہے، بڑا کریم ہے۔ چنانچہ کہا جا چکا اور مقصود حاصل ہو گیا۔ پھر اس کو بھی جہنم میں ڈالنے کا حکم ہوگا (مشکوٰۃ)

اس قسم کے مضامین احادیث میں بکثرت موجود ہیں اس لئے اللہ کے واسطے اور خالص اللہ کے واسطے ہونے کی تو ہر ہی کام میں ضرورت ہے مگر بعض کام ایسے ہوتے ہیں جن میں شہرت اور فخر و نمود کے اسباب زیادہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح سے دنیاوی اغراض کے حصول کا داعیہ قوی ہو جاتا ہے اور جس چیز میں جتنی شہرت کے اسباب قوی ہوتے ہیں اُتنے ہی اہتمام سے اس میں احتیاط کی ضرورت درپیش ہو جاتی ہے۔ چونکہ یہاں ہر ہر قدم پر تقریر پر نعرۂ تحسین و زندہ باد ایسی چیزیں ہیں جو قلوب کو ادھر کھینچنے والی ہیں۔ اس لئے اہم اور سب سے اہم چیز یہی ہے کہ اپنی حفاظت کرتے ہوئے جو شخص بھی اس میں شرکت کر سکے، حصہ لے سکے، دین کے فروغ کا سبب بن سکے، اسلام کی حفاظت کا ذریعہ بن سکے، اسلام کو خطرہ سے بچا سکے، کفر کے

نقصان سے اسلام اور مسلمانوں کو بچا سکے، کفار کے غلبہ کو روک سکے اس کے سراسر خیر ہونے میں کیسے انکار ہو سکتا ہے۔ کون ایسا ہو سکتا ہے جو اس کو پسند نہ کرتا ہو یا اس کے دل میں اس کا ولولہ پیدا نہ ہوتا ہو۔ اور جو لوگ کسی معذوری سے خود شریک نہیں ہو سکتے وہ اخلاص سے کام کرنے والوں کی اعانت سے تو کم از کم دریغ نہ کریں۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے لئے کچھ بھیجے اور خود اپنے گھر رہے اس کو ایک درہم (روپیہ) کے بدلہ میں سات سو روپیہ کا اجر ہوگا اور جو خود بھی شریک ہو اس کو فی روپیہ سات ہزار کا اجر ملے گا (مشکوٰۃ) اس لئے جو لوگ کسی دنیوی مجبوری یا شرعی عذر سے خود شرکت نہ کر سکیں وہ اپنی وسعت کے موافق کام کرنے والوں کی اعانت مالی بدنی قلمی سے دریغ نہ کریں۔ کس قدر اللہ جل شانہٗ کا لطف و انعام ہے کہ اس نے معذورین، سست، کمزور اور نازپروردہ لوگوں کے لئے بھی خیر کے دروازے بند نہیں کئے ہیں بلکہ ہر عبادت میں شرکت کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ ہم لوگ جیسے بہانے کریں اور جا و بے جا بات کو آڑ بنائیں اس کا تو ذکر ہی نہیں۔ وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ لِمَا یُحِبُّ وَیَرْضٰی

اس سلسلہ میں یہ بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ جہاد صرف قتل و قتال ہی کا نام نہیں ہے گو وہ اس کا اعلیٰ فرد ہے بلکہ ہر وہ سعی جو اعلاء کلمۃ اللہ اور اسلام کی قوت و غلبہ کے لئے ہو وہ سب ہی جہاد میں داخل ہے۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہہ دینے کو افضل جہاد ارشاد فرمایا ہے۔ لہٰذا جو سعی بھی اس سلسلہ میں ہوگی وہ سب ہی

جہد کے تحت میں داخل ہے مگر یہاں ایک چیز پر متنبہ بھی ضروری ہے کہ
جو حضرات اس سلسلہ کے اندر منسلک ہیں وہ یقیناً ایک اہم دینی امر میں
منہمک ہیں مگر بعض حضرات اس میں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ وہ اس شخص
کو جو کسی شرعی وجہ سے یا ذاتی عذر سے شریک نہیں ہوتا ایسا سب وشتم
کرتے ہیں کہ پھر نہ اس کی کوئی عبادت قابلِ التفات رہتی ہے نہ کوئی خوبی
قابلِ اعتنا۔ فاسق وفاجر تو معمولی لفظ ہے اس کو جہنمی اور کافر تک کہنے
سے باک نہیں کرتے۔ حالانکہ اگر یہ فرضِ عین ہو تب بھی اس کا بلا عذر چھوڑنے
والا ایک کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوگا کافر اس وقت بھی نہیں ہوسکتا اور
بلا کسی شرعی حجت کے ایک مسلمان کو کافر کہنا جتنا سخت ترین جرم ہے وہ
ظاہر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایمان کی جڑ تین چیزیں
ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ کسی کلمہ گو کی کسی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہ
کرنا (مشکوٰۃ)، دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی کو فاسق یا کافر
کہے اور وہ شخص ایسا نہ ہو تو وہ کلمہ کہنے والے ہی کی طرف لوٹ جاتا
ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی کو کافر یا اللہ کا دشمن کہہ کر
پکارے اور وہ ایسا نہ ہو تو یہ کلمہ کہنے والے کی طرف لوٹتا ہے (مشکوٰۃ)
یعنی اس کا وبال اس پر پڑتا ہے۔ بعض لوگ ایسا ظلم کرتے ہیں کہ بعض
لوگوں کے متعلق غصہ میں کہہ جاتے ہیں کہ فلاں شخص کی کبھی معافی نہیں
ہوسکتی۔ اس کی کبھی بخشش نہیں ہوسکتی۔ مجھے بے حد رنج ہے کہ یہ کلمہ
میں نے بعض اہل علم کی زبان سے بھی سنا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کا ارشاد ہے کہ ایک شخص نے یہ کہہ دیا کہ واللہ خدائے تعالیٰ فلاں شخص کی ہرگز مغفرت نہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا۔ یہ کون شخص ہے جو میرے متعلق قسم کھاتا ہے کہ فلاں کی مغفرت نہ کروں گا۔ میں نے اس کی مغفرت کردی (اس قسم کھانے والے کو ارشاد فرمایا کہ) تیرے عمل کو باطل کردیا۔

ایک دوسری حدیث میں آیا کہ بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے۔ ایک بڑا عابد دوسرا گنہگار۔ وہ عابد اس گناہ گار کو ہمیشہ تنبیہ کرتا رہتا۔ ایک دن اس کو کسی گناہ میں مبتلا دیکھا تو قسم کھالی کہ واللہ تیری خدا کے یہاں بالکل مغفرت نہ ہوگی۔ دونوں کو موت آئی اور اللہ جل جلالہ کے دربار میں حاضری ہوئی۔ عابد کو ارشاد باری ہوا۔ کیا تو میری عطا کے روکنے پر قادر تھا کہ قسم کھالی۔ اس کے بعد گنہگار کو ارشاد ہوا تو میری رحمت سے جنت میں داخل ہو جا۔ اور اس عابد کے متعلق ارشاد ہوا کہ اس کو جہنم میں داخل کر دیا جائے۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ اس نے اپنے ایک کلمہ کی بدولت دین و دنیا دونوں ہی کو ضائع کر دیا۔ (جمع الفوائد)

غرض غصہ میں ایسے الفاظ کا استعمال کر جانا بڑی جرأت ہے اور اس سے زیادہ سخت یہ ہے کہ دینیات اور اسلامیات پر بھی اہانت کے الفاظ استعمال کر دیئے جاتے ہیں کہ جنت کے بہت سے دروازے ہیں۔ مولویوں نے جنت کو آسان کر دیا۔ جنت کا راستہ سہل کر دیا۔ نمازیں پڑھو، روزے رکھو اور جنت میں چلے جاؤ۔ یہ فقرے اور اس قسم کے

طنزیہ فقرے تقریروں میں جوش وخروش سے بیان کئے جاتے ہیں حالانکہ
اس سے کس کو انکار ہے کہ جنت کے بہت سے دروازے ہیں۔ آٹھ دروازے
ہونا تو بہت سی روایات میں مشہور ہے ہی۔ بعض احادیث سے اس سے
زیادہ کا پتہ بھی چلتا ہے۔ چنانچہ نماز کا مستقل دروازہ ہے۔ روزہ کے
ساتھ خصوصیت رکھنے والوں کے لئے علیحدہ دروازہ ہے۔ اسی طرح
صدقہ کا، جہاد کا، غصہ کو پینے والوں اور لوگوں کے لئے معافی دینے
والوں کے لئے علیحدہ دروازہ ہے۔ متوکل لوگوں کے لئے مستقل دروازہ
ہے۔ چاشت کی نماز کا اہتمام رکھنے والوں کا خصوصی دروازہ علیحدہ
ہے۔ توبہ کا دروازہ علیحدہ ہے اور اللہ کی مرضی پر راضی رہنے والوں
کا دروازہ مستقل ہے۔ حتیٰ کہ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ہر عمل کے
ساتھ خصوصیت رکھنے والوں کے لئے مستقل دروازہ ہے۔ (فتح)

اس لئے اس پر کیا طعن ہے اور یہ کیا طنز کی بات ہے۔ جیسے اور
دینی احکام ہیں ایسے ہی جہاد ہے بلکہ علامہ شامی نے اس کی تصریح کی
ہے کہ فرائض نماز کا اپنے اوقات پر اہتمام کرنا بلا تردد جہاد سے افضل
ہے۔ اس لئے کہ جہاد کی فضیلت ایمان اور نماز ہی کے قائم کرنے کے
واسطے ہے اور نماز خود مقصود ہے (شامی)

اس لئے اس میں کوتاہی کرنے والوں کے نماز روزہ وغیرہ کو بیکار
کہہ دینا یا اس پر طعن کرنا حدود سے تجاوز ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کی خدمت میں ایک صاحب جہاد میں شرکت کی نیت سے حاضر ہوئے۔

حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے والدین زندہ ہیں۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ زندہ ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ واپس جاؤ اور انہیں کی اچھی طرح خدمت کرو (مشکوٰۃ)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا نام فلاں غزوہ میں لکھا گیا ہے اور میری بیوی حج کو جا رہی ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جاؤ بیوی کے ساتھ حج کو جاؤ۔ (مشکوٰۃ بروایۃ الشیخین)

ایک حدیث میں آیا ہے۔ ایک صحابی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں جہاد میں جانے کے ارادہ سے حاضر ہوا ہوں اور حضورؐ سے اس میں مشورہ لیتا ہوں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا تمہاری والدہ زندہ ہیں۔ عرض کیا کہ زندہ ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اُن کے ساتھ رہو۔ اُن کے قدموں میں جنت ہے (مشکوٰۃ)

ایک بدوی حاضرِ خدمت ہوئے اور ہجرت کے بارہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہجرت کا معاملہ سخت ہے۔ تمہارے پاس کچھ اونٹ ہیں۔ انہوں نے عرض کیا جی ہاں ہیں۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ اُن کی زکوٰۃ ادا کرتے ہو۔ عرض کیا جی ہاں ادا کرتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا بس تو کہیں سمندر پار اپنے دینی اعمال میں مشغول رہو۔ اللہ جل شانہٗ تمہارے اعمال کے ثواب میں کوئی کمی نہ فرمائیں گے۔ (ابوداؤد)

غرض سیکڑوں واقعات اور احادیث ایسی ہیں کہ جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقی جہاد کے مقابلہ میں دوسرے نیک اعمال کو ترجیح دی ہے۔ پھر حکمی جہاد کا تو کیا ذکر۔ اگرچہ بعض وقتی ضرورتوں اور خاص خاص مصلحتوں کی وجہ سے ایسا بھی ہوا ہے کہ جہاد کی اہمیت سب سے بڑھ گئی ہے حتیٰ کہ غزوہ خندق میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک یا ایک سے زیادہ نمازیں قضا ہوئی ہیں۔ مگر یہ کلیہ نہیں کہ جہاد کے مقابلہ میں کوئی نیک عمل معتبر ہی نہیں۔ بالخصوص جب کہ کسی عذر کی وجہ سے ہو۔

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ میں تشریف لے جارہے تھے۔ راستہ میں ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں نے مدینہ طیبہ میں بہت سے لوگ ایسے چھوڑے ہیں کہ تم جتنا راستہ بھی چلے ہو اور جو کچھ خرچ کیا ہے اور جتنا سفر طے کیا ہے اس سب کے ثواب میں وہ لوگ بھی شریک ہیں جو مدینہ میں رہ گئے ہیں۔ صحابہ نے تعجب سے پوچھا وہ کیسے شریک ہو سکتے ہیں حالانکہ وہ اپنے گھروں میں موجود ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا اس لئے کہ وہ عذر اور مجبوری کی وجہ سے شریک نہیں ہو سکے۔ (ابوداؤد)

اس مضمون کے نظائر بھی کثرت سے حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص بیمار ہو جائے یا سفر میں چلا جائے (اور اس وجہ سے اپنا معمول پورا نہ کر سکے) تو اس

کو اتنا ہی ثواب اور اجر ملے گا جتنا کہ وہ صحت کی حالت اور مقیم ہونے کی حالت میں کیا کرتا تھا (مشکوٰۃ بروایۃ البخاری)

ایک حدیث میں ہے جب آدمی بیمار ہو جاتا ہے اور وہ پہلے سے کسی نیک کام میں مشغول رہتا تھا تو اس فرشتہ کو جو اس کے نیک اعمال لکھنے پر متعین تھا یہ حکم ہوتا ہے کہ جو عمل یہ کیا کرتا تھا۔ اس کا ثواب اس کو ملتا رہے (مشکوٰۃ)

ایک حدیث میں ہے جب کوئی ناجائز کام کیا جاتا ہے تو جو شخص کسی مجبوری سے اس میں شریک ہے اور وہ اس کو پسند نہیں کرتا۔ لیکن مجبوراً وہاں موجود ہے۔ وہ حکم کے اعتبار سے ایسا ہے گویا شریک ہی نہیں اور جو شخص اس میں موجود نہیں ہے لیکن اس کو پسند کرتا ہے وہ ایسا ہے گویا اس میں شریک ہے۔ (مشکوٰۃ)

ایک حدیث قریب ہی آرہی ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر اپنے چھوٹے بچوں کی اعانت کے سلسلہ میں نکلا ہے تو وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے۔ اور اگر بوڑھے والدین کی مدد کے لئے نکلا ہے تو وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے۔ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن ثابت کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر دیکھا کہ وہ چپ چاپ پڑے ہیں۔ آواز دی وہ اس پر بھی نہ بولے حضورؐ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور ارشاد فرمایا کہ ہم تمہارے بارہ میں مغلوب ہوگئے۔ (یعنی

تمہاری موت جو تقدیری امر تھا غالب آگئی، عورتیں یہ کلام سن کر سمجھ گئیں کہ وفات ہو چکی ہے اس لئے رونے لگیں۔ اُن کی صاحبزادی نے افسوس کے لہجہ میں کہا ہیں تو یہ اُمید کر رہی تھی کہ تم شہید ہو کر جاؤ گے۔ اس لئے کہ جہاد میں جانے کا سامان تیار رکھ ہوا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ان کو ان کی نیت کا اجر و ثواب ہو گیا۔ اور تم شہادت کس چیز کو سمجھتی ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ اللہ کے راستہ میں قتل ہو جانے کو۔ حضورؐ نے فرمایا کہ قتل کے علاوہ سات قسمیں شہادت کی اور بھی ہیں۔ جو طاعون میں مرے وہ بھی شہید ہے جو پانی میں غرق ہو کر مرے وہ بھی شہید ہے۔ جو ذات الجنب (نمونیہ) میں مرے وہ بھی شہید ہے۔ جو مبطون ہو (اس کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ بعض نے اس کی تفسیر استسقاء سے کی ہے بعض نے اسہال سے، بعض نے قولنج کہا ہے اور بعض نے پیٹ کی ہر بیماری) وہ بھی شہید ہے جو آگ میں جل کر مر جائے وہ بھی شہید ہے جو (چھت یا دیوار وغیرہ کے نیچے) دب کر مر جائے۔ وہ بھی شہید ہے۔ عورت اگر بچہ پیدا ہونے میں مر جائے وہ بھی شہید ہے۔ (موطا امام مالک) ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب اُن کی بیٹی نے عرض کیا کہ شہید ہونا اللہ کے راستہ میں قتل ہونے کو سمجھتے ہیں تو حضورؐ نے فرمایا کہ اس طرح تو میری اُمت کے شہید بہت کم رہ جائیں گے۔ اس کے بعد ان انواع کو ذکر فرمایا ان کے علاوہ سابقہ کے قریب اقسام موت کی ایسی ہیں جن میں شہادت کا درجہ نصیب ہونے کی بشارت احادیث میں

آئی ہے اور اُن کو اوجز المسالک کی دوسری جلد میں اس ناکارہ نے جمع کیا ہے۔

تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا سچا رسول تو اُمت محمدیہ کے فضائل اور اُن کی خوبیوں میں ترقیات کے اسباب بہم پہنچائیں اور اُمت اس رحمت کو تنگ کرے۔ ہر شخص جو کسی دینی مشغلہ میں لگا ہوا ہے تعلیم ہو، تبلیغ ہو، جہاد ہو، سلوک ہو وہ اپنے سلسلہ کے علاوہ باقی سب کو لغو، بے کار وقت کی اضاعت حتیٰ کہ گمراہی کہنے سے بھی نہ جھجکے۔ دین اسلام جو ہر نوع سے نہایت سہل تھا اس کو مشکل بنایا جاتا ہے اور دینی ترقی کے لاتعداد ابواب کو اسی ایک باب میں منحصر کیا جاتا ہے جس پر وہ خود چل رہے ہیں اور اس کے علاوہ بقیہ سب ابواب کو گویا دین سے خارج کیا جاتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دین (نہایت) سہل ہے جو اس میں تشدد کرتا ہے مغلوب ہوتا ہے۔ پس سیدھے سیدھے اور قریب قریب چلے چلو اور لوگوں کو (نیک اعمال پر) بشارتیں دو (بخاری شریف)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ سہولت پیدا کرو مشکلات پیدا نہ کرو۔ لوگوں کو تسکین دو نفرت نہ دلاؤ (درمنثور)

صاحب بہجۃ النفوس لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ کس چیز کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ عقل کے ساتھ یعنی احکام شرعیہ

پر عقل کے ساتھ عمل کیا جائے ۔ اسی لئے دوسری حدیث میں آیا ہے کہ قیامت میں عقل کے موافق بدلہ دیا جائے گا (مجمع) آپ نے عرض کیا کہ عقل کی ذمہ داری کون کرسکتا ہے (کہ ہر شخص عقل اور سمجھ کے اعتبار سے ایک دوسرے سے کم و بیش ہوتا ہے) حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ عقل کی کوئی انتہا نہیں ہے لیکن جو شخص اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حلال سمجھے اور اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام جانے وہ عاقل ہے۔ اگر اس کے بعد دین میں اور کوشش کرے تو وہ عابد ہے اور اگر اور زیادہ کوشش کرے تو وہ جواد (جوانمرد) ہے۔ بس اگر کوئی شخص عبادت میں کوشش کرنے والا ہو اور نیک کاموں میں جوانمردی کرنے والا ہو لیکن ایسی عقل اس کو نہ ہو جو اللہ کی حلال فرمائی ہوئی چیزوں کے اتباع پر اور حرام کی ہوئی چیزوں سے رکنے پر پہنچا دے تو ایسے ہی لوگ ہیں جن کی کوششیں دنیا میں ضائع ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں۔ اس لئے خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ جس چیز کو شریعت نے حلال کر رکھا ہے اس کو حرام سمجھنا دینی بے عقلی ہے۔ اسی طرح دین کے ابواب میں تنگی کرنا یا اُن میں اپنی طرف سے اصلاح کرنا عقل کی بات نہیں ہے۔

صاحب بہجہ کہتے ہیں۔ اسی طرح کوئی شخص اپنے نفس سے اس کا مطالبہ کرے کہ وہ تمام عبادتوں کو بہ طریقہ سے کمال پر پہنچائے وہ دو طرح سے مغلوب ہوگا۔ ایک اس وجہ سے کہ وہ کمال تک پہنچنے سے عاجز

ہوگا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔
اِنَّ الْمُنْبَتَّ لَا اَرْضًا قَطَعَ وَلَا ظَهْرًا اَبْقٰى۔

دوسرے اس وجہ سے کہ بعض اوقات بلکہ اکثر اوقات مختلف انواع عبادات کا یک وقت اجتماع ہوگا اور اس صورت میں آدمی ایک ہی کو ادا کر سکتا ہے۔ صاحب بہجہ نے جس حدیث کے ٹکڑے کو ذکر کیا ہے یہ مختلف صحابہ سے نقل کی گئی ہے۔ علامہ سخاوی نے احادیث مشہورہ میں اس کو ذکر کیا ہے لیکن محدثین نے اس میں کلام بھی کیا ہے۔ پوری حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ اِنَّ هٰذَا الدِّيْنَ مَتِيْنٌ فَاَوْغِلُوْا فِيْهِ بِرِفْقٍ فَاِنَّ الْمُنْبَتَّ لَا اَرْضًا قَطَعَ وَلَا ظَهْرًا اَبْقٰى ؕ

یہ دین ایک مضبوط چیز ہے اُس میں نرمی کے ساتھ تیز چلو۔ اس لئے کہ جس شخص نے سواری کو تھکا ڈالا اس نے نہ تو راستہ ہی قطع کیا نہ سواری ہی کو باقی رکھا کہ دوسرے وقت قطع مسافت کر سکتا۔ اس لئے حدیث بالا میں ارشاد فرمایا گیا کہ فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا سیدھے سیدھے اور قریب قریب چلے چلو یعنی توسط کی رفتار رکھو۔ مندوبات میں اتنا توغل نہ کرو کہ فرائض میں کوتاہی ہونے لگے۔ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ صبح کی نماز میں سلیمان بن ابی حثمہ کو نہ دیکھا۔ نماز کے بعد بازار تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں ان کا مکان آگیا وہاں تشریف لے گئے اور اُن کی والدہ سے دریافت فرمایا کہ آج صبح کی نماز میں سلیمان کو نہیں دیکھا۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ رات بھر نوافل میں مشغول رہے نیند کے غلبہ سے آنکھ لگ گئی حضرت عمرؓ

نے فرمایا کہ میں صبح کی نماز جماعت سے پڑھوں یہ مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ تمام رات عبادت میں گزاروں۔

تمام رات کی عبادت کتنی اہم چیز ہے لیکن چونکہ جماعت کی نماز اس سے زیادہ موکد ہے اس لئے حضرت عمرؓ نے اس کو ترجیح دی۔ اور بھی بہت سی روایات اس مضمون کی موید ہیں کہ احکام شرعیہ میں بھی ہر چیز کا ایک درجہ ہے کہ اس سے نہ گھٹانا چاہیئے نہ بڑھانا۔ محض اس وجہ سے کہ ہم ایک کام میں لگے ہوئے ہیں یا ہمارے نزدیک ایک کام اہم ہے باقی ساری عبادات پر دوسرے سارے دینی کاموں پر پانی پھیر دینا سخت نا انصافی ہے۔ میرا مقصود یہ نہیں کہ اس کی ترغیب نہ دی جائے یا دوسروں کو اس طرف متوجہ نہ کیا جائے۔ میرا مقصود یہ ہے کہ اس میں اتنا غلو نہ کیا جائے جو حدود سے متجاوز ہو جائے کہ نہ اس کے مقابلہ میں کوئی فرض رہے نہ واجب، نہ عذر رہے نہ معذرت۔ جو لوگ اس کے سلسلہ میں منسلک نہ ہوں وہ جہنمی بنا دئیے جائیں وہ بے ایمان اور کافروں میں شمار کر دئیے جائیں جیسے کہ بہت سی تقریروں اور تحریروں میں دیکھا جاتا ہے۔ اور بہت زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض اونچے درجہ کے اکابر اور ذمہ دار حضرات کی زبان سے بھی ایسے لفظ نکل جاتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی کے بارے میں ایسی بات کو شائع کرے جس سے وہ بری ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس کو قیامت کے دن جہنم میں پگھلائیں گے۔ یہاں تک کہ اپنی بات کو سچا ثابت کرے (درمنثور) پگھلانے

کا مطلب یہ ہے کہ جہنم کی آگ میں ڈال دیں گے کہ اُس کا بدن لہو پیپ بن کر پگھلتا رہے گا اور جب تک اپنی بات کو سچا ثابت نہ کرے گا اس وقت تک نکلنے کا حق نہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ جب ایسی بات کہی ہے جو دوسرے میں موجود ہی نہیں ہے تو اس کو سچ کیسے ثابت کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں پھر اسی کی مہربانی کی طرف توجہ کرنا پڑے گی جس پر جھوٹا الزام لگایا تھا کہ یا وہ معاف کر دے یا اللہ جل جلالہٗ اپنے لطف سے اس کو معاوضہ دے کر راضی فرمائیں ورنہ اپنی نیکیاں اُن کے حوالہ کریں اور نیکیاں اپنے پاس نہ ہوں تو اُن کی بُرائیاں اپنے سر رکھیں۔ جو صورت بھی ہو بہرحال ندامت کتنی سخت ہوگی کہ آج جن کو سب وشتم کیا جا رہا ہے کل اُن کے سامنے ذلیل ہونا پڑے گا۔

تصنیف اس المحققین حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

فضائل صدقات عکسی

مصنف مدظلہ نے اس کتاب کی سات اہم فصلوں پر مشتمل فرمایا ہے

(۱) خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے فضائل (۲) بخل کی خرابیاں (۳) صلہ رحمی کی تاکید (۴) زکوٰۃ کے فضائل (۵) زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر دنیوی و اُخروی عذاب (۶) زہد و قناعت کی تاکید و اہمیت (۷) زاہدوں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کے سیکڑوں دلچسپ عبرت خیز حکایات۔

عکسی طباعت کا شائقین کو شدید انتظار تھا۔ کتابت واضح

سوال نمبر ۴ - مسلمان تباہ ہوتے جا رہے ہیں۔ آخر اُن کو کیا کرنا چاہیئے؟
جواب نمبر ۴ - یہ صحیح ہے کہ مسلمان ہر نوع سے پریشان ہیں۔ انفرادی مشکلات مستقل گھیرے ہوئے ہیں اور اجتماعی تفکرات علیحدہ دامنگیر ہیں لیکن یہ سوال کہ ان کو کیا کرنا چاہیئے ایک عامی سمجھدار مسلمان کے قلم سے بھی موجب تعجب ہے چہ جائیکہ کسی ذی علم کے قلم سے ہے۔ اسلام وہ مذہب ہے جس کے متعلق اللہ جل جلالہ نے اپنے پاک کلام میں تکمیل کا اعلان فرمایا ہے اور اس پر حسن اور نعمت کے پورا کر دینے کا تمغہ عطا فرمایا ہے اور کن پیارے الفاظ سے ارشاد فرمایا ہے۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام پورا کر دیا۔ اور میں اس بات سے خوش ہوں (اور اس کو پسند کرتا ہوں) کہ تمہارا دین (اور مذہب) اسلام ہو (یعنی مذہب اسلام تمہارے لئے مجھے پسندیدہ ہے اور یہی تمہارا مذہب ہے) کیا ہی مبارک تمغہ ہے، کتنا مسرور بنا دینے والا امتیاز ہے - ایسے مکمل دین کے دعویدار، ایسے کامل مذہب کے پیرو اس میں پریشان ہوں کہ مسلمان کیا کریں۔ اللہ پاک نے اور اس کے سچے رسول نے دین کی یا دنیا کی کوئی بھی بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی ضرورت اور بات ایسی باقی نہیں چھوڑی جس کے متعلق صاف اور کھلے ہوئے الفاظ میں احکام نہ بیان فرما دیے ہوں اُن کے منافع اور نقصانات نہ بتا دیئے ہوں اور پھر سب کچھ صرف زبانی تلقین اور

کتابی تعلیم نہیں ہے بلکہ اللہ کے سچّے رسول اور رسول کی فریفتہ جماعت نے
ان سب کو عملی جامہ پہنا کر اُن پر عمل کر کے اس کا تجربہ بھی کرا دیا ہے۔ الغرض
دین و دُنیا کی بہبود بھی رسول کے اتباع ہی میں مضمر و منحصر ہے۔ مگر جب ہم
لوگ رسول کے اتباع کو دقیانوسیت اور اس کی سنتوں پر مرمٹنے کو
تنگ نظری سمجھیں تو آخرت کا جو حشر ہونے والا ہے وہ ظاہر ہے اور دنیا
کا جو ہو رہا ہے وہ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کا ایک ایک حرکت و سکون صحابہ کرام اور محدثین عظام رضی اللہ عنہم اجمعین
کے طفیل آج کتابوں میں محفوظ ہے۔ ایک طرف اُس کو سامنے رکھو دوسری
طرف اُمت کے حالات کو سامنے رکھو۔ حضورؐ کی ایک ایک سنت دیدہ و
دانستہ دلیری اور جرأت سے چھوڑی جا رہی ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ
اس کا مقابلہ کیا جا رہا ہے۔ اس کی طرف متوجہ کرنے والوں کو احمق اور
دین کا ناسمجھ بتایا جا رہا ہے۔ کیا اس ظلم عظیم کی کوئی حد ہے اور ایسی صورت
میں مسلمانوں کو پریشانی کی شکایت کرنے کا کیا مُنہ ہے اور تقریروں
تحریروں میں اس شور مچانے کا کیا حق ہے کہ مسلمان تباہ ہو گئے ؂

آنچہ بر ما است از ما ست خود کردہ را علاجے نیست

اللہ جل جلالہٗ نے صاف اور کھلے الفاظ میں ارشاد فرمایا وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ
مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ
فِي الْاَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (شوریٰ ع ۴) اور جو
کچھ مصیبت تم کو (حقیقتاً) پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی اعمال کی بدولت پہنچتی ہے اور

ہر گناہ پر نہیں پہنچتی بلکہ بہت سے گناہ تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں (اور اگر وہ ہر گناہ پر دنیا میں پکڑ کرنے لگیں تو) تم زمین میں (کسی جگہ بھی پناہ لے کر) اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور اللہ کے سوا کوئی حامی اور مددگار نہیں۔ دوسری جگہ ارشاد پاک ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (سورۂ روم ع ۵) بحر و بحر (یعنی خشکی اور تری غرض ساری دنیا) میں لوگوں کے اعمال کی بدولت فساد پھیل رہا ہے (اور وبائیں، قحط، زلزلے وغیرہ نازل ہو رہے ہیں) تاکہ اللہ تعالیٰ اُن کے بعض اعمال کی سزا کا مزہ ان کو چکھا دے۔ شاید کہ وہ اپنے ان اعمال سے باز آجائیں۔ اس قسم کے مضامین کلام پاک میں دو چار جگہ نہیں سیکڑوں جگہ وارد ہیں۔ پہلی آیت کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس آیت کی تفسیر تجھے بتاتا ہوں۔ اے علی جو کچھ بھی تجھے پہنچے مرض ہو یا کسی قسم کا عذاب ہو یا دنیا کی کوئی بھی مصیبت ہو وہ اپنے ہی ہاتھوں کی کمائی ہے۔ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کسی لکڑی کی خراش یا کسی رگ کا حرکت کرنا یا قدم کی لغزش (ٹھوکر کھا جانا) یا پتھر کہیں سے آکر لگ جانا جو کچھ بھی ہوتا ہے کسی گناہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا ہے کہ کسی بندہ کو کوئی زخم یا اس سے بھی کم درجہ کی کوئی چیز پہنچتی ہے وہ کسی اپنی ہی کی ہوئی حرکت سے پہنچتی ہے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے بدن میں کوئی تکلیف تھی۔ لوگ عیادت کے لئے آئے۔ اور افسوس کرنے لگے۔ فرمایا افسوس کی کیا بات ہے کسی گناہ کی وجہ سے یہ بات پیش آئی ہے۔

حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ جو شخص قرآن پاک پڑھ کر بھول جاتا ہے وہ کسی گناہ کی بدولت ہوتا ہے۔ پھر یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمانے لگے کہ قرآن شریف کو بھول جانے سے بڑھ کر مصیبت اور کیا ہو سکتی ہے۔ حضرت اسماءؓ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کے سر میں درد ہوا تو سر پہ ہاتھ رکھ کر فرمانے لگیں کہ میرے گناہوں کی وجہ سے ہے (درمنثور) (ابن کثیر)

اگرچہ بعض اوقات مصائب اور حوادث کے اسباب کچھ اور بھی ہوتے ہیں جن کی وجہ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور معصوم بچوں کو بھی ابتلاء ہوتا ہے جو اپنے مواقع پر مذکور ہیں۔ مجھے اس جگہ ان آیات و احادیث کی شرح کرنا مقصود نہیں ہے کہ جملہ حملات اور تشکیکات کو ذکر کروں۔ میرا مقصود صرف یہ ہے کہ ان آیت اور احادیث میں یک ضابطہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اور ان حوادث اور آفات کا ایک خاص سبب بیان کیا گیا ہے اور وہ سبب اس قدر قوی ہے کہ اس کے زہریلے اثرات بسا اوقات وہ لوگ بھی گرفتار ہو جاتے ہیں جو ان معاصی میں مبتلا نہیں ہیں۔ چنانچہ ایک

حدیث میں ارشاد ہے۔ حضورؐ نے فرمایا اس امت کے آخر زمانہ میں خسف ہوگا
(زمین میں آدمیوں اور مکانوں کا دھنس جانا) اور مسخ ہوگا (کہ آدمی کتے اور بندر
وغیرہ کی صورتوں میں ہوجائیں گے) اور قذف ہوگا (کہ آسمان سے پتھر برسنے
لگیں گے) کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اس حالت میں بھی ہلاک ہوسکتے ہیں کہ
ہم میں صلحا موجود ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا ہاں جب خباثت کی کثرت ہوجائے۔
(اشاعۃ بروایۃ ترمذی وغیرہ) خباثت کی کثرت کے وقت صلحا کی موجودگی میں
بھی عذاب ہوسکتا ہے اور یہ ارشاد تو متعدد احادیث میں مختلف عنوانات سے
وارد ہوا ہے۔ کہ نیک کاموں کا آپس میں ایک دوسرے کو حکم کرتے رہو اور بری
باتوں سے روکتے رہو ورنہ حق تعالیٰ شانہٗ تم پر اپنا عذاب مسلط کردیں گے۔ بعض
احادیث میں اس کے بعد ارشاد ہے کہ اس وقت اگر دعائیں بھی کی جائیں گی تو
قبول نہ ہوں گی۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس جماعت میں کوئی ناجائز بات
جاری ہو اور وہ جماعت اس کے روکنے پر قادر ہو اور نہ روکے تو مرنے سے
پہلے پہلے حق تعالیٰ شانہٗ اس جماعت کو کسی عذاب میں مبتلا فرمادیں گے۔
ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ایک مرتبہ
کسی آبادی کے الٹ دینے کا حکم فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس آبادی
میں فلاں بندہ ایسا ہے جس نے کسی وقت بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ ارشاد
ہوا کہ یہ صحیح ہے مگر میری وجہ سے کبھی بھی اس کی پیشانی پر بل نہیں پڑا۔
مطلب یہ ہے کہ میری نافرمانیاں ہوتے ہوئے دیکھ کر رنج اور غصہ بھی نہیں
آیا کہ یہ ادنیٰ درجہ ہے (مشکوٰۃ باب الامر بالمعروف) اس قسم کی اور بھی سیکڑوں

احادیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں جن کا احاطہ دشوار ہے کہ
ان میں ناجائز کاموں کو دیکھ کر کم از کم غصہ اور رنج نہ ہونے پر وعیدیں وارد
ہوئی ہیں یعنی ان کے روکنے پر اگر قدرت نہ ہو تو کم سے کم درجہ اُن کو دیکھ کر رنج
ہونا تو ضروری ہے۔ اب ہم لوگ اپنے حالات کو دونوں قسم کے ارشادات پر
جانچ لیں کہ کس قدر معاصی اور گناہوں میں ہر وقت خود مبتلا رہتے ہیں اور
سابقہ آیات واحادیث کی بنا پر کتنے حوادث اور عذاب ہم پر مسلط ہونا چاہئیں
اور اس کے ساتھ ہی اپنے اعمال کو چھوڑ کر اللہ کی کتنی نافرمانیاں ہوتے ہوئے
دیکھتے ہیں اور پھر کتنا اضطراب اور بے چینی ہم کو اُن کے دیکھنے سے ہوتی
ہے ایسی حالت میں کیا تو ہم لوگوں کی دعائیں قبول ہوں اور کیا ہماری
پریشانیاں دور ہوں یہ تو اللہ کی رحمت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی
حرف نسبت اور اُن کی مقبول دعاؤں کی برکت ہے کہ سب کے سب ہلاک
نہیں ہو جاتے۔ ہمارے حالات یہ ہیں کہ ہر معصیت ہمارے یہاں قابلِ فخر
ہے اور ہر بد دینی ترقی کا راستہ ہے اور ہر کفریات بکنے والا روشن
خیال ہے اور اس پر کوئی شخص نکیر کر دے یا کرنا چاہے وہ گردن زدنی
ہے کٹھ ملا ہے۔ دنیا کے حالات سے اور ضروریاتِ زمانہ سے بے خبر
ہے جاہل ہے ترقی کا دشمن ہے۔ ترقی کے راستہ میں روڑے اٹکانے
والا ہے۔ "ببیں تفاوت رہ از کجا ست تا بکجا" یہ تو کلی ارشادات تھے۔
اب مثال کے طور پر چند جزئیات کو بھی دیکھتے جاؤ۔ مذہب اسلام میں ایمان
کے بعد سب سے اہم درجہ نماز کا ہے۔ بہت سی احادیث میں نماز کے

چھوڑنے کو کفر تک پہنچانے والا بتایا ہے۔ اسلام اور کفر کا امتیاز ہی نماز کو بتایا گیا ہے۔ نماز کے چھوڑنے میں کتنے کتنے دینی اور دنیوی نقصانات ہیں اُن کو مختصر طور پر میں اپنے رسالہ فضائل نماز میں ذکر کر چکا ہوں۔ یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔ لیکن کتنے مسلمان ہیں جو اس اہم فریضہ کا اہتمام کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ نہ پڑھنے والوں کو ٹوکنے کی بھی کسی کی مجال نہیں ہے۔ کسی غریب مسلمان کو ٹوکا جا سکتا ہے لیکن کسی اعلیٰ طبقہ کے مسلمان کو بھی کہا جا سکتا ہے؟ جن لوگوں کی جیب میں چار پیسے ہیں یا کوئی معمولی سی حکومت یا ریاست اُن کو مل ہوئی ہے کسی کی مجال ہے کہ اُن کو تنبیہ کر سکے۔ کیا ممکن ہے کہ اُن کی عالی بارگاہ تک اس اہم فریضہ کے چھوڑنے پر کوئی نکیر پہنچ سکے۔ کوئی بھی کلمہ اس بارہ میں اُن سے کہا جا سکے اور اب تو اس سے بھی بڑھ کر یک شخص ڈنکے کی چوٹ علی الاعلان کہتا ہے کہ نماز کوئی عبادت ہی نہیں۔ اُس کو ٹوکنا درکنار۔ اُس کی مدح سرائی کی جاتی ہے۔ وہ علامہ ہے مسلمانوں کے درد کا درماں ہے۔ وقت کی ضرورت کو سمجھنے والا ہے۔ اُس کے خلاف جو آواز اُٹھائے وہ جاہل ہے۔ دو رکعت کا امام ہے جو نہ مصلحت وقت کو سمجھتا ہے نہ مسلمانوں کی ضرورت سے واقف ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے مگر ان کے اتباع کا دعوےٰ کرنے والا شخص کہتا ہے کہ یہ ایک فالتو چیز ہے اس پر اُس کو دقیق نظری

ے نماز کے بارے میں ایک مفصل رسالہ ہے۔ مکتبہ زکریا شہزادی مدڈنگ متصل جامع مسجد شاہ عالم مارکیٹ لاہور۔

باریک بینی کا تمغہ ملتا ہے۔ یہ واقعات ہوں اور پھر مسلمان اپنے اوپر مصائب اور حوادث کی شکایت کریں۔ ایسے حالات میں ہم پر جو جو بلائیں نازل ہوں وہ سب اس سے کم ہیں جس کے ہم اپنے اعمال سے مستحق ہیں اور صرف اللہ کا رحم ہے کرم ہے، اُس کی رحمت و حلم کی وسعت ہے کہ ہم صفحہ ہستی پر موجود ہیں۔

یہ تو ایک رُکن ہوا۔ اب اسلام کے باقی ارکان روزہ، زکوٰۃ، حج میں سے کسی ایک کو لے لو اور عالم پر ایک نگاہ ڈال کر اس کا حشر دیکھ لو کہ ان ارکان پر عمل کرنے والے کتنے ہیں۔ اب دوسری جانب محرمات میں ایک نہایت معمولی سی چیز شراب ہی کو دیکھ لو کہ کتنے اسلام کی حمایت کے دعوے دار اور ترقی اسلام پر مرمٹنے والے ایسے ہیں جو کس جرأت اور بے حیائی سے کھلم کھلا علی الاعلان پیتے ہیں۔ قرآن شریف میں بار بار اس پر تنبیہ فرمائی گئی ہے اور صاف لفظوں میں اس کے چھوڑنے کا حکم فرمایا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے پینے والے پر لعنت کی ہے۔ اس کے بنانے والے پر لعنت کی ہے۔ اس کے بنوانے والے پر لعنت کی ہے۔ اس کے بیچنے والے پر لعنت کی ہے خریدنے والے پر لعنت کی ہے، لاد کر لے جانے والے پر لعنت کی ہے اور جس کے پاس لے جائی جائے اس پر لعنت کی ہے۔ اس کے پلانے والے پر لعنت کی ہے، اس کو بیچ کر اس کی قیمت کھانے والے پر لعنت کی ہے۔ دوسری حدیث میں ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام

آئے اور فرمایا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بیشک اللہ نے شراب پر لعنت
فرمائی ہے اور اس کے بنانے والے پر اور بنوانے والے پر، اس کے پینے
والے پر، نقل کر کے لے جانے والے پر اور جس کے پاس لے جائی جائے اس پر
اور اس کے بیچنے والے پر اور اس کے پلانے والے پر اور پلوانے والے پر
(جیسے کوئی اپنے خادم وغیرہ کے ذریعہ سے دوسرے کو پلوائے تو آقا پلوانے
والا ہوا اور ملازم پلانے والا) حاکم نے ان دونوں حدیثوں کو صحیح بتایا ہے۔
اب غور کرنے کی چیز ہے کہ اس ایک شراب کی بدولت کتنے آدمی ہیں جو اللہ
کی لعنت میں داخل ہوتے ہیں، اس کے رسول کی لعنت میں داخل ہوتے
ہیں۔ اب غور کرو جن لوگوں پر اللہ پاک اور اس کا وہ رسول جو امت پر
سب سے زیادہ شفقت اور مہربانی کرنے والا تھا جو ہر وقت امت کی فلاح و
کامیابی میں منہمک رہتا تھا دونوں لعنت کرتے ہوں ان لوگوں کا کیا حشر
ہوگا، اور جو باوجود قدرت کے اس پر سکوت کریں نکیر نہ کریں وہ بھی کون سے
کچھ دور ہیں۔ اس کے بعد اپنی حالت کو دیکھو کہ نکیر در کنار کوئی نکیر کرنے
والا اس فعل کو برا کہنے والا ہو تو وہ تنگ نظر ہے خشک ملا ہے۔ نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شراب سے بچو وہ ہر برائی کی کنجی ہے۔
جب ہم لوگ برائیوں کا مقفل دروازہ اپنے ہاتھ سے کھولیں۔ پھر برائیوں
کی شکایت کیوں کریں۔ جب ایک سچے اور پکے خبر دینے والے نے فرما دیا کہ
اس دروازہ کو کھولو گے تو فلاں چیز نکلے گی۔ ہم خود دروازہ کھولتے ہیں اور
وہ چیز نکلتی ہے تو واویلا کرتے ہیں اس بے وقوفی کی کوئی حد بھی ہے۔

اسی طرح ہی کے مسئلہ کو دیکھ لو۔ اللہ تعالیٰ اور اُس کے سچے رسول کے ارشادات کو اوّل غور کرو کہ اللہ جل جلالہ نے کس زور سے اُس کے متعلق قرآن پاک میں تنبیہ اور ممانعت فرمائی حتیٰ کہ اپنی طرف سے اور اپنے رسول کی طرف سے ان لوگوں کو اعلانِ جنگ فرما دیا ہے۔ جو سود کو نہ چھوڑیں چنانچہ ارشاد ہے فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (س بقرہ ع ۳۸) پس اگر تم ایسا نہ کرو (یعنی سود کا بقایا روپیہ جو لوگوں کے ذمہ ہے نہ چھوڑ دو) تو اشتہار سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اُس کے رسول کی طرف سے۔ چونکہ زمانہ جاہلیت میں سود کے معاملات ہوتے تھے اس لئے یہ حکم نازل ہوا کہ جن کا سود کا روپیہ لوگوں کے ذمہ باقی ہے وہ بھی اب ہرگز وصول نہ کریں۔ چہ جائیکہ ازسرِنو سود لیں۔ احادیث میں نہایت کثرت سے اس پر وعیدیں آئی ہیں۔ کئی حدیثوں میں اس قسم کے ارشادات بھی وارد ہوئے ہیں کہ سود نہتر باب (گناہ) کے ہیں جن میں سے کم درجہ ایسا ہے جیسا کہ اپنی ماں سے کوئی زنا کرے اور بدترین سود (کے حکم میں ہے) مسلمان کی آبروریزی کرنا۔ ایک حدیث میں ہے ایسے گناہوں سے اپنے کو بچاؤ جن کی مغفرت نہیں ہے ان میں سے سود بھی ہے جو شخص سود کھاتا ہے وہ قیامت کے دن میدانِ حشر میں پاگلوں کی طرح ہوگا (متعدد حدیثوں)

لہ ایک حدیث میں ہے کہ جو گوشت سود کے روپیہ سے پرورش پاتا ہے وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ (مشکوٰۃ)

میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے پر، سود دینے والے پر، سودی روپے کی گواہی دینے والوں پر، سود کا معاملہ لکھنے والے پر لعنت کی ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعنت کریں اُس کا کیا حشر ہوگا۔

ایک حدیث میں ہے کہ جس قوم میں زناکاری اور سودخواری شائع ہو جائے اُس قوم نے اللہ کے عذاب کے واسطے اپنے کو تیار کر لیا ہے ان ارشادات کو ذہن نشین کرنے کے بعد اب آج کل کے معاملات کو شرعی قواعد سے جانچو۔ کتنے معاملات ایسے ہیں جن میں سودی لین دین کھلم کھلا ہوتا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ سود کو جائز بتایا جاتا ہے اُس کے جواز پر رسالے لکھے جاتے ہیں۔ کوئی غریب اس کے خلاف آواز اُٹھائے تو اُس پر جھوٹے سچے الزامات لگائے جاتے ہیں اُس کا مقابلہ کیا جاتا ہے، اور اس کی کوشش کی جاتی ہے کہ اُس کی بات نہ سنی جائے۔ یہ دو ایک مثالیں اجمالی طور پر میں نے ذکر کی ہیں۔ ان کے علاوہ بقیہ احکام شرعیہ کو تم خود دیکھ لو، غور کر لو۔ جتنے احکام کرنے کے ملیں گے اُن میں تغافل، تساہل بلکہ انکار ملے گا اور جتنے امور نہ کرنے کے ہوں گے ناجائز ہوں گے حرام ہوں گے ان پر جرأت و بے باکی اور اُن میں نہایت کثرت سے کھلم کھلا ابتلا ملے گا۔ اوّل تو ان پر ٹوکنے والا، روکنے والا کوئی ملے گا نہیں اور اگر کسی جگہ کوئی ایک آدھ پُرانے خیال والا ملے گا تو اس کا جو حشر ہو رہا ہو گا وہ اظہر من الشمس ہے۔ ان خصوصی مثالوں کے بعد اجمالی طور پر باب میں چند حدیثیں ذکر

نمونہ کے طور پر لکھتا ہوں جن سے اندازہ ہو جائے گا کہ ہم لوگوں کی پریشانیاں حوادثِ مصائب ہمارے خود اکٹھے کئے ہوئے ہیں اس میں کسی کا کیا قصور ہے۔

اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمان سچا سمجھتے ہیں تو اُن کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ حضورؐ نے جس قسم کے اعمال پر جس قسم کے عذاب اور پریشانیوں کا مرتب ہونا ارشاد فرمایا ہے وہ ہو کر رہیں گے۔ اگر ہم اُن سے بچنا چاہتے ہیں تو ان اعمال کو چھوڑ دیں ہم لوگ آگ میں کود جائیں اور شور مچائیں کہ جل گئے جل گئے۔ اس سے کیا فائدہ۔ ان احادیث کو غور سے مطالعہ کرو اور کثرت سے دیکھا کرو۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَعَلَتْ اُمَّتِيْ خَمْسَ عَشَرَةَ خَصْلَةً حَلَّ بِهَا الْبَلَاءُ قِيْلَ وَمَا هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِذَا كَانَ الْمَغْنَمُ دُوَلًا وَالْاَمَانَةُ مَغْنَمًا وَالزَّكٰوةُ مَغْرَمًا وَاَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهٗ وَعَقَّ اُمَّهٗ وَبَرَّ صَدِيْقَهٗ وَجَفَا اَبَاهُ وَارْتَفَعَتِ الْاَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ وَكَانَ زَعِيْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَهُمْ وَاُكْرِمَ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب میری اُمت پندرہ کام کرنے لگے گی تو اس پر بلائیں نازل ہونے لگیں گی ۱۔ غنیمت کا مال ذاتی دولت بن جائے۔ ۲۔ امانت ایسی ہو جائے جیسے غنیمت کا مال ۳۔ زکوٰۃ کا ادا کرنا تاوان سمجھا جانے لگے جیسے تاوان ادا کرنا مصیبت ہوتا ہے ایسے ہی زکوٰۃ ادا کرنا مصیبت بن جائے ۴۔ بیوی کی فرمانبرداری کی جانے اور ماں

الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهٖ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ وَلُبِسَ الْحَرِيْرُ وَاتُّخِذَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَلَعَنَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا فَلْيَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِكَ رِيْحًا حَمْرَاءَ وَخَسْفًا اَوْ مَسْخًا۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اتُّخِذَ الْفَیْءُ دُوَلًا وَالْاَمَانَةُ مَغْنَمًا وَالزَّكٰوةُ مَغْرَمًا وَتُعُلِّمَ لِغَيْرِ الدِّيْنِ وَاَطَاعَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَهٗ وَعَقَّ اُمَّهٗ وَاَدْنٰى صَدِيْقَهٗ وَاَقْصٰى اَبَاهُ وَظَهَرَتِ الْاَصْوَاتُ فِی الْمَسَاجِدِ وَسَادَ الْقَبِيْلَةَ فَاسِقُهُمْ وَكَانَ زَعِيْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَهُمْ وَاُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهٖ وَظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ وَلَعَنَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا فَلْيَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِكَ رِيْحًا حَمْرَاءَ وَزَلْزَلَةً وَخَسْفًا

کی نافرمانی کی جائے ۔ ۷ دوستوں اور یاروں سے نیکی کا برتاؤ کیا جائے اور باپ کے ساتھ ظلم کا برتاؤ کیا جائے ۔ ۸ مسجدوں میں شور و شغب ہونے لگے ۔ ۹ رذیل لوگ قوم کے ذمہ دار سمجھے جائیں ۔ ۱۰ آدمی کا اکرام اس وجہ سے کیا جائے کہ اس کے شر سے محفوظ رہیں (یعنی وہ اکرام کے قابل نہیں مگر اس وجہ سے اس کا اعزاز کیا جائے کہ وہ کسی مصیبت میں مبتلا نہ کر دے) ۱۱ شراب (علی الاعلان) پی جائے ۔ ۱۲ مرد ریشمی لباس پہنیں ۔ ۱۳ گانے والیاں (ڈومنیاں کنچنیاں وغیرہ) مہیا کی جائیں ۔ ۱۴ باجے بنائے جائیں (کہ عام طور سے استعمال کئے جائیں) ۔ ۱۵ اُمت کے پہلے لوگوں کو (صحابہ، تابعین اور ائمہ مجتہدین کو) برا کہا جانے تو

وَمَسْخٌ وَقَذْفًا وَآيَاتٍ تُتَابِعُ كَنِظَامٍ بَالٍ قُطِعَ سِلْكُهُ فَتَتَابَعَ رَوَاهُمَا التِّرْمِذِي وَذَكَرَهُمَا فِي الْمِشْكٰوةِ بِرِوَايَتِهِ وَذَكَرَهُ رَاجِبُ الدُّشْ عَتِيِّ حَدِيثَ عَلِيٍّ بِأَطْوَلَ مِنْهُمَا وَفِي مَجْمَعِ الزَّوَائِدِ مِنْ حَدِيثِ عَوْنٍ بِنَحْوِهِ وَفِيهِ وَتَعَدَّتِ الْحُمْدَانُ عَلَى الْمَنَابِرِ وَاتُّخِذَ الْقُرْآنُ مَزَامِيرَ۔

اُمت کے لوگ اُس وقت سُرخ آندھی اور زمین میں دھنس جانے اور صورتیں مسخ ہو جانے (اس قسم کے عذابوں کا انتظار کریں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ جب بیت المال کا مال ذاتی دولت بن جائے اور امانت کو مالِ غنیمت سمجھا جائے اور زکوٰۃ تاوان بن جائے اور علم کو دین کے واسطے نہ سیکھا جائے (بلکہ دنیوی اغراض مال و دولت و جاہ و عزت وغیرہ کے لئے سیکھا جائے) بیوی کی اطاعت ہو اور ماں کی نافرمانی - یاروں سے قرب ہو اور باپ سے دُوری ہو۔ مسجدوں میں شور و شغب ہونے لگے فاسق لوگ سردار بن جائیں۔ رذیل لوگ قوم کے ذمہ دار بن جائیں برائی کے ڈر سے آدمی کا اعزاز کیا جائے۔ گانے والیوں اور باجے کھلم کھلا استعمال کئے جائیں۔ شرابیں پی جائیں اور اُمت کے پہلے لوگوں کو بُرا بھلا کہا جائے تو اُس وقت سرخ آندھی اور زلزلہ اور زمین میں دھنس جانے اور صورت مسخ ہو جانے اور آسمان سے پتھر برسنے

کا انتظار کریں۔

تیسری حدیث میں ان دونوں کے قریب قریب مضمون ہے اور یہ بھی ہے کہ کم عمر بچے ممبروں پر وعظ کہنے لگیں۔

فائدہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن امور کو شمار کیا ہے اُن میں سے کونسی بھی ایسا ہے جو اس زمانہ میں نہایت شد و مد سے شائع نہیں ہے۔ ایک ایک جز کو ان اجزا میں سے لو اور دنیا کے حالات پر نظر کرو تو یہ معلوم ہوگا کہ ساری دنیا اسی میں مبتلا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جس قوم میں خیانت کا غلبہ ہوگا اللہ تعالیٰ اُس قوم کے دلوں میں دشمنوں کا خوف ڈال دیں گے اور جس قوم میں زنا کی کثرت ہوگی اُس قوم میں اموات کی کثرت ہوگی اور جو جماعت ناپ تول میں کمی کرے گی اُس کی روزی میں کمی ہوگی اور جو جماعت حق کے خلاف فیصلے کرے گی اس میں قتل کی کثرت ہوگی اور جو لوگ بد عہدی میں مبتلا ہوں گے ان پر اللہ جل شانہٗ کسی دشمن کو مسلط فرمائیں گے (مشکوٰۃ)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ خاص صورت سے متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا اے مہاجرین کی جماعت پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جب تم ان میں مبتلا ہو جاؤ گے اور خدا نہ کرے کہ تم ان میں مبتلا ہو (تو ان کے عذاب مسلط ہو جائیں گے) ایک یہ کہ جس قوم میں فحش (زنا وغیرہ) کھلم کھلا ہونے لگے۔ اُس میں طاعون اور ایسی نئی نئی بیماریاں ہوں گی جو

پہلے کبھی نہ سنی ہوں گی اور جو جماعت ناپ تول میں کمی کرے گی وہ قحط
اور مشقت اور بادشاہ کے ظلم میں مبتلا ہوگی اور جو لوگ زکوٰۃ روکیں گے
اُن سے بارش بھی روک لی جائے گی اگر بے زبان، جانور نہ ہوں تو ذرا
بھی اُن پر بارش نہ برسائی جائے (مگر جانوروں کی ضرورت سے تھوڑی
بہت ہوگی) اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے عہد کو توڑیں گے وہ
دشمنوں میں گھر جائیں گے اور جو لوگ ناحق کے احکام جاری کریں گے وہ
خانہ جنگی میں مبتلا ہوں گے (ترغیب) اور یہ مضمون تو متعدد روایات میں
آیا ہے کہ زنا کی کثرت فقر کو پیدا کرتی ہے۔ ایک حدیث میں نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو قوم بدعہدی کرتی ہے اس میں آپس
میں خونریزی ہوتی ہے اور جس قوم میں فحش (زنا وغیرہ) کی کثرت ہوتی
ہے اُس میں اموات کی کثرت ہوتی ہے اور جو جماعت زکوٰۃ کو روک
لیتی ہے (ادا نہیں کرتی) اُس سے بارش روک لی جاتی ہے۔ ایک حدیث
میں ہے کہ جن لوگوں میں رشوت کی کثرت ہوتی ہے اُن کے دلوں پر رعب
کا غلبہ ہوتا ہے وہ (ہر شخص سے) مرعوب رہتے ہیں، حضرت کعب کہتے
ہیں کہ اس اُمت کی ہلاکت بدعہدی سے ہوگی (درمنثور)

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ
اس اُمت میں ایک جماعت رات کو کھانے پینے (لہو ولعب) میں مشغول
ہوگی اور صبح کو بندر اور سور کی صورتوں میں تبدیل ہو جائے گی اور بعض
لوگوں کو زمین میں دھنس جانے کا عذاب ہوگا۔ لوگ کہیں گے کہ آج رات

فلاں خاندان دھنس گیا اور فلاں گھر دھنس گیا اور بعض لوگوں پر آسمان
سے پتھر برسائے جائیں گے جیسے کہ قوم لوط پر برسائے گئے تھے اور بعض
لوگ گندگی سے تباہ ہوں گے۔ اور یہ سب کیوں ہوگا۔ ان حرکتوں کی وجہ
سے شراب پینے کی وجہ سے، ریشمی لباس پہننے کی وجہ سے، گانے والیاں
رکھنے کی وجہ سے، سود کھانے کی وجہ سے، اور قطع رحمی کی وجہ سے۔ حاکم
نے اس حدیث کو صحیح لکھا ہے (درمنثور) ایک حدیث میں ہے کہ جس طاعت
کا ثواب سب سے زیادہ جلدی ملتا ہے وہ صلہ رحمی ہے حتیٰ کہ بعض گھرانے
والے گناہ گار ہوتے ہیں لیکن صلہ رحمی کی وجہ سے اُن کے مال بھی بڑھتے جاتے
ہیں اور ان کی بھی کثرت ہو جاتی ہے اور سب سے زیادہ جلد عذاب لانے
والے گناہ ظلم ہے اور جھوٹی قسم ہے کہ یہ مال کو بھی ضائع کرتے ہیں اور
عورتوں کو بانجھ کر دیتے ہیں (کہ اولاد پیدا نہیں ہوتی) اور آبادیوں کو
خالی کر دیتے ہیں (درمنثور) یعنی اموات کی کثرت ہوتی ہے ایک حدیث
میں آیا ہے کہ ہر گناہ کا عذاب حق تعالیٰ شانہ جب تک چاہتے ہیں مؤخر فرما
دیتے ہیں لیکن والدین کی نافرمانی کا وبال بہت جلد ہوتا ہے زندگی ہی
میں مرنے سے پہلے پہلے اس کا وبال بھگتنا پڑتا ہے۔ (درمنثور) ایک
ارشاد ہے کہ تم عفیف رہو تو تمہاری عورتیں بھی عفیف رہیں گی، تم اپنے
والدین کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو تو تمہاری اولاد بھی تمہارے ساتھ
نیکی کا برتاؤ کرے گی۔ (در)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور کتنے اہتمام سے فرمایا ہے

فرماتے ہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تم لوگ نیک کاموں کا حکم کرتے رہو، لوگوں کو تبلیغ کرتے رہو، اور بُری باتوں سے روکتے رہو ورنہ حق تعالیٰ شانہٗ تم پر عذاب نازل فرمائیں گے ورنہ تم لوگ اس وقت دعا بھی کروگے تو قبول نہ ہوگی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ تم لوگ امر بالمعروف ونہی عن المنکر (نیک کاموں کے کرنے کا حکم اور بُری باتوں سے روکنا) کرتے رہو اس سے قبل کہ ایسا وقت آجائے کہ جس میں تم دعا کرو تو وہ بھی قبول نہ ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ چند آدمیوں کے کسی (ناجائز) کام کے کرنے سے عام عذاب نازل نہیں فرماتے جب تک کہ ان لوگوں کے سامنے وہ کام کیا جائے اور وہ اس کے روکنے پر قادر ہوں اور نہ روکیں اور جب یہ نوبت آجائے تو پھر خاص وعام سب ہی کو عذاب ہوتا ہے۔ اور یہی اسباب ہیں جن کی وجہ سے آج کل نئی نئی آفات زلزلے، طوفان، قحط، ریلوں کا ٹکرانا وغیرہ وغیرہ ایسے ایسے حوادث روزمرہ کے ہوگئے ہیں جن کی حد نہیں۔ نئے نئے امراض، نئے نئے مصائب ایسے روزافزوں ہیں جو پہلے کبھی برسوں میں بھی پیش نہیں آتے تھے۔ اخبار بین حضرات اس سے بہت زیادہ واقف ہیں اور چونکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا دروازہ بھی تقریباً بند ہے۔ اس لئے دعاؤں کے قبول ہونے کی امید بھی مشکل ہے۔ نمازوں کے بعد دعاؤں کے اعلان کر دینے سے کیا کفایت ہو جب کہ دعا قبول نہ ہونے کے اسباب خود اختیار کریں۔ بہت سی احادیث میں وارد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے پر لعنت

فرمائی ہے اور بعض روایات میں تیسرا شخص رائش یعنی جو درمیانی واسطہ رشوت دینے میں ہو اس پر بھی لعنت وارد ہوئی ہے۔ اب دیکھو کہ کتنے آدمی اس مد میں مبتلا ہیں اور جن پر اللہ کا سچا اور مقبول رسول لعنت کرے ان کا کیا حشر ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ ظلم نہ کرو کہ تمہاری دعائیں قبول نہ ہوں گی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ جل جلالہٗ ظالم کو مہلت دیتے ہیں (شاید باز آجائے) لیکن جب پکڑتے ہیں پھر وہ چھوٹ نہیں سکتا۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ؕ اور آپ کے رب کی دارو گیر ایسی ہی سخت ہے کہ جب وہ کسی بستی والوں پر جو ظالم ہوں دار گیر کرتا ہے بیشک اس کی پکڑ بڑی تکلیف دہ اور سخت ہے۔ اب دنیا کے مشاہدہ کو دیکھو اور پھر سوچو کہ جب اللہ کی پکڑ سختی سے ہو تو مصائب اور پریشانیوں کی کیا انتہا ہو سکتی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ مظلوم کی بد دعا قبول ہوتی ہے خواہ وہ فاجر ہی کیوں نہ ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو (ترغیب حصن حصین)

ایک حدیث میں آیا ہے اللہ جل جلالہٗ فرماتے ہیں۔ میرا غصہ اس شخص پر نہایت سخت ہوتا ہے جو کسی ایسے شخص پر ظلم کرے جو میرے سوا کوئی مددگار نہیں رکھتا (معجم صغیر)

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از در حق بہر استقبال می آید

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو زمین والوں پر رحم نہیں کرتا آسمان

والے اُس پر رحم نہیں کرتے (ترغیب) ایسی حالت میں جب مظلوموں کی بد دعا روز افزوں ہوں اور آسمان والے رحم نہ کریں تو بجلیاں، اولے، طوفان جتنے بھی آئیں قرینِ قیاس ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ مظلوم کی بد دعا سے بچتے رہو کہ اس کے قبول ہونے میں کوئی چیز حائل نہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مظلوم کی بد دعا قبول ہوتی ہے چاہے وہ فاسق و فاجر ہی کیوں نہ ہو۔ ایک حدیث میں حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ میں مظلوم کی دعا کو رد نہیں کرتا خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو (حصن)

ایک حدیث میں وارد ہے کہ میری اُمت خیر اور بھلائی پر رہے گی۔ جب تک کہ اُن میں حرامی بچوں (زنا کی اولاد) کی کثرت نہ ہو اور جب اُن کی کثرت ہو گی تو حق تعالیٰ شانہٗ اس اُمت کو ایک عام عذاب میں مبتلا فرما دیں گے (ترغیب) مخفی حرام کاریوں کا تو کیا ذکر کوئی بڑے سے بڑا شہر یا چھوٹے سے چھوٹا قصبہ بھی ایسا ہے جہاں کھلم کھلا علی الاعلان زنا کی کثرت اور حرامی بچوں کی پیدا وار نہ ہوتی ہو اور میونسپلٹی کے ممبران اس پر مجبور نہ ہوں کہ اس بے پدری اولاد کی روز افزوں پیداوار کے لئے مستقل جگہوں کا انتظام کریں اور اُن کے مرکز بنانے کے لئے وسیع جگہ مہیا کریں۔ حضور کا ارشاد ہے کہ جس آبادی میں سود خواری اور زنا کاری علی الاعلان ہونے لگے تو سمجھ لو کہ وہاں کے لوگ اپنے اوپر اللہ کے عذاب کو اتار رہے ہیں (ترغیب) ذرا غور تو کرو کتنے آدمی ہیں جو اس بد کاری میں مبتلا ہیں اور کتنے مہذب اور شریف آدمی ہیں جو اس سیہ کاری کے لئے مکانات کرایہ پر

دیتے ہیں اور کتنے دیندار میونسپل کمشنر ایسے ہیں جو اس ذلیل کام کے لئے جگہوں کا انتظام کرنے پر مجبور ہیں۔

بہت سی صحیح حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ جس گھر میں کتا ہو یا تصویر ہو رحمت کے فرشتے اس میں داخل نہیں ہوتے۔ ابو وائل کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے ساتھ ملک شام کے ایک غزوہ میں شریک تھا۔ ایک جگہ ٹھہرنا ہوا۔ وہاں کا رئیس حضرت عمرؓ کو تلاش کرتا ہوا (زیارت کے شوق میں) آیا۔ جب حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا تو اُن کو سجدہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ سجدہ کیسا۔ اُس نے عرض کیا کہ ہمارا اپنے بادشاہوں کے ساتھ یہی معمول ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا سجدہ اسی معبود کو کر جس نے تجھے پیدا کیا ہے۔ اس کے بعد اُس نے درخواست کی کہ میں نے آپ کے لئے کھانا تیار کیا ہے غریب خانہ پر تشریف لے چلیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تیرے مکان میں تصویریں تو نہیں ہیں۔ اس نے عرض کیا تصویریں تو ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم اس میں نہیں جاتے تو ایک قسم کا کھانا بھیج دینا۔ اُس نے بھیج دیا اور حضرت عمرؓ نے تناول فرمایا (حکم)۔ اب دنیا کے مہذب مکانوں پر بھی ایک نگاہ ڈالو۔ کیا بغیر تصویر کے مکان کی آرائش ہو سکتی ہے اور مجال ہے کہ کوئی تنگ نظر مولوی ٹوک سکے۔ تم ہی بتاؤ کہ جب ہم رحمت کے دروازوں کو اپنے اوپر بند کریں اور عذاب الٰہی کے نازل ہونے کے اسباب جتنے ممکن ہو سکیں مہیا کرتے رہیں۔ پھر ہماری پریشانیاں اور مصائب کیوں نہ روز افزوں ہوں۔ ہمارے اسراف کا عمل یہ ہے کہ وہ کنڈے اُن مکانوں میں بھی بنا

گوارا نہ کریں جہاں تصاویر ہوں اور ہم ناخلفوں کا عمل یہ کہ مسلمان ہو کر اس ناجائز چیز سے مکان کو زینت دیتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک ارشاد کو غور سے دیکھتے جاؤ اور اپنا اور دنیا کا جائزہ لیتے جاؤ اور اسلامی تعلیم کے کمال اور مسلمانوں کی دینی تعلیم سے حیرت انگیز اعراض پر تعجب میں بڑھتے جاؤ۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جب آفتاب نکلتا ہے تو دو فرشتے اس کے قریب کھڑے ہو کر اعلان کرتے ہیں۔ لوگو اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ تھوڑا سا مال جو ضروریات کو کفایت کر جائے بہتر ہے اس کثیر مال سے جو لہو میں مشغول کرے اور جب آفتاب غروب ہوتا ہے تو اس کے قریب دو فرشتے کھڑے ہو کر دعا کرتے ہیں اے اللہ خیر میں خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما اور روک کر رکھنے والے کے مال کو تلف کر (ترغیب) اب غور کرو جو لوگ بخل اور کنجوسی سے مصائب اور مشقتیں اٹھا کر جمع کر کے رکھتے ہیں (اور اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے، کس طرح اس مال کی بربادی کے لئے اپنے اوپر پریشانیاں اور مصائب جمع کرتے ہیں کہ کبھی تو اس کے تلف ہونے کے واسطے کسی بیماری میں مبتلا ہو گئے تو حکیم ڈاکٹر دو علاج میں سیکڑوں پر پانی پھر جاتا ہے اور اگر جھوٹی سچی مقدمہ بازی شروع ہو گئی تو سارا ہی اندوختہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور اگر کسی کی اپنے عملِ حسنہ کی وجہ سے اپنی حفاظت بھی رہی تو اولاد ایسی آوارہ ہوتی ہے کہ وہ باپ کی برسوں کی کمائی کو مہینوں کی عیاشی میں اڑا دیتی ہے۔ یہ فرضی قصے نہیں ہیں آئے دن کے واقعات ہیں کہ بڑوں

نے محنت اور مشقت اُٹھا کر لہو پسینہ ایک کر کے بہت سامان جمع کیا اور اُن کے مرتے ہی ناخلف ورثہ نے برسوں کی کمائی مہینوں میں بلکہ منٹوں میں اُڑا دی۔ اسی لئے متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے کہ آدمی کہتا ہے میرا مال، میرا مال۔ حالانکہ اُس کا مال صرف وہ ہے جو کھا لیا یا پہن لیا یا اللہ کے راستہ میں خرچ کر کے جمع کر لیا اُس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ دوسروں کا مال ہے (ترغیب)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ تو جو مال اپنی روزی سے زیادہ جمع کرے وہ دوسروں کا ہے اور تو خزانچی ہے (کتاب المخیات بکثرت روایات کتب حدیث میں اس قسم کے مضامین کی وارد ہوئی ہیں کہ اپنی ضرورت سے زیادہ جو کچھ ہے وہ سب دوسروں پر خرچ کرنے کے واسطے ہے۔ جمع کرنے کے واسطے نہیں۔ کلام اللہ شریف میں ارشاد ہے یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (سورۂ بقرہ رکوع ۲۷) آپ سے یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔ آپ کہہ دیں کہ جو بچے (یعنی جو سہل ہو) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عفو وہ ہے جو اہل وعیال سے بچ جائے۔ یہاں ایک چیز پر اور بھی غور کرتے چلو کہ غریب کی مدد اور غربت کے زمانہ کا علاج جس کو آج کل بہت ہی اہمیت دی جا رہی ہے کیا اس تعلیم سے بہتر کہیں ملتا ہے۔ ایک شخص کو مجبور کرنا کہ اس کو اپنی ضرورت سے زیادہ کچھ نہ ملے اور ایک شخص کو آمادہ کرنا کہ وہ اپنی ضرورت سے زیادہ کچھ نہ رکھے اور برضا و رغبت سب کچھ غریبوں پر خرچ کر دے۔ دونوں نظریوں میں کتنا فرق ہے کہ پہلا ظلم محض ہے۔

دوسرا خیر محض۔ پہلے میں تو نفسوں کو پست کرنا ہے مستعد لوگوں کو بے کار بنانا ہے اور دوسرے میں ہمتوں کا بلند کرنا ہے اور جو شخص جتنا بھی کما سکتا ہے اُس سے زیادہ پیدا کرنے اور اپنی خوشی سے خرچ کرنے پر آمادہ کرنا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ خرچ کرنے کی ترغیب میں اپنی ضرورت سے زیادہ ہی کی تخصیص نہیں ہے بلکہ اپنی ضرورتوں کو فنا کرکے دوسروں پر خرچ کرنا بھی اسلامی تعلیم ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں انصار کی مدح میں ارشاد ہے يُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ یعنی کہ اپنے اوپران کو (یعنی مہاجرین کو) ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود پر فاقہ ہی ہو۔ اور پھر یہ سب کچھ زبانی جمع خرچ نہیں ہے بلکہ حضورؐ نے خود بھی عمل کرکے دکھا دیا اور دوسروں سے عمل کرا دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تمام حالات اس کے شاہد عدل ہیں۔ کتب حدیث کی کتاب الزہد اور کتاب الرقاق ان مضامین سے پُر ہیں اور کچھ نمونہ دیکھنا ہو تو حکایاتِ صحابہ میں چند واقعات لکھ چکا ہوں۔ اس جگہ نہ تو یہ مضمون مقصود ہے اور نہ گنجائش۔ تبعاً ذکر آگیا تھی۔ مجھے اس جگہ تو صرف یہ بتانا ہے کہ جس نوع کی پریشانیوں میں تم مبتلا ہیں وہ ہماری اپنی ہی جمع کی ہوئی ہیں اور ایسے سچے پکے معتبر حاذق حکیم نے جس کا نسخہ نہ کبھی خطا کرتا ہے نہ کر سکتا ہے ان امراض کے اسباب بھی بتا دیئے اور اُن کے علاج بھی بتا دیئے۔ اب اسبابِ مرض سے بچنا اور علاج کرنا طبیب کا کام نہیں ہے۔ کوئی التفات

نہ کرے تو اپنا نقصان کرتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِهَا بَيْضَاءَ نَقِيَّةً (مشکوٰۃ ص) بالتحقیق میں تمہارے پاس ایسی شریعت لایا ہوں جو روشن اور صاف ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے وَایْمُ اللّٰہِ لَقَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلٰی مِثْلِ الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا وَنَهَارُهَا سَوَاءٌ (جمع الفوائد) اللہ کی قسم میں نے تمہیں ایسے (طریقہ پر) چھوڑا ہے (جو بالکل روشن) سفید ہے۔ جس کا رات دن برابر ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک چیز پر تنبیہ فرما دی اور دین و دنیا کا کوئی جز ایسا نہیں چھوڑا ہے جس پر اس مختصر چند سالہ زندگی میں تبصرہ نہ فرما دیا ہو۔ حضور کا ارشاد ہے کہ (نیک) اعمال کرنے میں جلدی کرو اور ایسے فتنوں کے پیدا ہونے سے (پہلے پہلے کرلو) جو اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح ہوں گے (کہ حق ناحق کا امتیاز مشکل ہو جائے گا) ان میں صبح کو آدمی مومن ہو گا شام کو کافر۔ شام کو مومن ہو گا صبح کو کافر۔ اپنے دین کو تھوڑے سے دنیا کے سامان کے بدلے بیچ دے گا (ترغیب)

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مرنے سے پہلے پہلے اللہ کی طرف رجوع (اور توبہ) کرلو۔ اور مشاغل کی کثرت سے پہلے پہلے اعمال صالح کرلو اور اللہ جل شانہ کو کثرت سے یاد کرکے اور مخفی اور اعلانیہ صدقہ کرکے اللہ کے ساتھ رابطہ جوڑ لو کہ ان چیزوں کی وجہ سے تم کو رزق بھی عطا کیا جائے گا۔ تمہاری مدد بھی کی جائے گی اور تمہارے نقصان کی بھی تلافی کردی جائے گی (ترغیب)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا اور جو شخص

ظالم کو معاف کر دے حق تعالیٰ شانہٗ اس کی عزت بڑھاتے ہیں لہٰذا مظلوم کو معاف کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں عزت عطا فرمائے گا اور جو شخص سوال کا دروازہ کھولتا ہے اس پر فقر کا دروازہ کھل جاتا ہے (معجم صغیر)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب میری اُمت اپنے علما سے بغض رکھنے لگے اور بازاروں کی تعمیر کو نمایاں کرنے لگے اور دراہم (روپیہ) جمع کرنے پر نکاح کرنے لگے (یعنی نکاح کرنے کے لئے بجائے دیانت، تقویٰ اور دینداری کے مالدار ہونے کی رعایت ملحوظ ہو) تو حق تعالیٰ شانہٗ اُن پر چار چیزیں مسلط فرما دیں گے۔ زمانہ کا قحط اور بادشاہ کا ظلم اور حکام کی خیانت اور دشمنوں کا حملہ (حاکم) حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا ارشاد ہے کہ گناہ کا بدلہ عبادت میں سستی، روزی میں تنگی اور لذت میں کمی ہے (تاریخ الخلفاء)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے دس سال حضورؐ کی خدمت کی۔ کبھی تُرشروئی سے آپ مجھ سے پیش نہیں آئے۔ مجھے ارشاد فرمایا کہ وضو اچھی طرح کیا کر اس سے عمر میں اضافہ ہوگا اور تیرے محافظ فرشتے تجھ سے محبت کرنے لگیں گے (جمع الجوامع) اور نماز کا کچھ حصہ گھر میں مقرر کر اس سے گھر کی خیر میں اضافہ ہوگا اور جب گھر میں جایا کرے تو گھر کے لوگوں کو سلام کیا کر اُس کی برکت تجھ پر بھی ہوگی اور گھر کے لوگوں پر بھی۔ نماز کے اہتمام میں جو دینی اور دنیوی برکات حضورؐ نے ارشاد فرمائی ہیں ان کا نمونہ دیکھنا ہو تو میرا رسالہ فضائل نماز دیکھیں یہاں اختصار کی وجہ سے ان کا ذکر نہیں کیا۔ ان سب روایات سے یہ بات واضح ہے کہ جیسے معاصی اور گناہوں کی کثرت پریشانیوں اور حوادث کی کثرت کا سبب بنتے،

ایسے ہی طاعات اور عبادات دارین کی فلاح کا سبب ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ يَا ابْنَ آدَمَ تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِيْ اَمْلَأُ صَدْرَكَ غِنًى وَاَسُدُّ فَقْرَكَ وَاِنْ لَا تَفْعَلْ مَلَأْتُ يَدَيْكَ شُغْلًا وَلَمْ اَسُدَّ فَقْرَكَ كَذَا فِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ بِرِوَايَةِ اَحْمَدَ وَالتِّرْمِذِيِّ وَابْنِ مَاجَةَ وَالْحَاكِمِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَرَقَمَ لَهٗ بِالْحَسَنِ۔

حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے اے آدم کی اولاد تو میری عبادت کے لئے فراغت (کے اوقات نکال لے) میں تیرے سینے کو غنا (اور بے فکری) سے پُر کردوں گا اور تیرے فقر (و فاقہ) کو دُور کردوں گا۔ اور اگر تو ایسا نہ کرے گا (کہ میری عبادت کے لئے فارغ بنے) تو تجھے مشاغل میں پھنسا دوں گا اور تیرا فقر زائل نہ کروں گا۔

یہ ارشاد خداوندی ہے اور اُس مالک الملک اور قادر مطلق کا ارشاد ہے جس کے قبضہ وقدرت میں دنیا کی ہر چیز ہے۔ نیز اس کے ہم معنی اور بھی روایت ہیں جن میں دنیا کی فلاح و کامیابی کا مدار اللہ کی عبادت پر رکھا ہے۔ لیکن ہم لوگ دنیا کمانے کے واسطے عبادت ہی کے اوقات پر سب سے پہلے صفایا کرتے ہیں۔ جب اس طرح اللہ کی نافرمانیوں میں ہماری ترقیات ہوں تو پھر ہماری پریشانیوں اور تنگدستیوں میں کیوں نہ اضافہ ہو۔ دین سے بے پروا ہو کر مسلمان روٹی کا سوال حل کرنا چاہیں تو کیسے ممکن ہے،

جب روٹی دینے والا یہ کہے کہ میں نہ فقر کو دُور کروں گا نہ دل کو مشاغل سے خالی کروں گا۔ صحیح حدیث میں اللہ جل شانہٗ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ اگر بندے میری اطاعت (پوری پوری) کریں تو رات کو سوتے ہوئے ان پر بارش برساؤں اور دن میں آفتاب نکلا رہے (کہ کاروبار میں حرج نہ ہو) اور بجلی کی آواز بھی اُن کے کان میں نہ پڑے (تاکہ ان کو ذرا سا بھی خوف و ہراس نہ ہو) جامع الصغیر۔ لیکن ہم لوگوں کی شامتِ اعمال کہ دن اور رات کا یہ نظم درکنار جگہ جگہ بارشوں کی قلت کی شکایات بڑھتی رہتی ہیں اور جہاں ہوتی ہیں سیلاب کی صورتوں میں بسا اوقات ہوتی ہیں۔

احیاء میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ کے زمانہ میں ایک مرتبہ نہایت سخت قحط پڑا۔ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کے ساتھ تین دن تک استسقاء کی نماز کے لئے باہر تشریف لے جاتے رہے مگر بارش نہ ہوئی۔ تیسرے دن وحی آئی کہ اس جماعت میں ایک شخص چغلخور ہے اُس کی وجہ سے تم لوگوں کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ حضرت موسیٰ نے درخواست کی کہ اس کا علم ہو جائے تاکہ اس کو مجمع سے علیحدہ کر دیا جائے۔ ارشادِ خداوندی ہوا کہ میں تمہیں چغلی سے منع کروں اور خود اس شخص کی چغلی کھاؤں۔ اس لئے تعیین نہیں کرتا۔ حضرت موسیٰ نے قوم سے خطاب فرما کر توبہ واستغفار کی تلقین فرمائی اور خصوصیت کے ساتھ چغل خوری سے سب سے توبہ کرائی۔ فوراً بارش شروع ہوگئی۔ حضرت سفیان ثوریؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ بنی اسرائیل میں سات سال تک ایسا سخت قحط پڑا کہ کوڑیوں (گھوروں) پر سے مردار اُٹھا کر لوگوں

نے کھانے اور آدمیوں کے کھانے کی نوبت پہنچ گئی۔ لوگ پریشان حال جنگلوں اور پہاڑوں پر روزانہ دعاؤں اور استسقاء کی نمازوں کے لئے نکلتے تھے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے اس زمانہ کے انبیاء کی طرف وحی نازل فرمائی کہ تمہاری زبانیں دعائیں کرتے کرتے کتنی ہی خشک ہو جائیں اور آسمانوں تک ہاتھ دعاؤں کے لئے اُٹھ جائیں اس وقت تک میں کسی رونے والے پر بھی رحم نہیں کروں گا جب تک کہ آپس کے مظالم دُور نہ کئے جائیں۔ کتب تواریخ و احادیث میں اس قسم کے واقعات بکثرت موجود ہیں۔ الغرض سیکڑوں روایات ہیں جن میں صاف طور سے اعمالِ حسنہ برداریں کی فلاح اور اعمالِ سیئہ پر دارین کے نقصانات تفصیل سے بتا دیئے گئے ہیں۔ ان روایات کا احصا مجھ سے ممکن ہے نہ مقصود ہے۔ غرض ان مثالوں کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سچے ہیں تو پھر ہم لوگوں کا اپنے اوپر کتنا صریح ظلم ہے کہ ہم خود اپنے افعال سے مہلکات میں پڑتے ہیں۔ نقصان دہ امور اختیار کرتے رہیں اور زبان سے مسلمانوں کی تباہی کا گیت گاتے رہیں۔ ہماری مثال اس بیمار کی سی ہے جس کو اسہال کا مرض ہو وہ دمادم مسہل دواؤں کا استعمال کرتا رہے اور شور مچاتا رہے کہ دست نہیں تھمتے۔ کوئی اس بے وقوف سے پوچھے کہ تو خود مسہلات کا استعمال کر رہا ہے تو یہ اطوار تھمنے کے ہیں یا بڑھنے کے۔ ہم انگریزوں کے مظالم کا رونا ہر وقت روتے ہیں اور آنے والی حکومت کے خطرات سے اور بھی زیادہ خائف ہیں لیکن کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس کے متعلق ہم کو متنبہ نہیں فرمایا کیا حکومتوں کے اسباب اور اعمال کو واضح الفاظ میں نہیں بتادیا۔ کیا حضورؐ رُوحِیْ فِدَاہُ وَاَبِیْ وَ اُمِّیْ کی شفقت یا تعلیم وتنبیہ میں کسی قسم کی کمی ہے۔ حاشا وکلا حضورؐ کا ارشاد ہے فرماتے ہیں۔ کَمَا تَکُوْنُوْنَ کَذَالِکَ یُوَمَّرُ عَلَیْکُمْ (مشکوٰۃ وَنَقَلَ فِی مَقَاصِدِ الْحَسَنَۃِ) جیسے تم لوگ (اپنے اعمال کے اعتبار سے) ہوگے۔ ویسے ہی تم پر حاکم بنائے جائیں گے۔ اس لئے اگر ہم اپنے اُوپر بہترین افراد کی حکومت چاہتے ہیں تو اس کا واحد علاج بہترین اعمال ہیں اور کچھ نہیں۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہے۔

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا مَالِکُ الْمُلُوْکِ وَمَلِکُ الْمُلُوْکِ قُلُوْبُ الْمُلُوْکِ فِیْ یَدِیْ وَاِنَّ الْعِبَادَ اِذَا اَطَاعُوْنِیْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَ مُلُوْکِہِمْ عَلَیْہِمْ بِالرَّحْمَۃِ وَالرَّأْفَۃِ وَاِنَّ الْعِبَادَ اِذَا عَصَوْنِیْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَہُمْ بِالسَّخْطَۃِ وَالنِّقْمَۃِ فَسَامُوْہُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ فَلَا تَشْغَلُوْا اَنْفُسَکُمْ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ جل جلالہٗ عم نوالہٗ کا ارشاد ہے۔ میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ بادشاہوں کا مالک ہوں اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں۔ بندے جب میری اطاعت کرتے ہیں تو بادشاہوں کے دل ان پر رحمت اور مہربانی کے لیے پھیر دیتا ہوں اور جب میری نافرمانی کرتے ہیں تو بادشاہوں کے دل اُن پر غصہ اور انتقام کے لئے پھیر دیتا ہوں۔

بِالدُّعَاءِ عَلَى الْمُلُوْكِ وَلٰكِنِ اشْغَلُوْا اَنْفُسَكُمْ بِالذِّكْرِ وَالتَّضَرُّعِ كَيْ اَكْفِيَكُمْ مُلُوْكَكُمْ رَوَاهُ اَبُوْ نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ كَذَا فِي الْمِشْكٰوةِ وَفِيْ مَجْمَعِ الزَّوَائِدِ بِرِوَايَةِ الطَّبْرَانِيْ وَفِي الدر المنثور ص۱۹۹/۴ اخرج ابن ابی شیبۃ عن مالک بن مغول قَالَ فِيْ زبور داؤد مکتوب انی انا اللہ لا الٰہ الا انا فذکر معناہ۔

جس سے وہ اُن کو سخت عذاب اور تکالیف پہنچانے لگتے ہیں۔ اس لئے تم بجائے بادشاہوں پر بددعا میں کرنے کے میرے ذکر کی طرف متوجہ ہو اور (میری طرف) عاجزی (اور زاری) کرو تاکہ میں اُن کی تکالیف سے تمہیں محفوظ رکھوں۔

مالک بن مغول کہتے ہیں کہ میں نے حضرت داؤدؑ کی زبور میں یہ مضمون پڑھا ہے۔

اس قسم کے مضامین بھی متعدد روایات میں وارد ہوئے۔ دعاء ماثورہ میں ہے۔ اَللّٰهُمَّ لَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا بِذُنُوْبِنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا ۔ اے اللہ ہمارے اوپر ہمارے گناہوں کی وجہ سے ایسے لوگوں کو مسلط نہ فرمائیو جو ہم پر رحم نہ کریں۔ حق جل وعلا کا ارشاد ہے۔ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (س انعام ع ۱۵) اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض ظالموں پر اُن کے اعمال کی وجہ سے حاکم بنا دیتے ہیں اس کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں۔ صاحب جلالین وغیرہ نے یہی تفسیر اختیار کی ہے حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ ظالم جنوں کو ظالم انسانوں پر مسلط کر دیتے ہیں اور اعمش فرماتے ہیں کہ جب لوگوں کے اعمال خراب ہو جاتے ہیں تو

اُن پر بدترین لوگوں کو حاکم بنایا جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔ مجھ سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عیسٰی یا حضرت موسٰی علیہما السلام نے اللہ جل شانہٗ سے دریافت کیا کہ لوگوں سے آپ کے راضی ہونے کی علامت کیا ہے ارشاد ہوا کہ کھیتی بونے کے وقت ان پر بارش نازل کرتا ہوں اور کاٹنے کے وقت روک لیتا ہوں۔ اُن کے انتظامی امور حلیم لوگوں کے سپرد کرتا ہوں اور اُن کے اموال عامہ کو کریم لوگوں کے سپرد کرتا ہوں۔ اُنہوں نے پوچھا کہ آپ کے ان سے ناراض ہونے کی کیا علامت ہے۔ ارشاد ہوا کہ کھیتی بونے کے وقت بارش کو روک لیتا ہوں اور کاٹنے کے وقت برساتا ہوں اور اُن کے انتظامی امور کو بے وقوفوں کے سپرد کرتا ہوں اور اموال عامہ کو بخیلوں کے حوالہ کردیتا ہوں (در)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم لوگ نیک کاموں کا حکم کرتے رہو اور بُری باتوں سے روکتے رہو ورنہ اللہ جل جلالہٗ بدترین لوگوں کو تمہارا حاکم بنادیں گے۔ پھر تمہارے بہترین لوگ بھی دعائیں کریں گے تو قبول نہ ہوں گی (جامع) جن لوگوں کو یہ اشکال دامنگیر رہتا ہے کہ یہ بزرگ دعا کیوں نہیں کرتے یا ان کی دعا قبول کیوں نہیں ہوتی وہ اس پر بھی غور کرلیا کریں کہ وہ خود نیک کاموں کا کتنا حکم کرتے ہیں اور بُری باتوں سے کتنا روکتے ہیں اور یہ چیز جب چھوٹ گئی تو دعاؤں کے قبول ہونے کی اُمید بے محل ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے۔

وَإِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ خَيْرًا وَلّٰى عَلَيْهِمْ حُلَمَاءَهُمْ وَقَضٰى بَيْنَهُمْ عُلَمَاءُهُمْ وَجَعَلَ الْمَالَ فِيْ سُمَحَائِهِمْ وَإِذَا أَرَادَ بِقَوْمٍ شَرًّا وَلّٰى عَلَيْهِمْ سُفَهَاءَهُمْ وَقَضٰى بَيْنَهُمْ جُهَّالُهُمْ وَجَعَلَ الْمَالَ فِيْ بُخَلَائِهِمْ كَذَا فِي الْجَامِعِ بِرِوَايَةِ الدَّيْلَمِيِّ وَرَقَمَ لَهٗ بِالضُّعْفِ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى إِذَا غَضِبَ عَلٰى أُمَّةٍ لَمْ يُنْزِلْ بِهَا عَذَابَ خَسْفٍ وَلَا مَسْخٍ غَلَتْ أَسْعَارُهَا وَيُحْبَسُ عَنْهَا أَمْطَارُهَا وَيَلِيْ عَلَيْهَا أَشْرَارُهَا كَذَا فِي الْجَامِعِ بِرِوَايَةِ ابْنِ عَسَاكِرَ عَنْ عَلِيٍّ وَرَقَمَ لَهٗ بِالضُّعْفِ ثُمَّ رَأَيْتُ أَنَّ الْحَدِيْثَ لَهٗ طُرُقٌ عَدِيْدَةٌ بِأَسَانِيْدَ شَتّٰى وَتَأْيِيْدُهٗ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ

جب اللہ جل شانہٗ کسی قوم کی بہبود کا ارادہ فرماتے ہیں تو حلیم لوگوں کو حاکم بناتے ہیں (کہ غصہ میں بے قابو نہ ہوجائیں) اور علماء ان کے درمیان فیصلے کرتے ہیں (کہ علم کی روشنی میں حق کے موافق فیصلہ کریں) اور مال سخی لوگوں کے قبضہ میں کردیتے ہیں (کہ ہر شخص کو اس کی سخاوت سے نفع حاصل ہو)، اور جب کسی قوم کی بداعمالیوں کی وجہ سے، برائی منظور ہوتی ہے تو بے وقوفوں کو حاکم بنادیا جاتا ہے اور جاہلوں کے ہاتھ میں اُن کے فیصلے ہوجاتے ہیں اور مال بخیلوں کو دے دیا جاتا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے جب کسی جماعت پر اللہ جل شانہٗ کا غصہ ہوتا ہے اور آخری عذاب مثلاً دھنس جانا یا صورتوں کا مسخ ہوجانا نازل نہیں ہوتا تو نرخ میں گرانی کردیتے ہیں

اَلْاٰیَۃِ عَلٰی مَا وَرَدَ وَتَفْسِیْرُہٗ فِیْ عِدَّۃِ اٰثَارٍ فِی الدُّرِّ الْمَنْثُوْرِ وَغَیْرِہٖ وَفِیْ مَجْمَعِ الزَّوَائِدِ عَنْ جَابِرٍ رَفَعَہٗ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَقُوْلُ اَنْتَقِمُ مِمَّنْ اَغْضَبُ مِمَّنْ اَغْضَبُ ثُمَّ اُصَیِّرُ کُلًّا اِلَی النَّارِ۔ رَوَاہُ الطَّبْرَانِیْ فِی الْاَوْسَطِ وَفِیْہِ اَحْمَدُ بْنُ بَکْرٍ الْبَالِسِیْ ضَعِیْفٌ ۃ

اور بارش کو روک لیتے ہیں اور بدترین لوگوں کو حاکم بنا دیتے ہیں۔ ایک حدیث میں اللہ جل جلالہ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ میں ایسے لوگوں کے ذریعہ جو مغضوب ہیں (یعنی ان پر میرا غضب ہے) دوسرے نفوس سے انتقام لیتا ہوں پھر سب کو جہنم میں ڈال دیتا ہوں۔

اسی لئے ایک حدیث میں وارد ہے۔ لَا تَسُبُّوا الْاَئِمَّۃَ وَادْعُوا اللّٰہَ لَھُمْ بِالصَّلَاحِ فَاِنَّ صَلَاحَھُمْ لَکُمْ صَلَاحٌ کَذَا فِی الْمَجْمَعِ وَفِی الْجَامِعِ بِرِوَایَۃِ الطَّبْرَانِیْ عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ ارشاد ہے کہ حکام کو گالیاں نہ دو بلکہ ان کے لئے صلاحیت کی دعا کرو کہ ان کی صلاحیت میں تمہاری صلاح بھی مضمر ہے (یعنی گالیاں دینے سے تو ان کی درستی ہونے سے رہی) دوسری حدیث میں وارد ہے۔ لَا تَشْغَلُوْا قُلُوْبَکُمْ بِسَبِّ الْمُلُوْکِ وَلٰکِنْ تَقَرَّبُوْا اِلَی اللّٰہِ بِالدُّعَاءِ لَھُمْ یَعْطِفْ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ عَلَیْکُمْ کَذَا فِی الْجَامِعِ بِرِوَایَۃِ ابْنِ النَّجَّارِ عَنْ عَائِشَۃَ اپنے قلوب کو سلاطین اور بادشاہوں کو گالیاں دینے میں مشغول نہ کرو بلکہ اللہ کی طرف تقرب حاصل کرو اور متوجہ ہو کر ان کے لئے دعائے خیر کرو کہ حق تعالیٰ شانہٗ ان کے دلوں کو تمہارے اوپر مہربان کر دیں۔ مکی بن ابراہیم کہتے ہیں کہ ہم ابن عون کے پاس بیٹھے تھے۔ لوگوں نے

بلال بن ابی بردہ کا ذکر شروع کر دیا اور اُس کو بُرا بھلا کہنے لگے - ابن عون چُپ بیٹھے رہے - لوگوں نے کہا کہ تمہاری ہی وجہ سے ہم اُس کو بُرا بھلا کہتے ہیں کہ اُس نے تم پر زیادتی کی - ابن عون کہنے لگے کہ میرے اعمالنامہ میں ہر کلمہ لکھا جاتا ہے اور قیامت کے دن وہ پڑھا جائے گا - مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ اس میں کسی کو بُرا بھلا کہنے کے بجائے لا الہ الا اللہ (کثرت سے) نکلے (احیاء)

ایک بزرگ کے سامنے کوئی شخص حجاج ظالم کو بد دعا دینے لگا - اُنہوں نے فرمایا ایسا نہ کرو - یہ جو کچھ ہو رہا ہے تمہارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے - مجھے یہ خوف ہے کہ اگر حجاج معزول ہو جائے یا مر جائے تو تم پر بندر اور سور نہ حاکم بنا دیئے جائیں (رمتہ نعمہ حسنہ) اور اعمالکم عمالکم تو ضرب المثل ہے - بعض لوگوں نے اس کو حدیث بھی بتایا ہے - مطلب یہ ہے کہ تمہارے اعمال تمہارے حاکم ہیں جیسے اعمال ہوں گے ویسے ہی حکام مسلط کیے جائیں گے۔[لہ]

غرض مجھے ان چیزوں کا احاطہ مقصود نہیں ہے - مثال کے طور پر یہ بتانا ہے کہ جس قسم کی پریشانیاں، حوادث مصائب ہم پر نازل ہو رہے ہیں اور مسلمان اُن میں مبتلا ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں ان سب پر تنبیہ ہے - احادیث کی کتب ان مضامین سے پُر ہیں - حضورؐ نے صاف صاف فرما دیا ہے کہ اللہ کی نافرمانیاں دُنیا میں مصائب کا سبب ہیں اور نیک

لہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اور تقویٰ اختیار کرتا ہے حق تعالیٰ شانہ ہر چیز کے دل میں اس کا خوف پیدا کر دیتے ہیں اور جو اللہ سے نہیں ڈرتا اس کے دل میں ہر چیز کا خوف پیدا کر دیتے ہیں (درمنثور، ص۹۹)

اعمال دُنیا میں بھی فلاح کا ذریعہ ہیں اور بعض خاص خاص گناہوں پر خاص خاص حوادث اور مصائب بھی بتا دیئے ہیں اور مخصوص طاعات پر مخصوص انعامات کا ترتب بھی ارشاد فرما دیا ہے۔ ہم لوگ حوادث کی شکایات کا طومار باندھ دیں۔ اور انعامات کی ہر وقت اُمید لگاتے بیٹھے رہیں لیکن جن امور پر یہ چیزیں مرتب ہیں اُن سے یکسر غافل رہیں جبکہ اُن کا مقابلہ کریں۔ اُن کو دیدہ و دانستہ چھوڑیں اور کوئی تنبیہ کرے تو اس کی جان کو آجائیں تو ہماری مثال بالکل ایسی شخص کی سی ہے۔ جو اسہال کا مریض ہو اور ہر دو گھنٹہ بعد ایک تولہ سقمونیا کھا لے اور شور مچائے کہ اسہال تھمتے نہیں۔ اور کوئی سقمونیا کھانے کو منع کرے تو اس کو بے وقوف بتائے۔ حیرت ہے کہ ایک معمولی طبیب کسی چیز کے متعلق کہہ دے کہ یہ نقصان کرتی ہے۔ ایک کافر ڈاکٹر اعلان کر دے کہ آج کل امرود کھانے سے ہیضہ ہو جائے گا تو اچھے اچھے سورماؤں کی ہمت امرود کھانے کی نہ ہو۔ ایک بھنگی یہ کہہ دے کہ اس گلی میں بہت بڑا کالا سانپ ہے تو اچھے اچھے بہادروں کی جرأت نہ ہو کہ اس گلی میں چلے جائیں۔ ایک جاہل گاؤدی کہہ دے کہ اس سڑک پر ایک شیر بیٹھا ہے تو اُس طرف کا راستہ چلنے کی ہمت نہ ہو۔ بڑی بہادری یہ ہو گی کہ دو چار ساتھیوں کے ساتھ دو تین بندوقیں لے کر اُدھر کا رخ کیا جائے۔ لیکن اللہ جل جلالہ کا پاک اور سچا رسول وہ شفیق اور حکیم مربی جس کو ہر وقت اُمت کی بہبودی کی فکر ہے اور اس کا اہتمام ہے وہ اُمت کو نفع دینے والی چیزوں کا حکم کرے نقصان رساں امور سے روکے۔ لیکن اُمت اپنی نیازمندی اور جاں نثاری

سے کے لمبے چوڑے، دعووں کے باوجود ان ارشادات کی پروا نہ کرے کتنا ہیج ظلم ہے۔ آج گورنمنٹ کی طرف سے ایک اعلان جاری ہو جائے کہ فلاں نوع کی تقریر جرم ہے دس سال کی قید ہوگی۔ اچھے اچھے بہادر کامیاب لیڈر اور اڈیٹر سوچ سوچ کر مضمون لکھیں گے اور تقریر میں بچا بچا کر الفاظ لائیں گے لیکن ساری دنیا کا ملک بادشاہوں کا بادشاہ جس کے قبضۂ قدرت میں ساری حکومتیں اور سارے بادشاہ ہیں سختی سے ایک حکم فرماتا ہے۔ قرآن پاک میں سود کے لینے والے کو اپنی طرف سے اعلانِ جنگ کرتا ہے اور حدیث قدسی میں اللہ والوں کی مخالفت اور دشمنی کو اپنے ساتھ جنگ بتاتا ہے۔ سودی معاملات کرنے والوں پر لعنت کرتا ہے۔ شراب کے بارے میں دس آدمیوں کو اپنی لعنت کا مستحق قرار دیتا ہے۔ کتنے آدمی ہیں جن کے دل پر کچھ بھی چوٹ اس چیز کی لگتی ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور ہم پر کیا کیا مصائب ان امور کے بدلے میں آنے والے ہیں۔ ہر شخص خود ہی غور کرلے کسی دوسرے کے بتانے کی چیز نہیں۔ اور اگر ان چیزوں کو چھوڑنے کے بجائے ان میں ترقیات ہیں تو اللہ سے لڑنے کے لئے اُس کی اور اُس کے رسول کی لعنت برداشت کرنے کے لئے مصیبتیں، ذلتیں، نکبتیں، آفتیں جھیلنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے ؏

اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردہ تست

تنبیہ۔ ایک اشکال اس جگہ عوام کو پیش آتا ہے بلکہ بعض خواص بھی اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہ یہ کہ یہ حسنات اور سئیات (خوبیاں اور برائیاں

جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ مسلمانوں کے لئے نافع اور نقصان رساں ہیں ایسی ہی کافروں کے لئے بھی ہیں اور ہونا چاہئیں کہ نقصان دہ چیز بہر حال نقصان دہ ہے پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ کفار باوجود ان بدخیالیوں میں مبتلا ہونے کے خوشحال ہیں دنیا میں فلاح یافتہ ہیں ترقی یافتہ ہیں اور مسلمان بدحال ہیں خستہ حال ہیں اور ان کی پریشانیاں بڑھتی جا رہی ہیں اور بعض جاہل تو اس اشکال میں ایسے پھنسے ہیں کہ انہوں نے اس منظر کو دیکھ کر ساری ہی شرعیات اور احادیث کا انکار کر دیا۔ انہوں نے دُنیوی فلاح کفار میں دیکھ کر انہیں چیزوں کو باعث فلاح قرار دے دیا جو کفار میں پائی جاتی ہیں لیکن درحقیقت اس اشکال کا منشا بھی اسلامی تعلیم سے ناواقفیت یا ذہول ہے۔ اسلامی تعلیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشادات میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں چھوڑی گئی جو پوری وضاحت سے ارشاد نہ فرما دی گئی ہو مگر اس کے معلوم کرنے کی فرصت کس کو ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک نبی علیہ السلام نے اللہ جل جلالہٗ سے یہی اشکال عرض کیا تھا کہ اے اللہ تیرا ایک بندہ مسلمان ہوتا ہے۔ نیک اعمال بھی کرتا ہے تو اس سے دُنیا تو ہٹا لیتا ہے اور بلائیں اس پر مسلط کر دیتا ہے۔ اور ایک بندہ تیرا کافر ہوتا ہے وہ تیری نافرمانی بھی کرتا ہے تو اُس سے بلائیں ہٹا لیتا ہے اور دُنیا اس کو عطا فرما دیتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے وحی بھیجی کہ میرے مومن بندہ کے لئے کچھ سیئات ہوتی ہیں اُن کی وجہ سے میں یہ معاملہ کرتا ہوں تاکہ جب وہ میرے پاس پہنچے تو اُس کی خوبیوں کا

بدلہ دوں اور کافر کے لئے بھی کچھ خوبیاں ہوتی ہیں اس لئے یہ معاملہ اُس کے ساتھ کرتا ہوں تاکہ جب وہ میرے پاس آئے تو اُس کی بُرائیوں کا بدلہ دوں (مجمع الزوائد)

دوسری حدیث میں وارد ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ الْمُؤْمِنَ حَسَنَۃً یُعْطٰی عَلَیْھَا فِی الدُّنْیَا وَیُثَابُ عَلَیْھَا فِی الْاٰخِرَۃِ وَاَمَّا الْکَافِرُ فَیُطْعَمُ بِحَسَنَاتِہٖ فِی الدُّنْیَا حَتّٰی اِذَا اَفْضٰی اِلَی الْاٰخِرَۃِ لَمْ تَکُنْ لَہٗ حَسَنَۃٌ یُعْطٰی بِھَا خَیْرًا کَذَا فِی الْجَامِعِ الصَّغِیْرِ بِرِوَایَۃِ مُسْلِمٍ وَاَحْمَدَ عَنْ اَنَسٍ وَرَقَمَ لَہٗ بِالصِّحَّۃِ وَالْمِشْکٰوۃِ۔

حق تعالیٰ شانہٗ مومن کی کسی نیکی میں کمی نہیں فرماتے۔ مومن اُس نیکی کے طفیل دُنیا میں بھی (فلاح اور کامیابی) دیا جاتا ہے اور آخرت میں اس کا ثواب علیحدہ دیا جائے گا اور کافر اپنی اچھی عادتوں کی وجہ سے دُنیا میں روزی عطا کیا جاتا ہے۔ لیکن جب آخرت میں پہنچے گا، تو ایمان نہ ہونے کی وجہ سے جو آخرت کے ثواب کی شرط ہے) کوئی بھی نیکی نہیں ہوگی جس کی وجہ سے ثواب دیا جا سکے۔

دوسری حدیث میں ارشاد ہے

وَفِیْ رِوَایَۃٍ اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدِہٖ الْخَیْرَ عَجَّلَ لَہُ الْعُقُوْبَۃَ فِی الدُّنْیَا وَاِذَا اَرَادَ بِعَبْدِہٖ الشَّرَّ

جب حق تعالیٰ شانہٗ کسی بندہ پر نیکی اور بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اُس کے گناہوں کا بدلہ دُنیا ہی میں لے

اَمْسَكَ عَنْهُ ذَنْبَهٗ حَتّٰى يُوَافِيْ بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كَذَا فِي الْجَامِعِ بِرِوَايَةِ اَنَسٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ وَعَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ وَعَزَاهُمْ اِلَى الْمُخَرِّجِيْنَ وَرَقَمَ لَهٗ بِالصِّحَّةِ۔

لیتے ہیں (کہ دُنیا کا عذاب ہر حال میں آخرت کے مقابلہ میں بہت ہلکا ہے) اور جب کسی پر عتاب فرماتے ہیں تو اُس کے گناہوں کا بدلہ روک دیا جاتا ہے اور قیامت میں اس کو بدلہ دیا جائے گا۔

اور بھی مختلف عنوانات سے یہ مضمون کثرت سے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ کافر کے لئے چونکہ نیکیوں کا کوئی معاوضہ آخرت میں نہیں ہے اس لئے جو بھی کسی قسم کی خوبی، بھلائی اور نیک عمل وہ دُنیا میں کرتا ہے اُس کا معاوضہ اُس کو دُنیا ہی میں مل جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے اعمالِ حسنہ کا معاوضہ صرف دُنیا ہی میں حاصل کر سکتا ہے اور اسی لئے سیکڑوں برائیوں کے ساتھ ساتھ وہ جس قدر بھی خوبیاں کرتا رہتا ہے وہ دُنیا میں فلاح و کامیابی کو پاتا رہتا ہے اور مسلمان کے لئے اعمالِ حسنہ کا مستقل بدلہ تو آخرت میں ہے اور برائیوں کا اکثر و بیشتر معاوضہ دُنیا میں ملتا رہتا ہے اس لئے وہ جس قدر بھی کوتاہیاں معاصی اور گناہ کرتا رہتا ہے بدحالی اور پریشانی کا شکار ہوتا ہے حضورؐ کا ارشاد ہے۔ اُمَّتِيْ هٰذِهٖ اُمَّةٌ مَرْحُوْمَةٌ لَيْسَ عَلَيْهَا عَذَابٌ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُهَا فِي الدُّنْيَا الْفِتَنُ وَالزَّلَازِلُ وَالْقَتْلُ (رواہ ابوداؤد۔ مشکوٰۃ) میری یہ امت مرحومہ ہے (کہ اللہ کی خاص رحمت حضورؐ کے طفیل میں اس پر ہے) اس کے لئے آخرت میں (دائمی) عذاب نہیں ہے اس کا عذاب (اور گناہوں کا بدلہ اکثر و بیشتر

دُنیا میں مل جاتا ہے جو فتنوں اور زلزلوں اور قتل کی صورت میں ہے۔ یہاں پر ایک اشکال تاریخ بینوں کو پیش آتا ہے کہ بعض قومیں جب تک بد دینی میں بڑھتی رہیں ان پر کوئی آسمانی عذاب مسلط نہیں ہوا۔ لیکن جب اُن کی دینی حالت کچھ درست ہوئی تو آسمانی عذاب بھی مسلط ہو گیا۔ اس کا جواب بھی ان مضامین سے معلوم ہو گیا کہ کچھ بعید نہیں ہے کہ ان کی یہی حالت کفر کے قریب تک پہنچ جانے کی وجہ سے اس سے بالاتر ہو گئی ہو کہ ان پر دُنیا میں عذاب ہو اور بعد میں جب کچھ صلاح اور اصلاح شروع ہوئی تو دُنیا میں عذاب ہو سکنے کے مستحق بنے مرض جب جراحی حدود سے بڑھ جاتا ہے تو پھر عمل جراحی نہیں کیا جاتا وہ بھی جب ہی کیا جاتا ہے جب جراحی سے نفع کی اُمید ہو۔

بخاری و مسلم وغیرہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی بیبیوں سے ناراضگی کے قصے میں حضرت عمرؓ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں گھر میں داخل ہوا اور دیکھا کہ تین چار چیزیں گھر کی کل کائنات ہیں کہ ایک کونہ میں چند مٹھی جو۔ ایک دو چمڑے کچے (بغیر دباغت دیئے ہوئے) پڑے ہیں۔ اور ایسی ہی ایک آدھ چیز اور بھی پڑی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک بوریے پر لیٹے ہوئے ہیں کہ نہ بدن پر چادر ہے (جو عام طور پر اوڑھنے کا معمول تھا) نہ بوریے پر کوئی چیز بچھی ہوئی ہے جس سے بوریے کے نشانات بدن مبارک پر اُبھر آئے ہیں یہ منظر دیکھ کر رونے لگا۔ حضورؐ نے رونے کا سبب پوچھا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیوں نہ روؤں کہ بدن مبارک پر بوریے کے نشانات پڑے ہوئے اور گھر کی کل کائنات یہ ہے جو میرے سامنے ہے۔ یہ

فارس و روم خدا کی پرستش کبھی نہیں کرتے اور اُن پر یہ وسعت ہے اور آپ کی یہ حالت۔ حضورؐ تکیہ لگائے ہوئے لیٹے تھے اُٹھ کر بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا

اَوَفِیْ شَکٍّ اَنْتَ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ اُولٰٓئِکَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَھُمْ طَیِّبَاتُھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا۔ اے خطاب کے بیٹے عمر کیا تم اب تک شک میں پڑے ہوئے ہو۔ اُن قوموں کی بھلائیاں اُن کو دنیا ہی میں مل گئی ہیں خود قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ وَلَوْلَآ اَنْ یَّکُوْنَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّکْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِھِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّۃٍ وَّمَعَارِجَ عَلَیْھَا یَظْھَرُوْنَ وَلِبُیُوْتِھِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَیْھَا یَتَّکِـُٔوْنَ وَزُخْرُفًا وَاِنْ کُلُّ ذٰلِکَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ وَالْاٰخِرَۃُ عِنْدَ رَبِّکَ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ (س زخرف ع ۳)

اور اگر یہ احتمال نہ ہوتا کہ سارے آدمی ایک ہی طریقہ پر ہو جائیں گے یعنی تقریباً سب ہی کافر بن جائیں گے، تو جو لوگ کفر کرتے ہیں ہم ان کے لئے چاندی کی بنا دیتے اُن کے گھروں کی چھتوں کو اور ان سیڑھیوں کو جن پر وہ چڑھتے ہیں اور ان کے گھروں کے کواڑوں کو بھی اور ان کے تخت بھی چاندی کے کر دیتے، جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے اور یہ سب چیزیں سونے کی بھی بنا دیتے کہ کچھ حصہ چاندی کا ہوتا اور کچھ سونے کا، اور یہ سب کچھ ساز و سامان کچھ بھی نہیں مگر دنیوی زندگی کا چند روزہ اور آخرت آپ کے رب کے یہاں پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے:۔ اے اللہ جو شخص مجھ پر

ایمان لائے اور میری رسالت کا اقرار کرے اس کو اپنی ملاقات کی محبت
نصیب کر، تقدیر کو اس پر سہل فرما اور دُنیا کم عطا کر۔ اور جو مجھ پر ایمان نہ
لائے، میری رسالت کا اقرار نہ کرے، اس کو اپنی لقاء کی محبت نہ دے اور
دنیا کی کثرت عطا کر۔ (مجمع الزوائد نمبر ۲۸۶)

ایک حدیث شریف میں آیا ہے۔ اللہ جل جلالہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر
یہ بات نہ ہوتی کہ مومن گھبرا جائیں گے (اور اپنی تکالیف کے مقابلہ میں دوسرے
کی اتنی راحت دیکھ کر تکلیف زیادہ محسوس کریں گے) تو میں کافر پر لوہے
کی پٹیاں باندھ دیتا (یعنی لوہے کا خول ان پر چڑھا دیتا، کہ وہ کبھی کسی قسم
کی تکلیف نہ اٹھاتے۔ اور ان پر دُنیا کو بہا دیتا (درمنثور)، اور یہ سب کچھ
اس لئے ہے کہ دُنیا اللہ کے نزدیک نہایت ہی ذلیل چیز ہے۔ ایک حدیث
میں حضورؐ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اگر اللہ جل شانہٗ کے نزدیک دنیا کی قدر
مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ عطا کرتے۔
(بروایۃ الترمذی وصححہ)

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی جگہ تشریف لے جا رہے تھے۔
راستہ میں ایک بکری کا بچہ مرا ہوا پڑا تھا جس کے کان بھی نہ رہے تھے۔ حضورؐ
نے ارشاد فرمایا۔ کون شخص ہے جو اس کو ایک درہم (تقریباً ۴ آنے) میں خرید
لے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ مفت میں بھی کوئی لینا گوارا نہ کرے گا کہ کسی قسم
کا نفع بھی اس سے حاصل نہیں ہو سکتا، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک
دنیا اس سے بھی زیادہ ذلیل چیز ہے۔ (مشکوٰۃ بروایۃ مسلم)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ چونکہ اللہ جل شانہ کے یہاں دنیا کی ذرا
بھی قدر وقیمت نہیں ہے اور کفار کا مطمح نظر صرف دنیا ہی ہے اس لیے ان
کو ان کی خواہش کے موافق ان کی حسنات کا بدلہ دنیا ہی میں دے دیا جاتا
ہے مسلمان کے لئے اسلام لانے کے بعد آخرت کی فلاح وبہبود کا مستقل
استحقاق ہو جاتا ہے اور خواہ وہ کتنے ہی معاصی میں مبتلا ہو کسی نہ کسی وقت
اس کا معاصی کی سزا یا معافی کے بعد جنت کی نعمتوں سے متمتع ہونا ضروری
ہے۔ اس لئے وہ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اس دنیا میں فتنوں اور مصائب
میں گرفتار رہتا ہے اور نہ ہو تو خطرناک ہے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جب تو کسی کو دیکھے کہ باوجود معاصی اور گناہوں
میں مبتلا ہونے کے دنیا کی نعمتیں پا رہا ہے تو یہ استدراج ہے اللہ
کی طرف سے ڈھیل ہے۔ پھر حضورؐ نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی
فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ
اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ (اس حدیث کو رواہ مشکوۃ) پس جب وہ
بھول گئے اس نصیحت کو جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول
دیے یعنی خوب نعمت اور ثروت عطا کی، یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں
میں جو ان کو دی گئی تھیں خوب اترا گئے (اور مستی میں ان کا غرور بڑھ گیا) تو
ہم نے ان کو دفعتہً پکڑ لیا پھر تو وہ بالکل حیرت زدہ رہ گئے۔ نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن کی مثال کھیتی کی سی ہے کہ ہوائیں
اس کو ہمیشہ ادھر ادھر جھکاتی رہتی ہیں۔ اسی طرح مومن کو ہمیشہ تکلیف

اور مشقتیں پہنچتی رہتی ہیں۔ اور منافق کی مثال صنوبر کے درخت کی سی ہے کہ ہواؤں سے حرکت نہیں کرتا حتیٰ کہ ایک دم جڑ سے اکھاڑ دیا جاتا ہے (مشکوٰۃ بروایۃ بخاری مسلم)، اور بھی بہت سی نصوص ہیں جن سے یہ صاف ظاہر ہے کہ دنیا میں کفار کی فلاح کا سبب ڈھیل بھی ہے اور نیک عمل کا کرنا بھی ہے۔ پس کفار کا جو فرد یا جماعت نیک عمل کرے گی وہ فلاح میں ترقی کرتی رہے گی اور ان کی معمولی سئیات پر یہاں گرفت نہیں ہو گی اور مسلمان کی معمولی سئیات پر یہاں گرفت ہے۔ اس لئے جتنے بھی سئیات مسلمانوں کے افراد اور ان کی اقوام میں ہوں گی اتنی ہی پریشانیاں، تفرقات، نکبتیں، ذلتیں پڑتی رہیں گی۔ ان کے بچنے کی واحد صورت یہی ہے کہ معاصی سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بچانے کی کوشش کریں۔ حدیث میں آیا ہے کہ بلائیں مومن کے ساتھ وابستہ رہتی ہیں۔ اُس کے نفس میں، مال میں، اولاد میں حتیٰ کہ وہ ایسی حالت میں مرتا ہے کہ اُس پر کوئی بھی گناہ باقی نہیں رہتا (مشکوٰۃ بروایۃ الترمذی وقال حسن صحیح)

دوسری حدیث میں وارد ہے کہ جب حق تعالیٰ شانہ کسی کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو دنیا میں اس کی سزا کو نمٹ دیتے ہیں اور جب کسی کے ساتھ (اُس کے بُرے اعمال کی کثرت کی وجہ سے) بُرائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس سے دُنیا میں بُرائی کو روک لیتے ہیں تاکہ قیامت میں اس کو پورا فرمادیں (مشکوٰۃ بروایۃ ترمذی) البتہ کفر پر دُنیا میں ادبار مفاسد کی کثرت سے ہوتا ہے یا فسق و فجور جب انتہا کو پہنچ جائے یا انبیاء کے ساتھ استہزاء اور

مذاق میں تعدی کی گئی ہو کہ ان امور کے پائے جانے پر ڈھیل نہیں ہوتی
بلکہ عذاب عامہ نازل ہوتا ہے۔ چنانچہ جتنی قوموں کی ہلاکت کے قصے
قرآن پاک میں مذکور ہیں وہ سب اس کے شاہد عدل ہیں اور جتنے واقعات
تاریخ کے اوراق میں سلطنتوں کے زوال کے ہیں وہ سب اس کی کھلی شہادت
دے رہے ہیں کہ جہاں اور جس قوم میں مظالم کی کثرت ہوئی مظلوم کی آہ
کا جوش ملاء اعلیٰ میں پیدا ہوا۔ اسی لئے حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے کہ میں
مظلوم کی بد دعا سنتا ہوں خواہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے سمجھ لینا چاہئے
کہ امراء وزراء حکام اور رؤساء غرض جو بھی اپنے ماتحتوں پر اپنے محکوموں
پر مظالم کرتے ہیں وہ حقیقت میں ان پر ظلم نہیں کرتے بلکہ اپنی جانوں پر ظلم
کرتے ہیں اپنی بربادی اور ہلاکت کے سامان اپنے ہاتھوں سے فراہم کرتے
ہیں خواہ وہ قومی مظالم ہوں یا انفرادی ہوں رنگ لائے بغیر ہرگز نہیں رہتے
اور پھر جب خدائی انتقام کے دلدل میں پھنس جاتے ہیں تو روتے پھرتے
ہیں۔ اس جگہ اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے نہ گنجائش۔ اور بات بھی تفصیل
کی محتاج نہیں کہ سلطنتوں اور بڑی بڑی قوموں کا زوال و ہلاک سب اسی
کی تفصیل ہے اور تاریخ کے اوراق اس سے پُر ہیں۔ مجھے اس جگہ صرف
اس چیز پر متنبہ کرنا ہے کہ مسلمانوں اور کفار کی ترقی کے سبب حق سبحانہ
نے علیحدہ علیحدہ پیدا فرمائے ہیں۔ ہر بات میں یہ خیال کر لینا کہ جو چیز کفار
کے لئے ترقی کا سبب ہے وہی مسلمانوں کے لئے ہے اور جو چیز ان کو
ترقی میں نقصان نہیں دیتی وہ مسلمان کو بھی مضر نہیں ہے۔ دین سے

بے خبری ہے۔ کلام خدا اور کلام رسول سے ناواقفیت ہے۔ خوب سمجھ لو کہ کفار کے لئے معاصی کی سزا کا اصل محل آخرت ہے، وہ کبھی کبھی مصالح اس عالم میں بھی ہو جاتی ہے اور ان کی جتنی خوبیاں ہیں وہ جو نیک اعمال کرتے ہیں ان کا بدلہ رب العالمین اور عادل بادشاہ کے یہاں سے ضرور ملتا ہے مگر اسی عالم میں ملتا ہے آخرت میں کچھ نہیں ملے گا اور یہ بات قرین قیاس بھی ہے کیونکہ جب وہ آخرت کے قائل ہی نہیں ہیں تو پھر آخرت کے نیک ثمرات وہاں کیوں ملیں اور آخرت سے انکار کی سزا آخرت میں ملنا ہی چاہئے۔ اسی لئے ارشاد ہے۔

وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ (سجدہ ع ۲)

اور ان سے کہا جائے گا کہ آگ کے اس عذاب کو چکھو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔ قرآن شریف میں کثرت سے اس کا ذکر ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ (سورہ احقاف رکوع ۲)

اور جس روز کفار جہنم کے قریب لائے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) کہ تم اپنی لذت کی چیزیں دنیا میں حاصل کر چکے اور ان سے خوب نفع اٹھا چکے سو آج ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی اس لئے کہ تم دنیا میں بے وجہ تکبر کرتے تھے اور اس لئے کہ تم فسق کیا کرتے تھے (اور جو کچھ خوبیاں تھیں بھی ان کا بدلہ مل ہی چکا ہے)

ہیں اجمالی طور پر چند آیات کی طرف ہیں متوجہ کرتا ہوں ان کی تفاسیر دیکھو

(۱) أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ۔

(سورۃ بقرہ رکوع ۱۰)

(۱) یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے دنیا کی زندگی (کے منافع) کو آخرت کے بدلہ میں خرید لیا۔

(۲) فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ۔

(سورۃ بقرہ رکوع ۲۵)

(۲) بعضے آدمی ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب (ہمیں جو کچھ دینا ہے) دنیا ہی میں دے دے۔ (پس ان لوگوں کو جو ملنا ہوگا دنیا ہی میں مل جائے گا) اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

(۳) زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔

(سورہ بقرہ رکوع ۲۶)

(۳) کفار کے لئے دنیا کی زندگی آراستہ کردی گئی (اور اسی وجہ سے) وہ مسلمانوں سے مذاق کرتے ہیں حالانکہ یہ مسلمان قیامت کے دن اُن سے اعلیٰ درجہ (یعنی جنت) میں ہوں گے اور محض فراغ معاش پر مغرور نہ ہونا چاہیئے کہ، روزی تو اللہ تعالےٰ جس کو چاہتے ہیں بغیر حساب مرحمت کرتے ہیں (یہ مدار مقبولیت کی دلیل نہیں)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ جل شانہٗ دُنیا اُس شخص کو بھی عطا فرماتے ہیں جس کو محبوب رکھتے ہیں اور اُس کو بھی عطا فرما دیتے ہیں جس کو محبوب نہیں رکھتے لیکن دین اُسی کو عطا فرماتے ہیں جس کو محبوب رکھتے ہیں۔ پس جس شخص کو دین عطا کیا جاتا ہے وہ اللہ کو محبوب ہے (حاکم و صحیح واقرہ علیہ الذہبی)

(۴) قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا۔

(سورۂ نساء رکوع ۱۱)

(۴) آپ کہہ دیجئے کہ دُنیا کا نفع بہت تھوڑا سا ہے اور آخرت ہی بہتر ہے اُس شخص کے لئے جو متقی ہو اور تم پر ذرا سا بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔

(۵) وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔

(س انعام ع ۸)

(۵) اور دنیوی زندگی تو بجز لہو لعب کے کچھ بھی نہیں اور پیچھے آنے والا گھر بہتر چیز ہے متقیوں کے لئے کیا تم ایسی کھلی بات بھی، سمجھتے نہیں

(۶) وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا۔

(س انعام ع ۸)

(۶) اور ایسے لوگوں سے بالکل علیحدہ رہیں جنہوں نے اپنے دین کو لہو و لعب بنا رکھا ہے اور دنیوی زندگی نے اُن کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے

(۷) تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ

(انفال ۹)

(۷) تم تو دُنیا کا مال و اسباب چاہتے ہو اور اللہ جل شانہٗ آخرت کو چاہتے ہیں۔

(٨) أَرَضِيتُم بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ۔

(س توبہ ع ٦)

(٨) کیا تم آخرت کے بدلہ میں دُنیوی زندگی پر راضی ہو گئے۔ سو سمجھ لو کہ دنیوی زندگی کے منافع تو آخرت (کے مقابلہ) میں کچھ بھی نہیں بہت تھوڑے ہیں۔

(٩) مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ أُولٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔

(س ہود ع ٢)

(٩) جو شخص اپنے عمل خیر سے محض دنیاوی زندگی (کی منفعت) اور اس کی رونق چاہتا ہے تو ہم ایسے لوگوں کے اعمال کا بدلہ دُنیا ہی میں پورا کر دیتے ہیں اور ان کے لئے دنیا میں کچھ کمی نہیں کی جاتی (بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو) وہ ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں بجز جہنم کے کچھ نہیں ہے۔ اور انہوں نے جو کچھ اعمال کئے تھے وہ آخرت میں سب بیکار ثابت ہوں گے اور بے اثر ہوں گے وہ سب عمل جو وہ کرتے تھے۔

(١٠) اللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَفَرِحُوا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ

(١٠) ظاہری دولت و ثروت کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھانا چاہیئے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے رزق زیادہ

اِلَّا مَتَاعٌ۔

(سورۃ رعد رکوع ۳)

(۱۱) مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ
عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ
نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ
يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا
وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى
لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ
مَّشْكُوْرًا كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ
مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ
عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا

(سورۃ بنی اسرائیل رکوع ۲)

دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے تنگی
فرماتا ہے۔ یہ لوگ دنیاوی زندگی پر
خوش ہوتے پھرتے ہیں اور دنیا کی زندگی
(اور اس کے عیش و عشرت) بجز معمولی
انتفاع کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔
(۱۱) جو شخص (اپنے نیک اعمال کے
بدلے میں) دنیا کی نیت رکھتا ہے ہم ایسے
شخص کو دنیا میں جتنا چاہیں گے اور
(سب کو نہیں بلکہ) جس کو چاہیں گے عطا
کر دیں گے پھر آخرت میں اس کے لئے جہنم
تجویز کریں گے جس میں وہ بدحال اور
راندہ درگاہ ہو کر داخل ہوگا۔ اور جو شخص
آخرت کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے لئے
جیسی کوشش کرنا چاہئے ویسی ہی کرتا
ہے بشرطیکہ وہ مومن بھی ہو تو ان کی
یہی کوشش مقبول ہوگی (یعنی عمل
کے مقبول ہونے کے لئے شرط یہ ہے
نیت عمل عقیدہ) آپ کے رب کی
(دنیوی) عطا سے ہم ان کی بھی مدد کرتے

ہیں اور ان کی بھی آپ کے رب کی (دنیوی) عطا کسی سے بھی بند نہیں۔

(۱۲) وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهٖ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّأَبْقٰى

(سورۃ طٰہٰ رکوع ۸)

(۱۲) ہرگز ان چیزوں کی طرف آپ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں جن سے ہم نے کفار کی مختلف جماعتوں کو ان کی آزمائش کے لئے متمتع کر رکھا ہے کہ وہ دنیوی زندگی کی رونق ہے اور آپ کے رب کا (رزق) عطیہ اس سے بہت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

(۱۳) أَفَمَن وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيهِ كَمَن مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِينَ

(سورۃ القصص رکوع ۷)

(۱۳) کیا وہ شخص جس سے ہم نے ایک بہترین وعدہ کر رکھا ہے پھر وہ اس کو ضرور پانے والا ہے اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دنیوی زندگی کا چند روزہ نفع دے رکھا ہے پھر وہ قیامت کے دن ان لوگوں میں سے ہوگا جو گرفتار کر لئے جائیں گے۔

(۱۴) قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهٗ

(۱۴) جو لوگ دنیا کے طالب تھے کہنے لگے کاش ہم کو بھی وہ سامان ملتا جو قارون کو ملا ہے واقعی وہ بڑا صاحب نصیب ہے

لَذُوْحَظٍّ عَظِيْمٍ وَقَالَ الَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ
اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ
صَالِحًا وَلَا يُلَقّٰهَا اِلَّا
الصَّابِرُوْنَ۔

(س قصص ع ٨)

اور جن لوگوں کو علم (دین) دیا گیا تھا
وہ کہنے لگے ارے تمہارا ستیاناس ہو
اللہ کے گھر کا ثواب بہت بہتر ہے
اس شخص کے لئے جو ایمان لائے
اور نیک عمل کرے اور وہ پورا پورا
اُنہیں لوگوں کو ملتا ہے جو صبر کرنے
والے ہیں۔

(١٥) تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا
لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي
الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ
لِلْمُتَّقِيْنَ (سورة قصص ع ٩)

(۱۵) یہ آخرت کا گھر (اور اس کا ثواب)
ہم انہیں لوگوں کو دیں گے جو دنیا میں
نہ بڑا بننا چاہتے ہیں نہ فساد چاہتے ہیں
اور بہتر انجام تو متقی لوگوں ہی کا ہے

(١٦) اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ
بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ
(سورۃ لقمٰن رکوع ۴ سورۃ فاطر رکوع ۱)

(۱۶) بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے
پس تم کو دنیا کی زندگی دھوکہ میں نہ
ڈال دے اور نہ کوئی دھوکہ باز تم
کو اللہ کے ساتھ دھوکہ میں ڈالے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ
لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ
الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي
الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ۔

(۱۷) جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب
ہو ہم اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے
اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو ہم اس
کو دنیا میں سے کچھ دے دیں گے

اور آخرت میں اس کا کچھ بھی حصہ نہیں | (سورۂ شوریٰ رکوع ۲)

یہ سب اور ان کے علاوہ قرآن پاک کی پچاسوں آیتیں اس مضمون میں
مشترک ہیں کہ کفار کا منتہائے مقصد صرف دنیوی زندگی ہے اسی دنیا کے
منافع ان کی نگاہ میں منافع ہیں وہ آخرت پر ایمان ہی نہیں رکھتے اور اگر
بعض فرقے ان میں سے ایمان رکھتے بھی ہیں تو ایمان بآخرت کے معتبر ہونے
کی شرائط پوری نہیں کرتے۔ اس لئے حق تعالیٰ شانہ کے یہاں سے بھی
ان کو جو کچھ ملتا ہے وہ اسی دنیا میں ملتا ہے۔ جو نیک اعمال وہ کرتے ہیں ان کا
ثمرہ اسی دنیا میں پاتے ہیں۔ عکرمۃ حضرت ابن عباسؓ سے کسی نے سورہ
ہود والی آیت مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا کا مطلب پوچھا تو
انہوں نے فرمایا کہ ان کے اعمال کا بدلہ صحت جسمانی سے، اور آل اولاد اور
مال میں مسرتوں سے پورا کر دیا جاتا ہے اور اس کا عموم بھی سورہ بنی اسرائیل
والی آیت مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْعَاجِلَۃَ کے ساتھ مقید ہے۔ یہ دونوں
آیتیں اوپر گزر چکی ہیں۔ بنی اسرائیل والی آیت کے ساتھ مقید ہونے کا مطلب
یہ ہے کہ جس کو اللہ جل شانہ چاہتے ہیں عطا کرتے ہیں کسی کا کوئی جبر نہیں ہے۔
حضرت سعید بن جبیرؓ سے بھی سورہ ہود کی آیت کی یہی تفسیر منقول ہے کہ
ان کے اعمال کا بدلہ دنیا میں دے دیا جاتا ہے۔ حضرت قتادہؒ سے بھی اس
آیت کی تفسیر میں یہی منقول ہے کہ اللہ جل شانہ ان کے نیک اعمال کا بدلہ
دنیا میں پورا فرما دیتے ہیں اور آخرت میں پہنچنے تک کوئی بھی نیکی باقی نہیں
رہتی اور مومن کے لئے اس کی نیکیوں کا بدلہ دنیا میں بھی ملتا ہے اور

ایمان کی وجہ سے) اُس کا ثواب آخرت میں بھی ملے گا۔ حضرت مجاہدؒ سے
بھی یہی منقول ہے کہ کفار کے اعمال کا پورا بدلہ دنیا میں دے دیا جاتا
ہے۔ حضرت میمون بن مہرانؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے
نزدیک معلوم کرنا چاہے اپنے اعمال کو دیکھ لے اس لئے کہ وہ اپنے اعمال
ہی پر پہنچنے والا ہے (یعنی جس درجہ کا عمل ہوتا ہے ویسا ہی معاملہ اُس کی
ساتھ کیا جاتا ہے) کوئی مومن ہو یا کافر جو بھی عمل صالح کرتا ہے اس کا بدلہ
ضرور ملتا ہے۔ لیکن مومن کے لئے دنیا اور آخرت میں دونوں جگہ ملتا ہے اور
کافر کے لئے صرف دنیا ہی میں ملتا ہے (درمنثور)

حضرت محمد بن کعبؒ سے سورۂ زلزال کی آیت فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ
خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (پس جو شخص ایک
ذرہ کے برابر نیکی کرے گا اُس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ایک ذرہ کے برابر برائی
کرے گا اُس کو دیکھ لے گا) کی تفسیر میں وارد ہوا ہے کہ کافر ایک ذرہ کے
بقدر بھی کوئی خیر کرتا ہے تو اُس کا بدلہ دنیا میں ضرور پاتا ہے۔ اپنی جان میں
مال میں آل میں اور دنیا میں یہاں تک کہ وہ جب دنیا سے جاتا ہے تو کوئی بھی
نیکی ایسی باقی نہیں رہتی جس کا بدلہ نہ مل گیا ہو اور مومن ایک ذرہ کے بقدر بھی
کوئی برائی کرتا ہے تو اس کا عذاب دنیا میں (اسی وقت) پالیتا ہے اپنی جان میں
مال میں آل میں اور دنیا میں حتیٰ کہ وہ دنیا سے (اس وقت) ایسی حالت میں
جاتا ہے کہ کوئی بھی برائی باقی نہیں رہتی (درمنثور)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مُتَّقِیْ ھٰذِہٖ

مَرْحُومَةٌ لَيْسَ عَلَيْهَا عَذَابٌ فِي الْآخِرَةِ إِنَّمَا عَذَابُهَا فِي الدُّنْيَا الْفِتَنُ وَ
الزَّلَازِلُ وَالْقَتْلُ وَالْبَلَايَا كَذَا فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ وَرَقَمَ لَهُ بِالصِّحَّةِ۔
میری اس مرحوم امت پر آخرت میں زیادہ عذاب نہیں ہے۔ اس پر عذاب دنیا
ہی میں فتنے ہیں زلزلے ہیں قتل ہونا ہے اور مصائب۔ دوسری حدیث میں ہے
میری اس مرحوم امت سے آخرت کا (مستقل) عذاب اٹھا لیا گیا۔ اس پر
آپس کا عذاب ہے جو ایک دوسرے کے ہاتھ سے پہنچے۔ ایک اور حدیث
میں ہے کہ میری امت کا عذاب دنیا میں ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے
کہ اللہ نے اس امت کا عذاب دنیا میں کر رکھا ہے (مجمع الزوائد)

ان سب احادیث سے معلوم ہوا کہ اس امت پر اس کے گناہوں کا
بہت سا بدلہ دنیا میں ہے اور یہ رحمت ہے اگر ایسا نہ ہو یعنی باوجود گناہوں
کی کثرت کے مصائب میں ابتلا نہ ہو تو زیادہ اندیشہ ناک ہے لہذا اس امت
کے یعنی حضور کی امت مرحومہ کے مصائب اور حوادث سے بچنے اور
پریشانیوں اور ذلتوں سے نجات کا واحد علاج گناہوں سے نہایت اہتمام سے
بچنا ہے اور جو غلطی اور گناہ سرزد ہو جائیں ان پر رونا ہے استغفار کرنا ہے توبہ
کرنا ہے اس کے سوا کوئی علاج نہیں قطعاً نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ مسلمان
مسلمان رہ کر گناہوں کی کثرت کے ساتھ ترقی کرتا رہے ہاں کافر ناجائز
گناہوں کے ساتھ ترقی کرے ممکن ہے کہ کفر کی حالت میں سیکڑوں برائیوں
کے ساتھ یعنی کبھی موٹی برائیاں کرے گا دنیا میں فروغ و ترقی پائے گا۔

حضرت سلیمان بن عامر نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت

کیا کہ میرے والد صلہ رحمی کرتے تھے۔ عہد کو پورا کرنے کا بھی اہتمام بہت جہاں
کا عزیز و کرم بھی بہت کرتے تھے (کیا ان امور سے اُن کو کوئی نفع پہنچے گا)
حضورؐ نے دریافت فرمایا۔ کیا وہ اسلام سے پہلے مر گئے تھے۔ انہوں نے
عرض کیا جی ہاں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اُن کو تو نفع نہیں دے گا البتہ
اُن کی اولاد کو نافع ہوگا تم لوگ نہ رسوا ہوگے نہ ذلیل نہ فقیر (درمنثور)

اس سے یہ اشکال بھی رفع ہو گیا کہ ہم بعض کافروں کو خوشحال اور
دُنیا میں ترقی یافتہ دیکھتے ہیں لیکن اُن کے اعمال حسنہ اس قابل نہیں پاتے تو
حدیث بالا کی بنا پر غالباً اُن کے والدین کے اعمال حسنہ کا یہ ثمرہ ہے جس کو
وہ پا رہے ہیں۔ غرض نصوص بہت کثرت سے اس پر دلالت کرتی ہیں کہ کفار
اور مسلمانوں کے اصول ترقی مشترک نہیں ہیں بلکہ بعض مشترک ہیں اور بعض جدا
جدا ہیں۔ مسلمانوں کی ترقی کا معیار صرف دین پر عمل ہے بالخصوص معاصی
سے بچنا کہ جس قدر بھی معاصی میں ابتلا ہوگا اتنا ہی دنیا میں مصائب کا سامنا
ہوگا۔ یہ دیکھ کر کہ اس قسم کے معاصی کفار سے بھی سرزد ہوتے ہیں اور وہ
ترقی کرتے جاتے ہیں ان کے لئے یہ معاصی مصائب کا سبب نہیں بنتے۔ اس
وجہ سے ان سے بے خطر ہو جانا اپنے کو اور زیادہ مصائب میں پھنسانا
اور مبتلا کرنا ہے اور اگر مصائب نہ ہوں تو اور بھی زیادہ خطرناک ہے وہ
استدراج ہے جس کا انتقام فوری اور دفعی ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص معصیت ورزی کے
ساتھ کسی چیز کے حاصل کرنے کا ارادہ کرتا ہے وہ جس چیز کی امید رکھتا ہے

اُس سے دُور ہو جاتا ہے۔ اور جس چیز سے ڈرتا ہے اس کے قریب ہو جاتا
ہے (جامع الصغیر۔ بروایۃ انس ورقم لہ بالصحۃ) اس لئے مسلمانوں کا
گناہوں کے ساتھ ترقی اور فلاح کی اُمید رکھنا اپنے کو اس سے دور
کرتا ہے اور کفار کی حرص کرنا ان کے قدم بقدم چلنا ہے۔ وہ بے غیرتی کے
ناکامی کا بھی ذریعہ ہے۔

فارس اور روم کا فوجی دستور یہ تھا کہ جو لشکر غالب ہوتا وہ مغلوب
جماعت کے سرداروں کا سر کاٹ کر تفاخر شہرت پسندی اور مسرت کے طور
پر اپنے امیر کے پاس بھیج کرتا۔

خلافت صدیقیہ میں جب روم سے لڑائی ہوئی تو مسلمانوں نے اس
خیال سے کہ ان لوگوں کے ساتھ یہی معاملہ کرنا چاہیئے جو یہ دوسروں کے
ساتھ کرتے ہیں۔ ایک شامی سردار کا سر کاٹ کر حضرت عقبۃ بن عامر کے
ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں بھیجا۔ جب وہ آپ کی خدمت میں
پہنچا تو آپ نے ناگواری کا اظہار فرمایا۔ حضرت عقبہ نے عرض کیا کہ اے
رسول اللہ کے جانشین وہ لوگ بھی یہی معاملہ ہم لوگوں کے ساتھ کرتے
ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ارشاد فرمایا۔ کیا فارس و روم کی سنتوں اور
طریقوں کا اتباع کیا جائے گا میرے پاس کبھی بھی کسی کا سر نہ لایا جائے۔
ہم لوگوں کو اتباع کافی ہے۔ اللہ کی کتاب اور رسول کی حدیث کافی ہے۔
(شرح سیر کبیر) اگرچہ فقہاء نے بعض نصوص کی بنا پر اس کی اجازت دی
ہے مگر حضرت صدیقِ اکبر کی رائے اس کے موافق نہ تھی اس لئے منع

فرما دیا اور عتبہ کو اس پر تنبیہ فرمائی کہ فارس اور روم کے فعل سے استدلال کیوں کیا۔

حضرت عمرؓ جس وقت شام تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں ایک جگہ کچھ گارا پانی آگیا۔ آپ اونٹ پر سے اُتر لیے۔ موزے نکال کر شانہ پر رکھ لئے اور اس میں گھس کر اونٹ کی نکیل ہاتھ میں پکڑلی وہ ساتھ ساتھ تھا۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ نے یہ ایک ایسی بات کی کہ شام والے تو اس کو بڑی ذلت کی چیز سمجھتے ہیں میرا دل نہیں چاہتا کہ اہل شہر آپ کو اس حالت پر دیکھیں۔ آپ نے اُن کے سینہ پر ایک ہاتھ مارا اور ارشاد فرمایا کہ ابوعبیدہ تمہارے علاوہ کوئی دوسرا شخص ایسی بات کہتا تو میں عبرت انگیز سزا دیتا۔ ہم لوگ ذلیل تھے حقیر تھے اللہ جل شانہٗ نے اسلام کی بدولت عزت عطا فرمائی۔ پس اب جس چیز سے اللہ نے عزت دی اس کے سوا کسی چیز کے ساتھ عزت ڈھونڈیں گے تو اللہ جل شانہٗ ہم کو ذلیل کردیں گے (مستدرک حاکم) حقیقۃً مسلمان کے لئے اصل عزت اللہ کے یہاں کی عزت ہے۔ دُنیا اور دُنیا والوں کے نزدیک اگر ذلت ہوئی بھی تو کیا ہے۔ دو روز کے دن کی ہے

لوگ سمجھیں مجھے محروم وقار و تمکین
وہ نہ سمجھیں کہ مری بزم کے قابل نہ رہا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کی نافرمانیوں کے ساتھ لوگوں میں عزت تلاش کرتا ہے اُن کے تعریف کرنے والے اس

کی مذمت کرنے والے بن جاتے ہیں۔ مقاصد حسنہ میں یہ مضمون مختلف عنوانات سے نقل کیا گیا ہے اس لئے مسلمانوں کے لئے ترقی کی راہ، عزت کی زندگی اور دُنیا میں آنے کی غرض صرف اللہ کی رضا اُس کی مرضیات پر عمل ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ اگر عزت ہے تو یہی ہے، منفعت ہے تو یہی ہے۔ حیرت ہے کہ مسلمان کے لئے اللہ کے پاک کلام اور اس کے رسول کے سچے ارشادات میں علوم و حکمت دارین کی فلاح و ترقی کے اسباب اور خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ لیکن وہ ہر بات میں دوسروں پر نگاہ رکھتے ہیں۔ دوسروں کا پس خوردہ کھانے کے درپے رہتے ہیں کیا یہ چیز انتہائی بے غیرتی اور اللہ اور اُس کے پاک رسول کے ساتھ اجنبیت و منافرت کی نہیں ہے۔ کیا اس کی مثال اُس بیمار کی سی نہیں جس کے گھر میں ایک مرجع الخلائق حکیم، ایک حاذق ڈاکٹر موجود ہو اور وہ کسی اناڑی طبیب سے علاج کرائے۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ تورات کا ایک نسخہ کہیں سے لائے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ تورات ہے اور یہ کہہ کر اس کو پڑھنا شروع کر دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناگوار گزری اور چہرہ انور متغیر ہو گیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے چہرۂ انور کو دیکھ کر حضرت عمرؓ سے ارشاد فرمایا تجھے موت آ جائے دیکھتا نہیں ہے کہ چہرۂ انور پر غصہ کے آثار ہیں۔ حضرت عمرؓ اس کے پڑھنے میں مشغول تھے۔ دفعتاً حضورؐ کے چہرہ کو دیکھ کر ڈر گئے

اور بار بار کہنا شروع کیا۔ عُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ اللّٰہِ وَغَضَبِ رَسُوْلِہٖ رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلّم نَبِیًّا (میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں اللہ کے غصہ سے اور اُس کے رسول کے غصہ سے۔ ہم لوگ اللہ کو رب ماننے پر راضی اور خوش ہیں نیز اسلام کو اپنا مذہب بنانے پر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ماننے پر) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اگر حضرت موسٰی موجود ہوں اور تم لوگ مجھے چھوڑ کر ان کا اتباع کرو تو سیدھے راستہ سے گمراہ ہو جاؤ۔ اگر موسٰی علیہ السلام میری نبوت کا زمانہ پاتے تو میرا اتباع کرتے۔ (مشکوٰۃ بروایۃ دارمی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی بالکل ظاہر تھی کہ جب تک اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کے ارشادات پر پوری نظر اور مہارت نہ ہو اس وقت تک کسی ایسی کتاب کا دیکھنا جس میں حق اور باطل مخلوط ہو اپنے دین کو خراب کرنا ہے اس لئے جو شخص دین میں کامل مہارت رکھتا ہے ہر بات میں حق اور ناحق فوراً پہچان سکتا ہے اس کے لئے تو مضائقہ نہیں کہ کسی چیز کو دیکھے لیکن جس کو دینی علوم میں پوری مہارت نہ ہو اس کے متعلق قوی اندیشہ ہے کہ اپنی قلت علم کی وجہ سے کسی ناحق بات کو حق سمجھ جائے اور گمراہی میں پھنس جائے۔ چونکہ توراۃ میں ایسے احکام بھی تھے جو منسوخ ہو چکے تھے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس میں تحریف بھی ہو چکی تھی اس وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شدت ناراضی کا اظہار فرمایا کہ مبادا دین میں خلط واقع ہو۔ اسی

لئے ابن سیرینؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ علم = دین ہے۔ پس غور سے دیکھو کہ اپنے دین کو کس سے حاصل کر رہے ہو (مشکوٰۃ)

اسی وجہ سے مشائخ اور اکابر ہمیشہ ایسے لوگوں کی صحبت سے اور تقریر سننے اور تحریر دیکھنے سے منع کرتے ہیں۔ جن کی دینی حالت خراب ہو تاکہ بے دینی کے زہریلے اثرات سے حفاظت رہے۔ عام طور سے ایک مقولہ مشہور ہے اُنْظُرُوْا اِلٰی مَا قَالَ وَلَا تَنْظُرُوْا اِلٰی مَنْ قَالَ (یہ دیکھو کہ کیا کہا یہ نہ دیکھو کہ کس نے کہا) یہ صحیح ہے اور بعض احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ مختلف الفاظ سے یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ حکمت کی بات مومن کی گمشدہ چیز ہے جہاں سے ہاتھ لگے لے لے (جامع، مشکوٰۃ، مرقاۃ) لیکن یہ اُسی وقت ہے جب سننے والے کو کھرے کھوٹے کی تمیز حاصل ہو چکی ہو۔ وہ دین کے اصول سے اور بات کے پرکھنے کے قواعد سے اتنا واقف ہو چکا ہو کہ کہنے کو معلوم کر سکے وہ یہ سمجھ سکے کہ فلاں بات دین کے موافق ہے فلاں چیز دین کے خلاف ہے۔ قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ فقہ اور سلف صالحین کے خلاف ہے مگر جب تک یہ بات حاصل نہ ہوا اُس وقت تک ہر قسم کی تقریر و تحریر سے پرہیز ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل صبح کو ایک اثر ہوتا ہے شام کو دوسرا رنگ چڑھتا ہے۔ ایک شخص آتا ہے وہ ایک اچھی دلچسپ تقریر کر کے تمام مجمع سے ایک بات پر ہاتھ اٹھوا لیتا ہے۔ دوسرا آتا ہے وہ اس کے خلاف پُر زور تقریر کر کے اس کے خلاف ہاتھ اٹھوا لیتا ہے۔ غرض مسلمانوں کے لئے

صلاح وفلاح صرف اتباعِ مذہب اسوۂ رسول اور سلفِ صالحین کے طریقہ میں منحصر ہے۔ یہی آخرت میں کام آنے والی چیز ہے یہی دنیا میں ترقیات کا سبب ہے اسی پر عمل کر کے پہلے لوگ بامِ ترقی پر پہنچے تھے جن کے احوال و حالات آنکھوں کے سامنے ہیں اور کوئی تاریخ سے واقف شخص اس چیز سے انکار نہیں کر سکتا اس کے خلاف میں مسلمانوں کے لئے ہلاکت ہے بربادی ہے آخرت کا خسارہ ہے دُنیا کا نقصان ہے۔ تجویزیں جتنی چاہے کر لی جائیں ریزولیوشن جتنے چاہے پاس کر لئے جائیں' اخبارات کے مقالے جتنے چاہے لکھ لئے جائیں اور مزہ لے کر اُن کو پڑھ لیا جائے' سب بے سُود ہے بے کار ہے۔ مسلمان کی ترقی وفلاح کا واحد راستہ معاصی سے پرہیز ہے اور اسلامیت کا اہتمام ہے اس کے سوا دوسرا راستہ منزلِ مقصود کی طرف ہے ہی نہیں۔ یہاں ایک چیز پر بھی غور کرتے چلو۔ آج اسلام کو مسخ کر دیا جاتا ہے اُس کے سارے احکام کو مولویانہ اسلام راہبانہ مذہب ملانہ تنگ نظری کہہ دیا جاتا ہے مگر جن اسلاف نے ہزاروں قلعے فتح کئے تھے لاکھوں کروڑوں آبادیوں کو مسلمان کر کے اسلام کی حکومت وہاں قائم کی تھی وہ اسی مولویانہ اسلام کے قائل تھے اور ملانوں سے زیادہ تنگ نظر تھے وہاں دین سے ایک انچ ہٹنا بھی ہلاکت شمار کیا جاتا تھا۔ وہاں زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر قتال کیا جاتا تھا۔ وہاں شراب کو حلال سمجھ کر پینے پر قتل کیا جاتا تھا اور حرام سمجھنے کے باوجود پینے پر کوڑے لگائے جاتے تھے۔ وہ حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے نماز کو ایسا منافق چھوڑ سکتا ہے جس کا نفاق بالکل واضح ہو۔

یعنی عدم منافقین کی بھی ہمت نہ ہوتی تھی کہ نماز کو چھوڑ سکیں وہاں جب کوئی اہم مشکل اور گھبراہٹ کی بات پیش آتی تھی تو فوراً نماز کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ ابو درداءؓ کہتے ہیں کہ جب آندھی چلتی تھی حضورؐ مسجد میں تشریف لے جاتے تھے اور اُس وقت تک باہر نہیں آتے تھے جب تک وہ تھم نہ جاتی متعدد صحابہ نے مختلف عنوانوں سے حضورؐ کا یہ معمول نقل کیا ہے کہ پریشانی اور گھبراہٹ کے وقت نماز کی طرف رجوع کرتے تھے اور ایک صحابی نے حضورؐ سے نقل کیا ہے کہ پہلے انبیاء کا بھی یہی معمول تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی کثرت سے یہی معمول نقل کیا گیا ہے۔ کچھ تفصیل دیکھنا ہو تو میرے رسالہ فضائل نماز میں دیکھو۔ وہ لوگ نماز میں تیر کھاتے رہتے تھے اور نماز کی لذت کی وجہ سے اُس کو توڑنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ اذان سنتے ہی دکانوں کو چھوڑ کر نمازوں کو چلا جانا اُن کا عام معمول تھا حضرت عمرؓ نے اپنی سلطنت کے حکام (گورنروں) کے پاس اعلان بھیج دیا تھا کہ سب سے زیادہ مہتم بالشان چیز میرے نزدیک نماز ہے۔ جو اس کی حفاظت کر سکتا ہے وہ دین کے بقیہ اجزا کی بھی حفاظت کر سکتا ہے اور جو اس کو ضائع کر دے گا وہ دین کے باقی امور کو زیادہ برباد کر دے گا۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے مرتدین کے ساتھ جہاد کے لیے جب حضرت خالدؓ کو امیر لشکر بنا کر بھیجا تو اُن کو وصیت فرمائی کہ یہ پانچ چیزیں ہیں۔ کلمہ شہادت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج۔ جو شخص ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرے اُس سے قتال کرنا (خمیس)

حضرت عمرؓ نے جب عتبہ بن غزوان کو فارس کی ایک لڑائی پر امیر لشکر بنا کر بھیجا تو وصیت فرمائی اِتَّقِ اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتَ وَ احْكُمْ بِالْعَدْلِ وَ صَلِّ الصَّلٰوةَ لِمِيْقَاتِهَا وَ اَكْثِرْ ذِكْرَ اللّٰهِ (ابن جریر) جتنا ممکن ہو تقویٰ کا اہتمام رکھنا فیصلہ میں انصاف کا اہتمام رکھنا۔ نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہنا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ میں اجنادین میں رومیوں سے مشہور و معروف زبردست لڑائی ہوئی ہے۔ رومیوں کے سپہ سالار نے ایک عربی شخص کو جاسوس بنا کر مسلمانوں کے حالات کی تحقیق کے لئے بھیجا اور اس سے کہا کہ ایک شب و روز اُن کے لشکر میں رہے اور غور سے پورے حالات کا مطالعہ کر کے آئے۔ وہ چونکہ عربی تھا اس لئے اُن میں بے تکلف رہا اور واپس جا کر اُس نے جو حالت بیان کی ہے وہ یہ ہے

بِاللَّيْلِ رُهْبَانٌ وَ بِالنَّهَارِ فُرْسَانٌ وَ لَوْ سَرَقَ ابْنُ مَلِكِهِمْ قَطَعُوْهُ وَ لَوْ زَنٰى رُجِمَ لِاِقَامَةِ الْحَقِّ۔

(خمیس)

یہ لوگ رات میں راہب ہیں دن میں شہسوار (یعنی رات بھر خدا کے سامنے ناک رگڑتے ہیں دن بھر گھوڑے پر سوار رہتے ہیں) اگر اُن کے بادشاہ کا بیٹا بھی چوری کرے تو حق کی حمایت میں اُس کا بھی ہاتھ کاٹ دیں اگر زنا کرے تو اس کو بھی سنگسار کر دیں۔

یہ سن کر اُس جاسوس نے کہا بالکل صحیح کہا۔ حدیث کی کتابوں میں بکثرت یہ واقعہ وارد ہے کہ قبیلہ مخزوم کی ایک عورت نے چوری کر لی تھی اونچے طبقہ

کی شمار ہوتی تھیں لوگوں نے چاہا کہ حضورؐ کی بارگاہ میں کسی طرح سفارش کی
جائے مگر کسی کی جرأت و ہمت نہ ہوتی تھی۔ حضورؐ کے متبنیٰ حضرت زیدؓ
کے بیٹے حضرت اسامہؓ کو اس کے لئے تجویز کیا کہ حضورؐ ان سے محبت فرماتے
تھے۔ انہوں نے سفارش فرمائی تو حضورؐ نے تنبیہ فرمائی کہ اللہ کی حدود میں
سفارش کرتے ہو۔ اس کے بعد حضورؐ نے وعظ فرمایا جس میں ارشاد فرمایا کہ
پہلی امت کے لوگ اسی بات سے ہلاک ہوئے ہیں کہ جب ان میں کوئی بڑا آدمی
چوری کر لیتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور کوئی معمولی درجہ کا آدمی کرتا تھا
تو اس کو سزا دیتے تھے۔ خدا کی قسم اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی فاطمہ
(رضی اللہ عنہا) بھی چوری کر لیتی (اعوذ باللہ منہ) تو اس کا بھی ہاتھ کاٹا
جاتا۔ حدیث کی کتابوں میں اور بھی اس نوع کے قصے مذکور ہیں۔ یہی چیز
تھی جس سے کفار کے قلوب مسلمانوں سے مرعوب ہوتے تھے۔ چنانچہ اس روم
سپہ سالار نے اس جاسوس کی بات سن کر کہا اِنْ كُنْتَ صَدَقْتَنِي لَبَطْنُ
الْأَرْضِ خَيْرٌ مِّنْ لِقَائِهِمْ عَلَى ظَهْرِهَا اور اگر تو نے مجھ سے ان کا حال سچ
بیان کیا ہے تو زمین میں دفن ہو جانا اس سے بہتر ہے کہ زمین کے اوپر ان سے
مقابلہ کیا جائے۔ مسلمانوں کے یہاں ایک رومی قید تھا جو اتفاق سے موقع پا کر
چھوٹ کر بھاگ گیا۔ ہرقل نے اس سے مسلمانوں کے حالات دریافت
کئے اور کہا ایسے پورے حالات بیان کر کہ ان کا منظر میرے سامنے ہو
جاوے۔ اس نے بھی اسی قسم کے حالات بیان کئے کہ یہ لوگ رات کو راہب
ہیں دن کو سوار۔ ذمیوں سے (یعنی وہ کافر جو ان کی رعیت ہیں) بھی بغیر

قیمت کوئی چیز نہیں لیتے۔ ایک دوسرے سے جب ملتے ہیں تو سلام کرتے ہیں ہرقل نے کہا اگر یہ حالات سچے ہیں تو اس جگہ کے مالک بن کر رہیں گے۔

انطاکیہ کی لڑائی میں یزید بن ابی سفیان نے حضرت صدیق اکبرؓ کی خدمت میں ایک خط لڑائی کے حالات کے متعلق لکھا ہے جس کا شروع یہ ہے۔

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ ھِرَقْلَ مَلِکَ الرُّوْمِ لَمَّا بَلَغَہٗ مَسِیْرُنَا اِلَیْہِ اَلْقَی اللّٰہُ الرُّعْبَ فِیْ قَلْبِہٖ فَتَحَوَّلَ وَنَزَلَ اِنْطَاکِیَہْ

حمد و صلوٰۃ کے بعد عرض ہے کہ ہرقل روم کے بادشاہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہم لوگ اس کی طرف چل دیے تو حق تعالیٰ شانہ نے اس کے دل میں کچھ ایسا رعب ڈالا کہ وہ مقابلہ سے ہٹ گیا اور انطاکیہ پہنچ گیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ تمہارا خط آیا جس سے ہرقل کے مرعوب ہونے کا حال معلوم ہوا۔ بیشک حق تعالیٰ شانہ نے اس وقت بھی جب کہ ہم لوگ حضورؐ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے تھے۔ دشمنوں کو مرعوب کرنے کی [illegible] مدد فرمائی ہے اور بڑے فرشتوں سے مدد کی ہے اور یہی وہ دین ہے جس کی طرف لوگوں کو ہم بلاتے ہیں اور جس کی وجہ سے اللہ جل شانہ رعب کے ساتھ ہماری مدد کرتے ہیں (خمیس)

ہرقل کی فوج بہت زیادہ تھی اور مسلمان ان کے مقابلہ میں بہت ہی کم تھے جس کی اطلاع حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دی۔ اس کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا کہ تم مسلمان قلت تعداد کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے البتہ معاصی میں مبتلا ہونے پر باوجود کثیر تعداد کے بھی مغلوب

ہو سکتے ہو۔ اس لئے اس سے پرہیز کرتے رہنا (اشاعۃ)، یہی چیز تھی جس نے اُس وقت مسلمانوں کو نہ صرف آدمیوں ہی پر غالب بنا رکھا تھا بلکہ بحر و بر شجر حجر، چرند و پرند سب ہی چیزوں پر ان کو فتح حاصل تھی۔ تاریخیں ان واقعات سے پُر ہیں۔ تفصیلات کے لئے بڑے دفتروں کی ضرورت ہے۔

افریقہ کے جنگل میں مسلمانوں کو چھاؤنی ڈالنے کی ضرورت پیش آئی اور ایسے جنگل میں جہاں ہر قسم کے درندے اور موذی جانور بکثرت تھے حضرت عقبہ امیر لشکر چند صحابہ کو ساتھ لے کر ایک جگہ پہنچے اور اعلان کیا اَيَّتُهَا الْحَشَرَاتُ وَالسِّبَاعُ نَحْنُ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَارْحَلُوْا فَاِنَّا نَازِلُوْنَ فَمَنْ وَجَدْنَاهُ بَعْدُ قَتَلْنَاهُ۔ اے زمین کے اندر رہنے والے جانورو اور درندو ہم صحابہ کی جماعت اس جگہ رہنے کا ارادہ کر رہی ہے اس لئے تم یہاں سے چلے جاؤ اس کے بعد جس کو تم میں سے ہم پائیں گے قتل کر دیں گے یہ اعلان تھا یا کوئی بجلی تھی جو ان درندوں اور موذی جانوروں میں جماعت سے دور گئی اور اپنے بچوں کو اٹھا اٹھا کر سب چل دیئے (اشاعۃ)۔

حضرت سفینہؓ رومیوں کی لڑائی میں یا کسی دوسرے موقعہ پر راستہ بھول گئے۔ اتفاق سے ایک شیر سامنے آ گیا انہوں نے اس شیر سے فرمایا میں حضورؐ کا غلام ہوں مجھے یہ صورت پیش آ گئی وہ شیر کتے کی طرح دم ہلاتا ہوا ان کے ساتھ ہو لیا۔ جہاں کہیں کوئی خطرہ کی بات پیش آتی وہ دوڑ کر اُس طرف جاتا اور اُس سے نبٹ کر پھر ان کے پاس آ جاتا اور اسی طرح دم ہلاتا ہوا ساتھ ہو لیتا کہ لشکر تک ان کو پہنچا کر واپس چلا گیا (مشکوٰۃ)۔

مدائن کی لڑائی میں جب مدائن پر حملہ ہونے والا تھا تو راستہ میں دجلہ پڑتا تھا کفار نے وہاں سے کشتیاں وغیرہ بھی سب ہٹا لیں کہ مسلمان ان پر نہ آسکیں۔ برسات کا موسم اور سمندر میں طغیانی، امیر لشکر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے حکم دے دیا کہ مسلمان سمندر میں گھوڑے ڈال دیں۔ دو دو آدمی ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور سمندر میں گھوڑے بے تکلف تیر رہے تھے۔ امیر لشکر حضرت سعدؓ کے ساتھی حضرت سلمانؓ تھے اور حضرت سعدؓ بار بار فرماتے تھے۔ وَاللّٰهِ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ وَلِيَّهٗ وَلَيُظْهِرَنَّ دِيْنَهٗ وَلَيَهْزِمَنَّ عَدُوَّهٗ مَا لَمْ يَكُنْ فِي الْجَيْشِ بَغْيٌ اَوْ ذُنُوْبٌ تَغْلِبُ الْحَسَنَاتِ خدا کی قسم اللہ جل شانہٗ اپنے دوستوں کی مدد ضرور کرے گا اور اپنے دین کو غالب کرے گا اور دشمنوں کو مغلوب کرے گا۔ جب تک کہ لشکر میں ظلم (یا زنا) نہ ہو اور نیکیوں پر گناہ غالب نہ ہو جائیں (اشاعۃ)

مرتدین کی لڑائی میں حضرت صدیق اکبرؓ نے علاء حضرمیؓ کو امیر لشکر بنا کر بحرین کی طرف بھیجا۔ ایک ایسے جنگل پر گذر ہوا جہاں پانی کا نشان تک نہ تھا۔ لوگ پیاس کی وجہ سے ہلاکت کے قریب پہنچ گئے۔ حضرت علاءؓ گھوڑے سے اترے۔ دو رکعت نماز پڑھی اس کے بعد دعا کی جس کے الفاظ یہ ہیں۔ يَا حَلِيْمُ يَا عَلِيْمُ يَا عَلِيُّ يَا عَظِيْمُ اسْقِنَا اے تحمل والے اے علم والے اے برتری والے اے بڑائی والے ہمیں پانی عطا فرما، ایک نہایت معمولی سا بادل اٹھا اور فوراً برسا اور اس زور سے کہ سب

لوگوں نے خود بخود برتنوں کو بھر لیا، سواریوں کو پلوایا۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد چونکہ مرتدین کی جماعت نے دارین میں جاکر پناہ لی تھی اور وہاں پہنچنے کے لیے سمندر کو عبور کرنا پڑتا تھا، مرتدین نے کشتیاں بھی جلا دی تھیں کہ مسلمان ان کا تعاقب نہ کر سکیں۔ حضرت علاءؓ سمندر کے کنارے پہنچے۔ دو رکعت نماز پڑھی اور دعا کی: یَا حَلِیْمُ یَا عَلِیْمُ یَا عَلِیُّ یَا عَظِیْمُ اَجِزْنَا۔ اے حلیم، اے علیم، اے علی، اے عظیم ہمیں پار کر دے۔ یہ دعا کی۔ اور گھوڑے کی باگ پکڑ کر سمندر میں کود پڑے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم پانی پر چل رہے تھے، خدا کی قسم نہ قدم بھیگتا تھا نہ موزہ بھیگا، نہ گھوڑوں کے سم بھیگے اور چار ہزار کا لشکر تھا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ پانی اس قدر کم ہو گیا تھا کہ گھوڑے اور اونٹوں کے صرف پاؤں بھیگتے تھے۔ کیا بعید ہے کہ جب چار ہزار کا لشکر تھا اس میں بعض کے ساتھ ایسا معاملہ ہوا ہو اور ابوہریرہؓ جیسوں کے موزے بھی نہ بھیگے ہوں۔ اسی قصہ کی طرف عفیف بن منذر نے جو خود اس لڑائی میں شریک تھے دو شعروں میں اشارہ کیا ہے جن کا ترجمہ یہ ہے۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ اللہ نے سمندر کو مسخر کر دیا اور کفار پر کتنی سخت مصیبت نازل کی۔ ہم نے اس پاک ذات کو پکارا جس نے بنی اسرائیل کے واسطے سمندر کو ساکن کر دیا تھا۔ اس نے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل سے بھی زیادہ عنایت کا معاملہ فرمایا ہمیں۔

سمندر اور دریاؤں پر پیدل اور سواریوں پر گزرنے کے یہ واقعات کثرت سے ہیں۔ مجموعہ میں یہ قصے تواتر سے پہنچنے کے لیے بس ہیں

بدنامی اور بداعمالی پر رونے کے ہیں۔ حضورؐ نے ہمیں اپنے پاک ارشادات
میں ایک ایک چیز بتا دی۔ بھلائی کے راستے اور برائی کے راستے علیحدہ علیحدہ
کر دیئے۔ اسلاف نے ان پر عمل کیا اور کامیاب ہوئے۔ ہم نے نہ حضورؐ کے
ارشادات کی قدر کی نہ ان بزرگوں کے حالات سے عبرت اور نصیحت حاصل کی
نہ اللہ جل جلالہٗ کا خوف کیا۔ نہ اس کے رسول پاک کی پیروی کی۔ لیکن جو
آرزوئیں اور امیدیں لگائے بیٹھے ہیں وہ جَو بو کر گیہوں کاٹنے کی ہیں۔
جنہوں نے گیہوں بوئے تھے انہوں نے کاٹے بھی وہی تھے۔ اسلامی تاریخ
اٹھاؤ اور ایک ایک معرکہ کو غور اور عبرت کی نگاہ سے دیکھو۔ لشکروں
کو روانگی کے وقت کیا کیا نصائح ہوتی تھیں اور پھر وہ حضرات اس پر
کس قدر پابندی کرتے تھے۔ عراق کی لڑائی میں جس کا مختصر حال میں
حکایات صحابہ باب ششم کے ختم پر لکھ چکا ہوں حضرت عمرؓ نے امیر لشکر
حضرت سعدؓ کو جو نصیحت فرمائی ہے اس کا ایک ایک لفظ غور کے قابل
ہے۔ چند لفظ کا ترجمہ لکھتا ہوں۔ فرماتے ہیں۔

اس پر غور نہ کرنا کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ماموں اور
حضورؐ کا صحابی کہا جاتا ہے۔ اللہ جل شانہٗ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتے
بلکہ برائی کو بھلائی سے مٹاتے ہیں۔ اللہ کے درمیان اور اس کے بندوں
کے درمیان کوئی رشتہ داری نہیں ہے۔ اس سے صرف بندگی کا معاملہ ہے
اس کے یہاں شریف رذیل سب برابر ہیں اس کے انعامات اس کی
اطاعت سے حاصل ہوتے ہیں۔ حضورؐ کی پوری زندگی بعثت کے بعد

سے وصال تک جو تم نے دیکھی ہے اُس کو پیش نظر رکھنا اور اُس کو مضبوط پکڑنا یہ میری خاص نصیحت ہے۔ اس کو اگر تم نے نہ مانا تو عمل ضائع ہو جائے گا اور نقصان اٹھاؤ گے۔ . . . . . تم ایک بہت سخت اور دشوار کام کے سرے بیٹھے رہے ہو جس (کی ذمہ داریوں) سے خلاصی بجز اتباع حق کے اور کسی صورت میں نہیں ہے۔ اس لئے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو بھلائی کا عادی بنانا . . . . . اللہ کا خوف اختیار کرنا اور اللہ کا خوف دو چیزوں میں مجتمع ہے۔ اُس کی اطاعت میں اور گناہ سے احتراز میں۔ اور اللہ کی اطاعت جس کو بھی نصیب ہوئی ہے وہ دُنیا سے بغض اور آخرت کی محبت سے نصیب ہوئی ہے فقط (اشاعۃ)

خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص دُنیا سے محبت رکھے گا آخرت کو نقصان پہنچائے گا۔ اور جو اپنی آخرت سے محبت رکھے گا وہ اپنی دُنیا کو نقصان پہنچائے گا۔ پس تم لوگ ایسی چیز کو جو باقی رہنے والی ہے (یعنی آخرت کو) ترجیح دو ایسی چیز پر جو فنا ہو جانے والی ہے (یعنی دُنیا پر) مشکوٰۃ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کلیہ کو سمجھ لیا تھا اور مضبوط پکڑ لیا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ جو شخص دُنیا کے مقابلہ میں آخرت کو ترجیح دے اور دُنیا کے نقصان کو آخرت کے مقابلہ میں برداشت کرنے کو تیار ہو جائے تو صورۃً دُنیا کا نقصان ہوتا ہے حقیقت میں نہیں ہوتا کہ جتنا مقدر ہے

وہ تو پہنچ کر رہے گا۔ حضورؐ کا ارشاد ہے جس شخص کا ارادہ (اور اہتمام و عمل) آخرت کی طلب کا ہوتا ہے اللہ جل شانہٗ اس کے دل میں غنا ڈال دیتے ہیں۔ اُس کے منتشر امور کو مجتمع فرما دیتے ہیں اور دُنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر پہنچتی ہے۔ اور جس شخص کی نیت دُنیا طلبی کی ہوتی ہے فقر اس کی نگاہ کے سامنے رہتا ہے۔ کاموں میں انتشار و تشتت رہتا ہے اور مقدر سے زیادہ تو ملتا ہی نہیں (مشکوٰۃ)

چنانچہ صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد اولیاء اللہ کے قصے حد تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں کہ دُنیا کس قدر ذلیل ہو کر ان کے پاس آتی تھی اور آتی ہے اور کیوں نہ آئے جب دُنیا کی ہر چیز اُنہی کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر ایک مختصر جماعت کا میر لشکر حضرت سعد بن عمروؓ کو بنا کر میسان (ایک جگہ کا نام ہے) فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ حضرت سعد بن عمروؓ وہاں پہنچے تو اتفاق کہ مسلمانوں کے پاس خورد و نوش کا سامان نہیں رہا۔ نہ کہیں سے دستیاب ہوا۔ اس قریہ کا ایک شخص جو خود چرواہا تھا ایک بن کے کنارے پر ملا۔ اُس سے دریافت کیا کہ کہیں دودھ اور باربرداری کے جانور مل سکیں گے۔ اُس نے جھوٹ کہہ دیا کہ مجھے خبر نہیں ہے۔ لیکن بن کے اندر سے ایک بیل نے آواز دی کذب عدو اللہ (اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا ہم یہاں موجود ہیں۔ اس آواز پر یہ لوگ بن میں گئے اور اُن کو پکڑ لائے اور لشکر پر تقسیم کیا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ قصہ قادسیہ میں حضرت سعدؓ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ وہاں

میں بھی کوئی مانع نہیں ہے کہ دونوں جگہ پیش آیا ہو۔

حجاج بن یوسف کے زمانہ میں اس قصہ کا تذکرہ آیا تو اُس کو اُس پر تعجب ہوا اور اُس نے ایسے حضرات کو بلا کر جن کے سامنے یہ واقعہ پیش آیا تھا تصدیق کی - ان لوگوں نے بیل کی آواز کا خود سننا بیان کیا۔ حجاج نے کہا کہ لوگ اس واقعہ کے متعلق کیا خیال کرتے تھے۔ ان لوگوں نے کہا کہ لوگ اس واقعہ سے اس پر استدلال کرتے تھے کہ حق تعالیٰ شانہ مسلمانوں سے راضی ہیں اور فتوحات اُن کے ہمرکاب ہیں۔ حجاج نے کہا یہ تو جب ہو سکتا ہے کہ لشکر کے سارے ہی افراد متقی پرہیزگار ہوں۔ لوگوں نے کہا یہ تو ہمیں معلوم نہیں کہ لشکر کے دلوں میں کیا بات تھی۔

فَاَمَّا مَا رَاَیْنَا فَمَا رَاَیْنَا قَطُّ اَزْھَدَ فِی دُنْیَا مِنْھُمْ وَلَا اَشَدَّ بُغْضًا لَّھَا لَیْسَ فِیْھِمْ جَبَانٌ وَّلَا غَالٌّ وَّلَا غَدَّارٌ۔

لیکن ظاہر میں جو کچھ ہم نے دیکھا وہ یہ ہے کہ دُنیا کے بارے میں ان سے زیادہ زاہد اور دُنیا کے ساتھ ان سے زیادہ بغض رکھنے والا ہم نے نہیں دیکھا۔ کوئی شخص ان میں بزدل یا خیانت کرنے والا یا بدعہدی کرنے والا نہ تھا۔

اس قصہ میں جانوروں کا بولنا یا اللہ والوں کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا دونوں باتیں کچھ مستبعد نہیں ہیں۔ صحیح حدیثوں میں جانوروں کا بولنا ثابت ہے۔ بخاری شریف اور حدیث کی دوسری کتابوں میں ہے کہ ایک شخص ایک گائے لئے جا رہا تھا وہ چلتے چلتے تھک گیا اور اُس

پر سوار ہوگیا۔ وہ گائے بولی کہ ہم اس کے لئے پیدا نہیں کئے گئے۔ ہم کھیتی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ لوگوں کو اس کے بولنے پر بڑا تعجب تھا۔ حضورؐ نے فرمایا میرا اور ابوبکرؓ و عمرؓ کا تو اس پر ایمان ہے۔ ایک مرتبہ ایک شخص بکریاں چرا رہے تھے ایک بھیڑیے نے ایک بکری اٹھا لی۔ ان صاحب نے شور و شغب کیا تو اُس بھیڑیے نے کہا۔ درندوں کے دن (یعنی قیامت کے قریب) کون ان بکریوں کی حفاظت کرے گا۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ بھیڑیا کلام کرتا ہے۔ حضورؐ نے یہاں بھی وہی ارشاد فرمایا کہ میرا اور ابوبکرؓ و عمرؓ کا اس پر ایمان ہے (مشکوٰۃ بروایۃ الشیخین)

معجزات کی کتابوں میں متعدد واقعات اس نوع کے ذکر کئے گئے ہیں کہ جانوروں نے حضورؐ کی نبوّت کی شہادت دی۔ لوگوں کو ایمان نہ لانے پر طعن کیا۔ دیکھنا چاہو تو شفاء قاضی عیاض میں بھی چند واقعات ذکر کئے ہیں۔ اس قصہ کا دوسرا جزء کہ جانوروں نے اپنے آپ کو پیش کیا بھی ظاہر ہے کیونکہ جب یہ جماعت اللہ کے نام پر شہید ہونے کو اس رضا اور رغبت کے ساتھ ہر وقت تیار اور مستعد تھی تو کَمَا تَدِیْنُ تُدَانُ جیسا تم معاملہ کرو ویسا ہی معاملہ کیا جائے گا۔

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

(یعنی تو خدا کی اطاعت کر دُنیا کی ہر چیز تیری اطاعت کرے گی) ان حضرات کے شوقِ شہادت کے واقعات سے تواریخ بھری ہوئی ہیں۔ نمونہ

کے طور پر چند قصے حکایاتِ صحابہ میں لکھ چکا ہوں۔ دل چاہے تو دیکھ لو۔
حجۃ الوداع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سو اونٹ کی قربانی
کی تھی۔ جب حضورؐ قربانی فرما رہے تھے تو پانچ چھ اونٹ اکٹھے اُمڈے
ہوئے آتے تھے کہ پہلے کون قربان ہو۔ ابوداؤد شریف میں یہ قصہ مذکور
ہے اور جب ہم دُنیا میں دیکھتے ہیں کہ معمولی حکام بے بس حکام جن کے
قبضہ میں کچھ بھی نہیں ہے وہ اپنے فرمانبرداروں کی ہر طرح حمایت کرتے
ہیں تو اللہ جل جلالہ اپنے مطیعوں کی حمایت کیوں نہ کرے گا اور قرآن شریف
کا وعدہ ہے۔ یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ یَنصُرْكُمْ (محمد ع۱)
اے ایمان والو اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ جل شانہ تمہاری
مدد کرے گا۔ إِن یَنصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِن یَخْذُلْكُمْ فَمَن ذَا الَّذِی
یَنصُرُكُم مِّن بَعْدِهِ (آل عمران ع۱۷) اگر اللہ جل شانہ تمہاری مدد کریں
تو کوئی بھی تم پر غالب نہیں ہو سکتا اور وہ اگر مدد نہ کریں تو پھر ان کے علاوہ کون مدد
کر سکتا ہے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس چیز کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا اطاعت
رسول ان کی طبیعت بن گئی تھی۔ کامیابی ان کے ساتھ تھی ہر نوع کی مدد ان
کی رفیق تھی اور جہاں کہیں کسی قسم کی لغزش ہوئی وہاں مشقتیں اٹھانی پڑیں
جنگ احد کا قصہ مشہور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت
کو ایک خاص جگہ پر متعین فرما کر حکم دے دیا تھا کہ ہم غالب ہوں یا مغلوب تم
اس جگہ سے نہ ہٹنا۔ مسلمان غالب ہوتے جا رہے تھے اور جب کافی غلبہ ہوگیا
تو اس جماعت کے بہت سے افراد نے یہ سمجھ کر کہ اب تو غلبہ ہو چکا ہی ناحق

ہو گیا ہے بھاگنے والے کفار کا تعاقب کیا۔ اس جماعت کے امیر نے کہا بھی کہ حضورؐ نے یہ فرمایا تھا کہ اگر ہم غالب بھی ہو جائیں تب بھی تم یہاں سے نہ ہٹنا مگر جماعت نے غلط فہمی سے اس حکم کو یہ سمجھا کہ معمولی غلبہ مراد ہے اور اب تو بالکلیہ غلبہ ہو چکا ہے اس لئے اس جگہ سے ہٹ گئے اور خالد بن ولید نے جو اس وقت کفار کے سپہ سالار تھے اسی جگہ سے آکر پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔

کتب حدیث و تاریخ میں یہ قصہ مشہور ہے۔ حنین کی لڑائی میں مسلمانوں کی کثرت اور کفار کی قلت کی وجہ سے بعض مسلمانوں کو کچھ غرور پیدا ہوا جس کی وجہ سے سخت پریشانی اور دقت کا سامنا مسلمانوں کو کرنا پڑا۔ قرآن پاک میں بھی اس کی طرف اللہ جل جلالہ نے متوجہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ج. (سورۂ توبہ ع ۴)

تمہاری اللہ جل شانہ نے بہت سے موقعوں میں مدد کی، اور حنین کے دن بھی مدد کی جب کہ تم کو اپنی کثرت کی وجہ سے غرہ ہو گیا تھا۔ پس وہ کثرت تمہاری کچھ کام نہ آئی، اور کفار کے تیر برسانے سے ایسی پریشانی تم کو ہوئی، کہ تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے۔

مرتدین کی لڑائی میں جو مسیلمۃ الکذاب سے معرکہ ہوا جس میں بہت سے

لوگ بھاگ گئے کچھ مارے گئے۔ خود طلیحہ بھی بھاگ گیا۔ اس سے مسلمانوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ اُس کے بعد مسیلمہ کی جماعت سے لڑائی ہوئی اور جس میں بہت سخت مقابلہ ہوا اور ہزاروں آدمی اُس کی جماعت کے قتل ہوئے اور مسلمانوں کی بھی بڑی جماعت شہید ہوئی۔ حضرت خالد بن ولیدؓ ان معرکوں کے سپہ سالار تھے فرماتے ہیں۔

إِنَّا لَمَّا فَرَغْنَا مِنْ طُلَيْحَةَ الْكَذَّابِ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ شَوْكَةٌ قُلْتُ كَلِمَةً وَالْبَلَاءُ مُوَكَّلٌ بِالْقَوْلِ وَمَا بَنُو حَنِيْفَةَ مَا هِيَ إِلَّا كَمَنْ لَقِيْنَا فَلَقِيْنَا قَوْمًا لَيْسُوْا يُشْبِهُوْنَ أَحَدًا وَلَقَدْ صَبَرُوْا لَنَا مِنْ حِيْنَ طَلَعَتِ الشَّمْسُ إِلَى صَلٰوةِ الْعَصْرِ ۔ خمیس

جب ہم طلیحہ کذاب سے فارغ ہوگئے اور اس کی شوکت کچھ زیادہ نہ تھی تو میری زبان سے ایک کلمہ نکل گیا۔ اور مصیبت گویائی کے ساتھ وابستہ ہے (میں نے کہہ دیا تھا) کہ بنی حنیفہ ہیں ہی کیا چیز۔ یہ بھی ایسے ہی ہیں جیسے لوگوں سے ہم نبٹ چکے ہیں (یعنی طلیحہ کی جماعت) مگر جب ہم اس کی جماعت سے بھڑے تو ہم نے دیکھا کہ وہ کسی کے مشابہ نہیں ہیں۔ طلوعِ آفتاب سے لے کر عصر کے وقت تک وہ برابر مقابلہ کرتے رہے۔

حضرت خالدؓ خود اقرار فرماتے ہیں کہ ایک کلمہ زبان سے نکل گیا تھا۔ جس کی وجہ سے اتنے سخت مقابلہ کی نوبت آئی۔ اسی وجہ سے یہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ذرا ذرا سی چیز کی نگرانی اور اس پر تنبیہ

فرماتے تھے۔

یرموک پر جب حملہ ہو رہا تھا تو حضرت خالدؓ عراق کی لڑائی میں مشغول تھے۔ یرموک لشکر کی مدد کے واسطے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اُن کو خط لکھ اور تحریر فرمایا کہ عراق پر اپنا جانشین مقرر کر کے فوراً یرموک پہنچو۔ اُس خط میں اُن کی تعریف فرمائی تھی اور کامیابیوں پر مبارکباد دی تھی اور یہ لفظ بھی لکھا تھا۔

وَلَا یَدْخُلَنَّکَ عُجْبٌ فَتَخْسَرَ وَتُخْذَلَ وَاِیَّاکَ اَنْ تُدِلَّ بِعَمَلٍ فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَہُ الْمَنُّ وَھُوَ وَلِیُّ الْجَزَاءِ (خمیس)	تمہارے اندر عُجُب (غرور) ہرگز پیدا نہ ہو کہ اس سے نقصان اُٹھاؤ گے اور ذلیل ہو گے۔ اپنے کسی عمل پر ناز نہ کرنا۔ اللہ ہی کا احسان ہے اور وہی بدلہ کا مالک ہے۔

ان حضرت کے خصوصیات میں تحریرات میں ذرا ذرا سے امور پر تنبیہ اور اُن کا اہتمام ہوتا تھا اور معاصی پر زبردست گرفت ہوتی تھی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے جس قدر کارنامے مشہور و معروف ہیں دوست دشمن مسلمان کافر سب ہی واقف ہیں۔

خلافت صدیقی میں ایک واقعہ میں حضرت عمرؓ لشکر کی امارت سے ان کو معزول کرنے پر بہت مصر ہوئے مگر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے قبول نہیں فرمایا۔ خلافت فاروقی میں ایک واقعہ کی بنا پر کہ ایک شاعر کو بہت سا انعام دے دیا تھا حضرت خالدؓ کی مشکیں بندھوا کر بلوایا گیا تھا۔

حضرت عمرؓ جب پہلی مرتبہ بیت المقدس تشریف لے جا رہے تھے تو قرب وجوار کی فوجوں کے سپہ سالاروں کو حکم دیا کہ اپنی فوجوں پہ اپنا قائم مقام کسی کو بنا کر مجھ سے جابیہ میں (ایک جگہ کا نام ہے) آکر ملیں۔ یہ سب اُمراء جابیہ پہنچے۔ سب سے اوّل یزید بن ابی سفیان سے پھر حضرت ابو عبیدہ سے پھر خالد سے ملاقات ہوئی۔ یہ حضرات کچھ ریشمی لباس پہنے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ یہ دیکھ کر سواری سے اترے اور پتھر اٹھا اٹھا کر ان حضرات کو مارنا شروع کر دیا اور فرمایا کہ کس قدر جلدی تم اپنے پرانے خیالات سے ہٹ گئے کہ اس ہیئت میں مجھ سے ملنے آئے ہو۔ ابھی دو ہی برس سے تم کو پیٹ بھر کر ملنے لگی ہے جس پر یہ حالت ہوگئی ہے۔ اگر دو سو برس کی امارت کے بعد بھی تم اس ہیئت کو اختیار کرتے تو میں تمہاری جگہ دوسروں کو امیر بناتا۔ انہوں نے معذرت کی اور عرض کیا کہ ہم ہتھیار لگائے ہوئے ہیں اور یہ پہن لیا تھا (طبری)

ریشمی لباس کی فقہی بحث علیحدہ چیز ہے بعض انواع اُس کی جائز ہیں۔ میسان جب فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے نعمان بن عدی کو وہاں کا حاکم بنا دیا۔ انہوں نے اپنی بیوی کو بھی وہاں لے جانا چاہا مگر وہ نہیں گئیں تو انہوں نے بیوی کو ایک خط لکھا جس میں وہاں کی راحتیں اور لطف اشعار میں لکھے جن میں شراب اور اس کے خوشنما گلاسوں کے دَور چلنے کا بھی ذکر شاعرانہ انداز میں کر دیا تھا۔ حضرت عمرؓ کو خبر ہوگئی۔ اُن کو خط لکھا جس میں بسم اللہ کے بعد اوّل سورہ غافر کی یہ آیت لکھی۔ اس کے بعد تحریر

فرمایا مجھے تمہارا فلاں شعر پہنچا میں نے تمہیں معزول کردیا۔ وہ تائب ہوتے اور قسم کھائی کہ میں نے شراب نہیں پی وہ محض شاعرانہ طور پر کہہ دیا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ مجھے بھی تمہارے ساتھ یہی حسن ظن ہے مگر میں تمہیں کسی جگہ کا حاکم کبھی نہیں بنانے کا (معجم البلدان)

یہ سخت گیری اور تنگ نظری تھی ان حضرات اکابر کی۔ تاریخ و کتب حدیث میں ہزاروں واقعات اس رنگ کے پاؤ گے۔ یہی دین کی ترقیات کا سبب تھا اور جہاں کہیں کوئی لغزش ہوئی وہاں نقصان بھی پہنچے۔ جس کی نظیریں ابھی پڑھ چکے ہو اور ساتھ ہی یہ بھی کہ جتنا اونچا مرتبہ یا فرد تھا اتنی ہی معمولی لغزش پر اللہ جل شانہ کی طرف سے تنبیہ ہوئی اور یہ بات قرین قیاس بھی ہے۔ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ سورۂ عبس میں اسی چیز پر تنبیہ ہے کہ ایک نابینا غریب کے مقابلہ میں دنیادار مالدار کی رعایت کیوں ہوئی حالانکہ وہ رعایت دین ہی کے خاطر تھی۔ اس کے بالمقابل جتنا معمولی جبلتہ تھا اتنے ہی معمولی سئیات سے درگزر اور سئیات کے بڑھ جانے پر گرفت ہوئی۔

جزیرہ سردانیہ بہت مشہور جزیرہ ہے ۹۰؁ھ کے آس پاس فتح ہوا ہے۔ مال غنیمت میں خاص طور سے اس میں خیانتیں کثرت سے ہوئیں جس کے جو ہاتھ لگا اڑا لیا۔ فتح کے بعد جہاز میں سوار ہو کر واپس آرہے تھے کہ غیب سے آواز آئی اَللّٰهُمَّ غَرِّقْهُمْ (اے اللہ اُن کو غرق کردے) وہ سب غرق ہو گئے (اشاعۃ)

وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات تھے جو اس مضمون کے شروع میں تھے اور یہ واقعات اُن کی مثالیں ہیں۔ گزشتہ تواریخ کے ورق اُن سے پُر ہیں اور آج جو ہو رہا ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے۔ بے دینی کے اسباب ہم اپنے ہاتھوں اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ گناہوں میں زور شور سے منہمک ہوتے جا رہے۔ پریشانیاں اور بدحالیاں بڑھتی جا رہی ہیں اور اب تو اجتماعی صورت سے خود اسلام کو خیرباد کہنے کی صورتیں پیدا ہو رہی ہیں۔ دین کے ایک ایک جزو کو چھوڑا جا رہا ہے۔ اب اس کا اگر حل ہو سکتا ہے تو دین پر پختگی اور گناہوں سے احتراز ہی سے ہو سکتا ہے مگر اس دقیانوسی بات کو کون کہہ سکتا ہے اور کس سے کہا جائے۔ فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی وَالْمُسْتَعَانُ۔

سوال نمبر ۵ - اغراض آج کل زیادہ کام کر رہی ہیں۔ ہر شخص اپنی غرض کے پیچھے چل رہا ہے۔

جواب نمبر ۵ - کچھ بعید نہیں کہ ایسا بھی ہو اور سب نہیں تو کچھ لوگ اپنی اغراض کے تحت ہی بھی کام کرتے ہوں لیکن یہ بھی تو اُسی اسلامی تعلیم کے ترک کا نتیجہ ہے۔ ہم لوگ اپنی تعلیمات کو قبول کریں اُن کو اسوہ بنائیں تو پھر یہ ایک مفسدہ کیا کوئی بھی مفسدہ باقی نہ رہے۔ یقیناً جو لوگ دنیوی اغراض کی خاطر دین کا کام کرتے ہیں وہ اپنے نفوس پر ظلم کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور و معروف ارشاد ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِامْرِیٔ مَا نَوٰی ؕ اعمال کا اجر و ثواب نیت ہی سے ہوتا ہے اور ہر آدمی کو ویسا ہی بدلہ ملتا ہے جیسی اُس کی نیت ہوتی ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن روانہ فرمایا تو انہوں نے درخواست کی کہ مجھے کوئی وصیت فرما دیجئے۔ حضورؐ نے اخلاص کی وصیت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اخلاص کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی کافی ہے۔

ایک حدیث میں وارد ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مخلصین کو خدا نے تعالیٰ خوش رکھے وہ لوگ ہدایت کے چراغ ہوتے ہیں۔ اُن کی وجہ سے ہر تاریک فتنہ زائل ہو جاتا ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ایک مشہور صحابی ہیں ان کو ایک مرتبہ خیال اپنی بڑائی کا خیال آگیا حضورؐ نے تنبیہ فرمائی اور یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ اس اُمت کی مدد ضعفا ہی سے فرماتے ہیں۔ اُن کی نماز کی وجہ سے اُن کی دعا کی وجہ سے ان کے خلوص

کی وجہ سے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ اللہ جل جلالہ تمہارے بدن اور تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتے بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتے ہیں اس لیے کہ عمل کیا جا رہا ہے وہ کس نیت اور کس ارادہ سے ہے، حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے جو پہلے بھی قریب ہی گزر چکا ہے۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

ترجمہ۔ جو شخص (اپنے اعمالِ خیر سے) محض دنیوی زندگی (کی منفعت) اور اس کی رونق چاہتا ہے تو ہم ان لوگوں کے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں دے دیتے ہیں اور ان کے لیے دنیا میں (بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو) کچھ کمی نہیں کی جاتی اور ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں بجز جہنم کے کچھ نہیں ہے اور انہوں نے جو اعمال کیے وہ آخرت میں بے کار اور بے اثر ثابت ہوں گے۔

متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے کہ جس شخص کا اہم مقصد محض دنیا ہوتی ہے حق تعالیٰ شانہ اس کے کاموں کو پریشان کر دیتے ہیں اور اس کے فقر کو آنکھ کے سامنے کر دیتے ہیں کہ ہر وقت اسی کے فکر میں مبتلا رہتا ہے اور جس شخص کا مقصد آخرت ہوتا ہے اس کو جمعیت نصیب فرماتے ہیں اس کے دل میں غنا عطا فرماتے ہیں اور دنیا ذلیل ہو کر اس کے پاس پہنچتی ہے۔ ایک حدیث میں خود حق تعالیٰ شانہ کا فرمان نقل کیا گیا ہے کہ اے آدم کے بچے تو میری عبادت کے لیے فراغت حاصل کر میں تیرے سینے کو غنا سے بھر دوں گا اور تیرے فقر کو دور

کر دوں گا ورنہ تیرے سینہ کو مشاغل سے بھر دوں گا اور فقر دور نہ کروں گا۔ ترغیب
اس لئے جن لوگوں کی نیت محض دنیوی اغراض ہیں اور ساری جد و جہد کا حصول
یہی بے کار منافع ہیں وہ یقیناً اپنے قیمتی اوقات کی اضاعت کرتے ہیں۔
حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے
کہ اس امت کو بلندی اور دینداری اور علو مرتبہ اور زمین پر قبضہ کی بشارت
دے دو کہ یہ چیزیں اس امت کو حاصل ہوں گی، لیکن جو شخص آخرت کا
عمل دنیا کے واسطے کرے گا اس کا آخرت میں کچھ بھی حصہ نہیں ہے۔

ایک صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں کسی
کام میں کھڑا ہوتا ہوں تو اللہ جل شانہ کی رضا کا بھی ارادہ کرتا ہوں اور یہ
بھی خیال ہوتا ہے کہ میرا مرتبہ بھی ظاہر ہو۔ حضورؐ نے سکوت فرمایا کوئی جواب
نہیں دیا حتیٰ کہ قرآن پاک کی آیت فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا
صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا نازل ہوئی۔ پس جو شخص اپنے رب سے
ملنے کی آرزو رکھے تو نیک عمل (شریعت کے موافق) کرتا رہے اور اپنے رب
کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص ریا اور
شہرت کے واسطے عمل کرتا ہے حق تعالیٰ شانہ قیامت کے دن اس کو مشہور
کریں گے (یعنی اس بدنیتی کی شہرت کریں گے) اور اس کو حقیر اور ذلیل
کریں گے۔

حدیث میں آیا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ
مجھے سب سے زیادہ جس چیز کا ڈر اور خوف ہے وہ شرک اصغر ہے یعنی ریا

نے عرض کیا یا رسول اللہ شرک اصغر کیا چیز ہے۔ ارشاد فرمایا ریاکاری (دکھاوا) قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہ ایسے لوگوں کو ارشاد فرمائیں گے کہ جن لوگوں کے دکھانے کے لئے اعمال کئے تھے انہیں سے جا کر بدلہ اور ثواب لے لو (ترغیب)

اور احادیث بھی بکثرت اس نوع کی وارد ہوئی ہیں جن سے بتواتر یہ مضمون ثابت ہوتا ہے کہ جن اعمال حسنہ کی غرض شہرت و وجاہت ہوتی ہے یا کوئی مال و متاع مقصود ہوتا ہے اور اللہ جل جلالہ کی رضا ان سے مقصود نہیں ہوتی وہ سب بے کار جاتے ہیں بلکہ بجائے خیر کے شر کو پیدا کرتے ہیں ابھی جہاد کے مضمون میں بھی اس قسم کی روایات کا کچھ حصہ پہلے گزر چکا ہے جن میں یہ وارد ہوا ہے کہ جس جہاد سے مقصود شہرت یا دنیوی متاع ہوتا ہے وہ مقبول نہیں ہوتا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کو ایک صحابی گزرے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ان کے بدن کی تاقت (قوت) اور نشاط کو دیکھ کر فرمانے لگے۔ اگر (قوت و نشاط کی) یہ حالت اللہ کے راستہ (جہاد) میں ہوتی تو کیا ہی اچھا تھا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا اگر یہ شخص اپنے چھوٹے بچوں کی خاطر کے لئے نکلا ہے تو وہ بھی اللہ کا راستہ ہے اور اگر بوڑھے والدین کی مدد کے لئے نکلا ہے تو وہ بھی اللہ کا راستہ ہے۔ اگر اپنے نفس کی ضرورت پورا کرنے کے لئے اور اُس کو حرام سے بچانے کے لئے نکلا ہے تو وہ بھی اللہ کا راستہ ہے۔ البتہ اگر شہرت اور تفاخر کے لئے نکلا ہے تو وہ شیطان کا راستہ ہے۔ (ترغیب)

اس حدیث سے اور ان جیسی احادیث سے یہ بھی واضح ہے کہ لقمہ

کا راستہ صرف تہجد میں یا نوافل میں یا دوسری عبادات میں منحصر نہیں بلکہ ضروری اعمال و عبادات کرنے کے بعد جو کام بھی نیک نیتی سے کیا جائے اللہ کی رضا اُس میں مقصود ہو اداءِ حقوق اُس کی غرض ہو وہ سب اللہ ہی کا راستہ ہے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دینداری صرف عبادات میں مشغولی کا نام ہے اور دنیاداری کے کاموں میں مشغول ہونا اس کے منافی ہے وہ غلطی پر ہیں۔ معتبر علماء میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ اسبابِ معیشت کو حاصل نہ کیا جائے یا ترک کر دیا جائے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اُن کو دُنیا کی غرض سے نہ کیا جائے۔ اُن کو بھی اللہ ہی کی رضا کے واسطے اُس کے مقرر کئے ہوئے حقوق کے واسطے حاصل کیا جائے۔ وجاہت، تفاخر، تکبر اور لوگوں کی نگاہ میں بڑائی حاصل کرنے کے واسطے نہ کیا جائے۔ مگر اس سب کے باوجود دوسری جانب بھی قابل لحاظ ہے۔ وہ یہ کہ ہر شخص کو خدا حب غرض سمجھنا یہ بھی اسلامی تعلیم کے منافی ہے۔ اللہ جل جلالہٗ کا ارشاد ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ (سورہ حجرات رکوع ۲)

اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچا کرو اس لئے کہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں اور (کسی کے عیب کا) تجسس بھی نہ کیا کرو اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے۔ ہم لوگوں کی عام حالت یہ ہے کہ جو شخص ہماری مرضی کے موافق کام کرتا ہے وہ مخلص ہے متقی ہے پرہیزگار ہے۔ لیکن جوں ہی وہ ہماری رائے کے خلاف کوئی کام کر گزرتا ہے وہ ٹوڈی بنے انگریز پرست

ہے یا ہندو پرست ہے، خود غرض ہے، نفس پرست ہے، غدارِ قوم ہے،
مکار ہے، دغا باز ہے، وہ انگریزوں کا وظیفہ خوار ہے یا کانگریس کا تنخواہ دار
ہے۔ غرض یہ کہ دُنیا بھر کے عیوب اُس میں جمع ہو جاتے ہیں۔ اس کے اصلی
عیوب کو طشت از بام کیا جاتا ہے، اس میں فرضی عیوب پیدا کیے جاتے ہیں
حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص مسلمان کی عیب پوشی
کرتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ قیامت میں اس کی عیب پوشی کریں گے، اور جو شخص
مسلمان کی پردہ دری کرتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ اس کی پردہ دری کرتے ہیں
حتیٰ کہ وہ اپنے گھر میں (چھپ کر) کوئی عیب کرتا ہے تب بھی اس کو فضیحت
کرتے ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
منبر پر تشریف فرما ہوئے اور بلند آواز سے ارشاد فرمایا اے وہ لوگو جن
کی زبان پر اسلام ہے اور اُن کے دلوں تک ایمان نہیں پہنچا۔ تم مسلمانوں
کو نہ ستاؤ اور اُن کے عیوب کے درپے نہ ہو۔ جو شخص مسلمان کے عیب کے
درپے ہوتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ اس کی پردہ دری فرماتے ہیں اور جس کے عیب
کو اللہ جل شانہٗ کھولتے ہیں اس کو گھر کے اندر کیے ہوئے کام میں بھی رسوا
کر دیتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک مرتبہ بیت اللہ شریف کو
دیکھا اور دیکھ کر فرمایا کہ تو کتنا بابرکت اور باعظمت گھر ہے لیکن اللہ کے
نزدیک مسلمان کی حرمت تجھ سے کہیں زیادہ ہے۔ (ترغیب)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اپنے بھائی کی کسی مصیبت پر اظہارِ مسرت نہ

خوشی نہ کر، اگر ایسا کرے گا، تو حق تعالیٰ شانہٗ اُس پر رحم فرما کر تجھے اس مصیبت میں مبتلا فرما دیں گے (ترغیب)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ لوگ ہیں جو خوش اخلاق ہوں، اپنے بازوؤں کو نرم کرنے والے ہوں (یعنی ذرا ذرا سی بات پر اکڑنے اور آستینیں سونتنے والے نہ ہوں) الفت کرنے والے ہوں اور دوسروں کے درمیان الفت پیدا کرنے والے ہوں اور مجھے سب سے زیادہ ناپسند اور میرے نزدیک زیادہ مبغوض وہ لوگ ہیں جو چغلخوری کرنے والے ہوں۔ دوستوں میں تفریق اور اختلاف پیدا کرنے والے ہوں اور جو لوگ بری ہوں اُن کے لئے عیب جوئی کرنے والے ہوں (ترغیب)

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص تجھے کسی ایسے عیب سے رسوا کرے جو تجھ میں ہے تو تو اس کے جواب میں بھی ایسے عیب سے اُس کو رسوا نہ کر جو اُس میں ہے۔ تجھے اُس کا اجر ملے گا اور اُس کے کہنے کا وبال اُس پر رہے گا (ترغیب)

حضورؐ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آپس میں قطع تعلقات نہ کرو۔ ایک دوسرے سے پشت نہ پھیرو۔ آپس میں بغض نہ رکھو۔ ایک دوسرے پر حسد نہ کرو۔ آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔ کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ ترکِ کلام کرے (ترغیب)

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں ہر دوشنبہ اور پنجشنبہ

کو اعمال کی پیشی ہوتی ہے اور ہر اُس شخص کے لئے مغفرت کی جاتی ہے جو شرک نہ کرتا ہو۔ البتہ جن دو شخصوں میں کینہ اور عداوت ہو ان کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ اُن کو ابھی رہنے دو جب تک آپس میں صلح نہ کریں۔ (بخاری ترغیب)

حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی کو کافر یا اللہ کا دشمن کہہ کر پکارے اور وہ ایسا نہ ہو تو یہ کلمہ کہنے والے پر لوٹ جاتا ہے (بخاری ترغیب)

حدیث میں آیا ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ مسلمان کو گالی دینے والا اپنی ہلاکت کا سامان کرنے والا ہے (ترغیب)

حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی کا ایسی بات کے ساتھ ذکر کرے جو اُس میں نہیں ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ اُس کو جہنم میں مقید فرما کر کہیں گے کہ اپنے کہے ہوئے کو سچا کر (ترغیب)

ایک حدیث میں وارد ہے کہ اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں جن کو دیکھ کر اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہو اور بدترین بندے وہ ہیں جو چغلخوری کرنے والے ہوں۔ دوستوں کے درمیان تفریق پیدا کرنے والے ہوں اور ایسے لوگوں کے لئے عیوب تلاش کرنے والے ہوں جو ان سے بری ہیں (ترغیب)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں خطبہ پڑھا اور اُس میں اعلان فرمایا کہ تم لوگوں کے خون اور آبروئیں اور مال تم پر ہمیشہ کے لئے ایسے ہی حرام ہیں جیسا کہ آج اس محترم شہر، محترم مہینہ اور محترم دن میں ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر جان وماں

اور آبرو حرام ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ بڑے سے بڑے سُود کے حکم میں ہے مسلمان کی آبرو ریزی کرنا۔ اس مضمون میں کئی حدیثیں مختلف الفاظ سے ذکر کی گئی ہیں جن میں سے بعض احادیث کا تذکرہ پہلے بھی آچکا ہے۔ مگر ہم لوگوں کے یہاں مسلمان کی آبرو ریزی اس قدر سہل ہے کہ معمولی سی بات پر بلکہ محض گمان اور احتمال پر اُس کی آبرو ریزی میں ذرا بھی جھجک نہیں ہے۔ اللہ کے نزدیک مسلمان کی آبرو اتنی بڑی چیز ہے کہ اُس کو بدترین سُود فرمایا ہے۔ اور بہت ہی کثرت سے یہ مضمون احادیث میں وارد ہوا ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ بدترین سُود کسی مسلمان کو دوسرے پر گالیوں کے ساتھ ترجیح دینا ہے (جامع) یعنی ایک کے وقار کو گالیاں دے کر گرایا جائے تاکہ دوسرے کے وقار کو بڑھایا جائے۔ آج انصاف اور غور سے دیکھا جائے کہ جتنی جماعتیں بھی ہم لوگوں میں قائم ہیں سیاسی ہوں یا غیر سیاسی ہر جماعت کے کتنے افراد ایسے ہیں جو دوسری جماعت کے اکابر کو خواہ وہ علما ہوں یا لیڈر صرف اس لئے بُرا بھلا کہتے ہیں کہ ان کا وقار گرایا جائے اور اپنی جماعت کا وقار بڑھایا جائے اور پھر لطف یہ ہے کہ ہر شخص اس کو بُرا بھی سمجھتا ہے اور بُرا کہتا بھی ہے۔ دوسروں کی اس بات کی شکایت کرتا ہے کہ وہ گالیاں دیتے ہیں بُرا بھلا کہتے ہیں لیکن اپنے گریبان میں منہ ڈال کر نہیں دیکھتا۔ اپنی جماعت کے لوگوں کے اقوال و افعال کو نہیں دیکھتا۔ یہ کوئی نہیں سوچتا ؎

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے یُبْصِرُ اَحَدُکُمُ الْقَذٰی فِیْ عَیْنِ اَخِیْہِ وَیَنْسَی الْجِذْعَ فِیْ عَیْنِہٖ (جامع) تم میں بعض آدمی دوسرے کی آنکھ کا تنکا دیکھتے ہیں اور اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ اس بات کو غور سے سنو یہ بات نہایت اہم اور ضروری ہے کہ مسلمان کی آبروریزی اللہ کے نزدیک سخت ہے اور بہت ہی سخت وعیدیں اس بارے میں آئی ہیں۔ حضورؐ کا ارشاد ہے مسلمان کی آبرو میں بغیر حق کے زبان درازی بدترین سُود ہے (جامع) بغیر حق کا مطلب یہ ہے کہ جہاں شریعت نے اجازت دی ہے وہاں جائز ہے اور جہاں جائز نہیں وہ بغیر حق کے ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ سُود کا کمتر درجہ ایسا ہے جیسے اپنی ماں سے صحبت کرنا اور بدترین سُود مسلمان کی آبروریزی کرنا ہے (جامع) ایک حدیث میں ہے کہ سُود کے بہتّر دروازے ہیں جن میں سب سے کم درجہ ایسا ہے جیسا اپنی ماں سے صحبت کرنا اور سب سے بڑھا ہوا سُود مسلمان کی آبروریزی میں زبان درازی ہے (جامع) ایک حدیث میں ہے کہ سُود کے تہتّر دروازے ہیں جن میں سب سے ہلکا ایسا ہے جیسے اپنی ماں سے صحبت کرنا اور سب سے بڑھا ہوا سُود مسلمان کی آبرو ہے۔ یعنی اُس کی آبروریزی کرنا۔ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ مومن کی آبروریزی کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور ایک گالی کے بدلہ میں دو گالیاں دینا بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے (جامع) ایک حدیث میں ہے کہ جب میری اُمت ایک دوسرے کو آپس میں گالیاں دینے لگے گی تو اللہ کی نگاہ سے گر جائے گی (رسالہ تبلیغ)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو اس بارہ میں اہتمام یہاں تک ہے کہ
جماعت کے بڑوں سے معمولی لغزشوں کو نظر انداز کرنے کا بھی حکم ہے
چنانچہ ارشاد ہے أَقِيلُوا ذَوِي الْهَيْئَاتِ عَثَرَاتِهِمْ إِلَّا الْحُدُودَ
ذی وجاہت لوگوں سے حدود کے سوا ان کی لغزشوں سے درگزر کیا کرو۔
یعنی اگر کوئی حد یعنی زنا، چوری وغیرہ کا شرعی ثبوت ان پر ہو جائے تو
دوسری بات ہے کہ ان چیزوں کے ثبوت کے بعد تو کسی کی بھی رعایت
نہیں ہے۔ ان کے علاوہ ان کی معمولی لغزشوں سے درگزر کیا کرو۔ اور
حدود کے بارہ میں بھی جب تک شرعی ثبوت نہ ہو اُس وقت تک کسی کو محض
بدگمانی یا ذاتی مخالفت پر متہم کرنا جائز نہیں۔ سورہ نور میں قرآن کا زنا
کے بارے میں صاف فیصلہ ہے کہ اگر یہ لوگ چار عینی شاہد نہ لائیں تو
یہ خدا (شرعی قواعد) میں، جھوٹے ہیں۔ لیکن ہماری یہ حالت ہے کہ جس سے
مخالفت ہو اُس کے متعلق جیسا چاہے گندہ سے گندہ کارنامہ گھڑ لو۔
جس قدر شرمناک مضمون چاہو اُس کے متعلق کہہ دو۔ زانی اور شرابی کہہ دینا
تو ایک معمولی سی بات ہے۔ شریعت کا قانون یہ ہے کہ جب تک شرعی ثبوت
نہ ہو تہمت لگانے والوں کے اسّی اسّی کوڑے حد قذف (تہمت) لگاؤ لیکن
ہمارے یہاں الزام لگانے کے واسطے کسی شرعی شہادت کی ضرورت نہیں
حالانکہ کسی صحیح الزام کے قائم کرنے کے واسطے بھی ایسے عادل گواہوں کی
ضرورت ہے جن کی عدالت کا حال محقق ہو چہ جائیکہ خود ہی اپنی طرف سے افترا
کیا جائے۔ حضور کا ارشاد ہے کہ شیطان بھی کبھی آدمی کی صورت میں ظاہر

ہو کر کوئی جھوٹی بات کہہ دیتا ہے۔ مجمع اُس کو سنتا ہے اور پھر وہ مجمع متفرق
ہو کر اُس کو کہنے لگتا ہے کہ میں نے خود . . . . ایک آدمی سے ایسا سُنا ہے
میں اُس کا نام تو جانتا نہیں صورت پہچانتا ہوں (مشکوٰۃ بروایۃ مسلم)

اس لئے محض کسی جلسہ میں کسی مجمع میں کسی نامعروف آدمی سے کوئی
بات سُن کر اُس کا یقین کر لینا بھی زیادتی ہے تاوقتیکہ شرعی قواعد سے ثابت
نہ ہو۔ البتہ ایسے شخص کے متعلق احتیاط کرنا انتظاماً اُس سے علیحدہ رہنا یا
اُس کو علیحدہ کر دینا یہ امر آخر ہے۔ مگر اُس پر حکم لگانا امر آخر ہے۔ اس
کو غور سے سمجھ لینا چاہیئے کہ کسی شخص سے علیحدہ رہنا یا اُس کو علیحدہ کر دینا
یہ انتظاماً، سیاستہً، احتیاطاً بھی ہو سکتا ہے مگر اُس پر کسی الزام کو ثابت
کر دینا یہ شرعی ثبوت ہی کا محتاج ہے اور یہ فرضی الزامات عموماً انفرادی
اور جماعتی حسد سے پیدا ہوتے ہیں کہ دوسرے کا بڑھتے ہوئے دیکھنا گوارا
نہیں ہوتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کینہ اور حسد نیکیوں کو ایسا
کھا جاتے ہیں جیسے کہ آگ ایندھن کو کھا لیتی ہے (جامع)، حالانکہ یہ لوگ
جو محض بدگمانیوں سے دوسروں کے ذمہ الزام تراشتے ہیں۔ اگر نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو غور سے دیکھیں تو اُن کو معلوم ہو جائے
کہ ان حالات سے اپنا بھی نقصان کرتے ہیں کہ جس قسم کا معاملہ یہ دوسروں
کے ساتھ کرتے ہیں ویسا ہی ان کے ساتھ بھی کیا جائے گا۔ حضور کا
ارشاد ہے۔ کَمَا تَدِیْنُ تُدَانُ (مقاصد حسنہ) جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

ایک حدیث میں وارد ہے کہ بھلائی اور نیکی پرانی نہیں ہوتی اور گناہ بھلایا نہیں جاتا اور دیان (بدلہ دینے والی ذات یعنی حق تعالیٰ شانہٗ) کے لئے موت نہیں (وہ حی و قیوم ہے، ہر شخص کے ہر عمل کو دیکھتا ہے) جیسے چاہو عمل کرلو۔ جیسا کروگے ویسا ہی بھروگے۔

ایک حدیث میں تورات سے یہ مضمون نقل کیا گیا ہے کہ جیسا کروگے ویسا ہی بدلہ پاؤگے اور جس پیالہ سے دوسرے کو پلاؤگے اسی پیالہ سے پیوگے (منتخب کنز)۔ ایک حدیث میں انجیل سے نقل کیا گیا ہے کہ جیسا کروگے ویسا ہی بھروگے اور جس ترازو سے تول کر دوگے اسی ترازو سے تول کر تم کو دیا جائے گا (جامع الصغیر)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی مدد سے ایسے وقت میں دست برداری کرتا ہے جس وقت اس کی اہانت کی جارہی ہو۔ اس کی آبروریزی کی جارہی ہو تو حق تعالیٰ شانہٗ ایسے وقت میں اس کو بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے جس وقت یہ خود مدد کا ضرورت مند ہوگا۔ اور جو کسی مسلمان کی مدد ایسے وقت میں کرے گا جب کہ اس کی آبروریزی کی جارہی ہو اور اس کی اہانت کی جارہی ہو تو حق تعالیٰ شانہٗ اس شخص کی ایسے وقت میں مدد فرمائیں گے جس وقت کہ اس کو مدد کی ضرورت ہو (مشکوٰۃ)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں ان کا ایک طویل قصہ حدیث کی کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے جس کے اخیر میں یہ مضمون ہے کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے کچھ وصیت فرمائیے

حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں یہ تمام چیزوں کے لئے زینت ہے اور حقیقت میں جو شخص حرام میں اللہ سے ڈرتا ہے تو پھر وہ کسی عیب یا معصیت میں گرفتار ہو ہی نہیں سکتا، انہوں نے عرض کیا کوئی اور بات بھی فرما دیجئے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تلاوت قرآن اور اللہ کے ذکر کی کثرت رکھا کرو کہ یہ آسمانوں میں تمہارے ذکر تذکرے کا سبب ہے اور زمین میں تمہارے لئے انوار کی کثرت کا سبب ہے۔ انہوں نے اور اضافہ چاہا تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اکثر چپ رہا کرو کہ یہ شیطان کے دفعیہ کا سبب ہے (کہ زبان کی بدولت وہ بہت سے ہلاکت کے مواقع میں پھنسا دیتا ہے) اور چپ رہنا دینی کاموں کے اہتمام میں معین ہے (کہ جس شخص کو فضول گوئی کا مرض ہوتا ہے بہت سے دینی کاموں سے محروم رہتا ہے) انہوں نے اور اضافہ چاہا تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ زیادہ ہنسنے سے احتراز کیا کرو کہ اس سے دل مرجاتا ہے اور چہرہ کی رونق زائل ہو جاتی ہے۔ انہوں نے اور زیادتی چاہی تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ حق بات کہو چاہے کڑوی ہی معلوم ہو۔ انہوں نے اور اضافہ چاہا تو حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ کے بارے میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کرو اور پھر اضافہ کی درخواست پر ارشاد فرمایا کہ اپنے عیوب پر نظر کرنا تمہیں دوسروں کے عیوب پر نظر کرنے سے روک دے (مشکوٰۃ)

بر اخیر کلام میرا اس تجربہ مقصود ہے کہ ہم لوگ ہر وقت دوسروں کے عیوب کی فکر میں رہتے ہیں۔ اگر ہمیں اپنے عیوب پر نظر کا چسکہ پڑ جائے تو

نہ دوسروں کے عیوب دیکھنے کی فرصت ملے نہ زبان کو کھیلانے کی ہمت پڑے کہ ہر وقت اپنے عیوب کا فکر دامنگیر رہے ؎

مرا پیر دانائے مرشد شہاب دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش دگر آنکہ بر غیر بد بیں مباش

(شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت معاذؓ کو ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چند نصیحتیں فرمائیں اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ان سب کا ملک (یعنی جس چیز سے ان پر قدرت اور عمل سہل ہو جائے) بتاؤں۔ انہوں نے عرض کیا ضرور بتا دیجئے۔ حضورؐ نے زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ ہے (یعنی اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔ مشکوۃ) حضرت معاذؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم اپنی زبانوں کی وجہ سے بھی ماخوذ ہوں گے حضورؐ نے فرمایا کیا آدمی کو جہنم میں ناک کے بل زبان کی لان کے سوا اور کوئی چیز بھی ڈالتی ہے (احمد۔ مشکوۃ)

زبان کی لان سے مراد یہ ہے کہ جیسے درانتی کھیتی کو کاٹ کر ایک جگہ جمع کرتی رہتی ہے ایسے ہی یہ زبان کی قینچی بھی باتوں کو کتر کتر کے ایک جگہ (اعمال نامہ میں) جمع کرتی رہتی ہے۔ حق یہ ہے کہ ہم لوگ جہاں دین کے اور بہت سے امور میں بے پروائی کو کام میں لاتے ہیں۔ زبان کے مسئلہ سے بھی بہت بے فکر ہیں۔ حالانکہ زبان کا مسئلہ ان میں بہت ہی اہم ہے مگر ہماری زبانیں ذرا بھی قابو میں نہیں ہیں ہر شخص پر بے دھڑک جو دل چاہتا ہے الزام لگا دیتے ہیں۔ دل میں اس کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ جو الزام دوسرے پر تھوپ رہا ہے کسی وقت ایک بڑے حاکم کی عدالت میں اس کا ثبوت بھی

اپنے ہی ذمہ ہے۔ ہم لوگوں کی حالت یہ ہے کہ نہایت بے باکی سے جس کو دل
چاہے انگریزوں کا وظیفہ خوار اور سی۔آئی۔ڈی کہہ دیتے ہیں اور جس کو دل
چاہے کانگریس کا نوکر اور مزدور بتا دیتے ہیں۔ اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے
وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ
مَسْئُولًا وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ
طُولًا كُلُّ ذَٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ۝ ذَٰلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ
إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ۔ (پ بنی اسرائیل ع ۵)

جس بات کا تجھ کو علم نہ ہو اُس کے پیچھے نہ لگ۔ بے شک کان آنکھ اور
دل ہر ایک کا ان میں سے (قیامت کے دن) سوال کیا جائے گا اور زمین پر
اتراتا ہوا نہ چل کہ تو (زمین پر زور سے پاؤں رکھ کر) نہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے
اور نہ (بدن کو تان کر) پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتا ہے۔ یہ سارے برے کام
آپ کے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں۔ یہ سب باتیں منجملہ اُس حکمت کے
ہیں جو خدا تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے آپ پر بھیجی ہے۔ اس آیت شریفہ
میں کان، آنکھ، دل ہر ایک چیز کے متعلق احتیاط کا حکم ہے۔ دل میں بھی
بے تحقیق بات کو جگہ دینا ظلم ہے۔ اس لئے ہر اس شخص کو جو اپنی رائے
کے خلاف رائے رکھتا ہو خود غرض بتا دینا یا جاہ اور حب مال کا
مجرم و ملزم بنا دینا بڑی سخت ذمہ داری ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ اس کے
نزدیک دین کے لحاظ سے یا مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے واسطے یہی
صورت مناسب اور ضروری ہو جو وہ اختیار کر رہا ہے۔ ہاں اگر غلطی سے

نزدیک وہ خطرناک صورت ہے اور نہایت نقصان دہ۔ لیکن اوّل تو تمہارے پاس بھی وحی نہیں ہے کہ جو راستہ تمہارا ہے وہی حق ہے خطا اور ثواب کا احتمال ہر جانب ہے۔ دوسرے اگر مان بھی لیا جائے کہ یہی راستہ متعین ہے تب بھی یہ ضروری نہیں کہ دوسرے شخص نے غلط راستہ بد دیانتی اور خود غرضی سے ہی اختیار کیا ہے۔ خطا اجتہادی سے بھی ممکن ہے۔ اس لئے تم پر ضروری ہے کہ اُس کو سمجھاؤ۔ اور اُن اخلاقِ اسلامی سے جو ایک مسلمان کے شایانِ شان ہیں اُس کو اپنا ہمنوا بناؤ نہ یہ کہ جھوٹے سچے عیوب اُس پر چسپاں کرو، اور ہر وقت بہتان و غیبت میں مبتلا رہو اور اس کے درپے آزار رہو۔ اللہ جل جلالہٗ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا (الاحزاب) "اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بدون اس کے کہ انہوں نے کوئی ایسا کام کیا ہو جس سے وہ سزا کے مستحق بن جائیں، ایذا دیتے ہیں وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ جانتے بھی ہو مفلس کون شخص ہے۔ صحابہ نے عرض کیا ہم میں تو مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس نہ نقدی ہو نہ سامان۔ حضورؐ نے فرمایا میری اُمت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن بہت سی نماز روزے اور زکوٰۃ

وغیرہ عبادات لے کر پہنچے لیکن کسی کو گالیاں دی تھیں کسی پر بہتان لگایا تھا کسی کا مال ناحق کھا لیا تھا، کسی کا خون بہایا تھا، کسی کو مارا تھا اس لیے کچھ نیکیاں اُس نے لے لیں اور کچھ اِس نے لے لیں اور جب نیکیاں ختم ہو گئیں اور مطالبے باقی رہ گئے تو اُن مطالبوں کے بقدر صاحب حق کے گناہ اس پر ڈال دیئے گئے۔ حقیقت میں اصل مفلس یہی شخص ہے کہ نیکیوں کا کتنا بڑا انبار و متاع لے کر پہنچا لیکن ملا یہ کہ دوسروں کے گناہ بھی اپنے اُوپر پڑ گئے۔

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو غیبت کیا چیز ہے۔ صحابہ نے عرض کیا اللہ و رسولہ اعلم اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کسی شخص کی ایسی بات کرنا جو اُس کو ناگوار ہو۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر واقعی اُس میں وہ عیب ہو۔ حضورؐ نے فرمایا جب ہی تو غیبت ہے۔ اگر وہ عیب نہ ہو اور پھر کہا جائے تو یہ غیبت نہیں بہتان ہے (ترغیب)۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ یہ کہنا محض عیب جوئی کی غرض سے ہو تب حرام اور گناہ ہے۔ اور اگر کوئی دینی ضرورت اور مصلحت اُس کے عیب کے اظہار کی مقتضی ہو تو مضائقہ نہیں لیکن کسی ایسی بات کا کہنا جو واقعہ میں اُس میں موجود نہیں ہے وہ کسی حال بھی جائز نہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے جو شخص کسی مسلمان کو ایسی بات کہے جو اس میں نہیں ہے تو حق تعالیٰ شانہ اُس کو جہنم کے اُس حصہ میں قید کر دیں گے جہاں اہل جہنم کا پسینہ اور پیپ وغیرہ جمع ہوتا ہو (ترغیب) درحقیقت

ہم لوگوں کی زبانیں قابو میں نہیں ہیں جس شخص کے متعلق جو چاہے بے تکلف حکم لگا دیتے ہیں حالانکہ زبان کی حفاظت بہت ہی زیادہ اہم ہے ۔

ایک صحابی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ مجھے کوئی ایسی چیز بتا دیجئے جس کو مضبوط پکڑ لوں ۔ حضورؐ نے زبان کی طرف اشارہ فرمایا کہ اس کا کہنا مانا رہ ۔ ایک دوسرے صحابی نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ کس چیز سے بچوں ۔ حضورؐ نے فرمایا زبان سے (ترغیب ، حدیث میں آیا ہے کہ جو لوگ آدمیوں کا مذاق اُڑاتے ہیں ان کے لئے قیامت میں جنت کا ایک دروازہ کھولا جائے گا اس میں سے اُن کو ہر ایک کو آوازیں دی جائیں گی کہ جلدی آجا جلدی آجا ۔ جب وہ اُس تکلیف اور مصیبت کی وجہ سے جس میں وہ مبتلا ہو گا بڑی دقت سے دروازہ کے قریب پہنچے گا وہ دروازہ فوراً بند کر دیا جائے گا اور دوسری طرف ایک دروازہ کھل جائے گا اور وہاں سے اسی طرح بلانے کی آوازیں آئیں گی اور جب وہ بڑی مشقت سے اُس دروازہ کے قریب پہنچے گا تو وہ بھی بند ہو جائے گا اور تیسرا دروازہ اسی طرح کھلے گا یہی معاملہ اُس کے ساتھ رہے گا ۔ حتیٰ کہ وہ مایوس ہو کر اُس کھلے ہوئے دروازہ کی طرف جانے کی بھی ہمت نہ کرے گا (ترغیب) یہ بدلہ ہے اُس کے مسلمانوں کے ساتھ مخول اور مذاق کرنے کا کہ اس کے ساتھ بھی مذاق کا معاملہ کیا جائے گا ۔ جو لوگ معمولی سی مخالفت پر مسلمانوں کا مذاق اُڑاتے ہیں ان کے کارٹون شائع کرتے ہیں ان کی ہجو میں قصائد لکھتے ہیں وہ کبھی خلوت میں بیٹھ کر اپنے حشر کا بھی غور کریں ۔ مسلمان کے عقیدہ کے موافق

معاملہ اس دُنیا ہی میں ختم ہونے والا نہیں۔ ہر بات اعمالنامہ میں محفوظ ہے اور اللہ کی سچی خفیہ پولیس مسلط ہے مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (ق)۔ کوئی لفظ (آدمی) منہ سے نکالنے نہیں پاتا مگر اس کے پاس ایک تاک لگانے والا (فرشتہ موجود ہوتا) ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ (یونس ع ۲) بے شک ہمارے قاصد (فرشتے) تمہاری چالوں کو لکھ رہے ہیں۔ کس قدر غور کا مقام ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیم مسلمان کے لئے یہ تھی۔ اِذَا سَبَّكَ رَجُلٌ بِمَا يَعْلَمُ مِنْكَ فَلَا تَسُبَّهُ بِمَا تَعْلَمُ مِنْهُ فَيَكُونُ أَجْرُ ذَالِكَ لَكَ وَبَالُهُ عَلَيْهِ كَذَا فِي الْجَامِعِ (جب کوئی شخص تجھے ایسے عیب کے ساتھ بدنام کرے جو اس کو تیرے اندر معلوم ہے تو تو اُس کو ایسے عیب سے بدنام نہ کر جو اس میں تجھے معلوم ہے اس صورت میں تیرے لئے اجر ہے اور اُس کے لئے وبال ہے)۔

مگر ہم لوگ عیب لگانے کے لئے، بدنام کرنے کے لئے، انتقام لینے کے لئے اس کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے کہ اُس میں وہ عیب واقعی طور پر موجود ہو بلکہ سراسر افترا کرتے ہیں اور عیوب کو گھڑتے ہیں۔ یہ ہے ہمارا تعلیمات اسلام پر عمل۔ ایسی حالت میں ہم لوگ اپنے مخالف سے انتقام نہیں لیتے بلکہ اسلام کو بدنام کرتے ہیں۔ دوسرے دیکھنے والوں کو کیا معلوم ہے کہ ہمارے یہ اعمال اسلامی تعلیم نہیں ہیں بلکہ اُس کے منافی ہیں۔ کسی اجنبی دیکھنے والے کو کیا معلوم ہو سکتا ہے کہ ہماری اسلامی تعلیم کیا ہے اور ہم اپنی تعلیم سے کتنی دُور جا پڑے ہیں۔ اجنبی لوگ اسلام کی تصویر ہم لوگوں کو سمجھتے ہیں اور ان کو

سمجھانا بھی چاہئے۔ لیکن ان کو کیا خبر ہے کہ ہم لوگ اپنی تعلیم پر عمل تو درکنار اس کو معلوم کرنے کی بھی کوشش نہیں کرتے۔ ہم کو اپنے دین، اپنے مذہب، اپنی اسلامی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معمولات اور معاملات معلوم کرنے کی بھی فرصت نہیں چہ جائیکہ ان پر عمل کریں۔ ہمارا دین روٹی بن گیا، ہمارا مذہب پیسہ بن گیا۔ ہمارا کمال دنیا جیسی ذلیل چیز کی وجاہت بن گئی۔ ہم اپنی عزت و وقار حاصل کرنے کے لئے یا اور کسی دنیوی فاسد غرض حاصل کرنے کے لیے کسی کی آبروریزی میں تامل نہیں کرتے، جھوٹ بولنے سے نہیں جھجکتے، جھوٹی قسم کھا لینے میں باک نہیں کرتے حالانکہ کبھی مسلمان اور جھوٹ میں تضاد کی نسبت تھی۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے تو رحمت کے فرشتے اُس کے منہ کے تعفن اور بدبو سے ایک میل کے فاصلہ پر چلے جاتے ہیں (مشکوٰۃ) گویا اس کی عفونت و سڑاہند اتنی دور تک پھیلتی ہے۔

ایک شخص نے حضور سے دریافت کیا کہ کیا مومن نامرد و بزدل ہو سکتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہاں ہو سکتا ہے۔ اُنہوں نے دریافت کیا کیا مومن بخیل ہو سکتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہو سکتا ہے۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ مومن جھوٹا ہو سکتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ نہیں (مومن جھوٹا نہیں ہو سکتا (مشکوٰۃ)۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ارشاد ہے کہ اپنے آپ کو جھوٹ سے بچاؤ کیونکہ جھوٹ ایمان سے دور رہتا ہے (درمنثور)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی عادت جھوٹ

سے زیادہ ناپسند نہیں تھی۔ جب کسی کا جھوٹ بولنا معلوم ہوتا تو اُس وقت تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس سے گرانی رہتی جب تک توبہ کا علم نہ ہوجاتا (در)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ بہترین شخص کون ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہر مخموم (صاف) دل والا اور سچی زبان والا۔ ہم نے عرض کیا کہ سچی زبان تو معلوم ہے لیکن مخموم دل سے کیا مراد ہے۔ حضور نے فرمایا وہ شخص جو متقی ہو، صاف آدمی ہو، نہ اس میں گناہ ہو، نہ ظلم، نہ حسد، نہ کینہ (ابن ماجہ)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مومن کو تم جھوٹا نہ پاؤ گے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آدمی جھوٹ کی (نحوست کی) وجہ سے دن کے روزے اور رات کے تہجد سے محروم ہوجاتا ہے۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ (جو اکابر صوفیا میں ہیں) فرماتے ہیں کہ آدمی حلال کی کمائی اور سچ بولنے کے برابر کسی چیز سے بھی زینت نہیں پاتا (درمنثور)

حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ نجات (کا ذریعہ) کیا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔ اپنے گھر میں جمے رہو (فضول گشت لگاتے نہ پھرو) اور اپنی خطاؤں پر روتے رہو (مشکوٰۃ)

سوال نمبر ۶۔ علماء کا وقار عمداً گرایا جا رہا ہے۔ بے تکلف سب وشتم کیا جاتا ہے؟
جواب نمبر ۶۔ صحیح ہے اور بالکل صحیح مگر شدنی امر ہے، ہونے والی چیز ہے اور کوئی نئی چیز نہیں، کون سا زمانہ ایسا گزرا ہے جس میں علماء سے عداوت نہیں ہوئی، ان کی اہانتیں نہیں ہوئیں۔ کیا امام اعظمؒ کو قید نہیں کیا گیا، امام مالکؒ کو سخت سے سخت نہیں مارا گیا، امام احمد بن حنبل پر کیا کیا نہیں گزرا۔ غرض کسی جلیل القدر عالم کو لے لیجئے وہ نااہلوں کی اذیت وتکلیف کا شکار رہا ہوگا۔ الا ماشاء اللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تو قاعدہ ہی ارشاد فرما دیا: وَالْجَاهِلُوْنَ لِأَهْلِ الْعِلْمِ أَعْدَاءُ (دُرِّ مختار) (جہلاء اہل علم کے دشمن ہوتے ہیں) نیز آئندہ کو اس میں اضافہ ہونا ضروری ہے اور ہو کر رہے گا اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علاماتِ قیامت میں اس چیز کو شمار کیا ہے اور جتنے علامات قیامت حدیثوں میں وارد ہوئے ہیں وہ تقریباً سب ہی پائے جا رہے ہیں اور جن کا ابھی وقت نہیں آیا وہ عنقریب آ رہے ہیں کہ ان کے آثار شروع ہو گئے ہیں۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ یہ چیز نہ پائی جائے بلکہ جو کچھ پیش آ رہا ہے اور آتا جا رہا ہے وہ اس کے مقابلہ میں جو عنقریب آنے والا ہے کچھ بھی نہیں ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ ایک زمانہ آنے والا ہے جس میں علماء کو کتوں کی طرح قتل کیا جائے گا۔ کاش اس وقت علماء تکلف باولے بن جاتے (یعنی ان روشن دماغوں کے کاموں میں دخل نہ دیں نہ ان کی اصلاح کی فکر کریں)، ایک حدیث میں وارد ہے کہ ایک زمانہ ایسا بھی آنے

والا ہے کہ علماء کو موت سرخ کندن، سونے سے زیادہ محبوب ہوگی۔
ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ اُس میں علماء کا اتباع نہیں کیا جائے گا اور نہ حلیم آدمی سے شرم کی جائے گی نہ اُس میں بڑے کی تعظیم ہوگی نہ چھوٹے پر شفقت ہوگی۔ دُنیا کے حاصل کرنے پر آپس کا قتل وقتال ہوگا جائز کو جائز نہ سمجھیں گے ناجائز کو ناجائز نہ سمجھیں گے نیک لوگ چھپتے پھریں گے۔ اس زمانہ کے آدمی بدترین خلق ہوں گے۔ حق تعالیٰ شانہٗ قیامت میں ان کی طرف ذرا بھی توجہ نہ فرمائیں گے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ اُس میں سچا مومن ایسا چھپتا پھرے گا جیسے کہ تم میں منافق چھپتا ہے (اشاعۃ)۔ ایک حدیث میں ہے کہ اگر مومن گوہ کے سوراخ میں داخل ہوجائے تو حق تعالیٰ شانہٗ وہاں بھی اس کے لیے کسی منافق یا اُس شخص کو مسلط فرمادیں گے جو اُس کو اذیت پہنچائے (مجمع الزوائد)۔ اس لیے اہل اللہ کی اہانت دینداروں پر سب وشتم سب ہی کچھ ہوکر رہے گا اور جتنا کچھ ہو رہا ہے اس سے زیادہ ہوگا۔ نیز علماء یا مشائخ دیندار یا متقیوں کا کیا ذکر ہے جب آج کل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو برملا علی الاعلان گالیاں دی جاتی ہیں ان کی اہانتیں کی جاتی ہیں روافض کا تو مستقل کام ہمیشہ سے یہی ہے لیکن اب تو روشن دماغ سنیوں کی طرف سے ہو رہا ہے۔ جس صحابی کی شان میں جو چاہا کہہ دیا جو دل میں آیا لکھ ڈالا نہ کوئی پوچھنے والا ہے نہ روکنے والا۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو میرے صحابہ کو گالیاں دے اُس پر اللہ کی لعنت ہے

فرشتوں کی لعنت ہے اور انسانوں کی لعنت ہے (جامع)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے کہ اے اللہ میں ایسے زمانہ کو نہ پاؤں یا صحابہ کو خطاب فرمایا کہ تم لوگ ایسے زمانہ کو نہ پاؤ جس میں علم کا اتباع نہ کیا جائے، حلیم سے شرم نہ کی جائے۔ اس زمانہ کے لوگوں کے دل عجمی (کفار) جیسے ہوں گے اور زبانیں عرب جیسی (فصیح) (ترغیب)
حضور کا ارشاد ہے کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ اس میں دین پر جمنے والا ایسا ہوگا جیسے ہاتھ میں آگ کی چنگاری پکڑنے والا (اشاعۃ)، حضور نے علامات قیامت میں یہ بھی شمار کیا ہے کہ خاندان میں (حقیقی) مومن بکری کے بچہ سے زیادہ ذلیل اور ناقابل التفات سمجھا جائے گا (اشاعۃ)، نیز علامات قیامت میں یہ بھی وارد ہے کہ فاسق لوگ خاندان کے سردار سمجھے جائیں گے اور کمینہ لوگ قوم کے ذمہ دار ہوں گے اور اس وجہ سے آدمی کا اعزاز کیا جائے گا کہ اس کے شر اور نقصان سے محفوظ رہ سکیں (اشاعۃ)، نیز یہ بھی علامات قیامت میں ہے کہ گانے والیوں کی کثرت ہو جائے گی اور باجوں کا زور ہوگا۔ شراب کثرت سے پی جائے گی اور امت کے سلف کو برا بھلا کہا جائے گا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے جس میں کوئی دیندار اپنے دین کو سالم نہیں رکھ سکتا مگر یہ کہ ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ پر اور ایک سوراخ سے دوسرے سوراخ میں جا کر چھپے جیسے کہ لومڑی اپنے بچوں کو لئے پھرتی ہے اور یہ وہ زمانہ ہوگا جس میں حلال روزی مشکل بن جائے گی اور بغیر اللہ کی معصیت کے روزی حاصل ہونا دشوار ہو جائے گا (اشاعۃ)

نیز علامات قیامت میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ عام کس دبازاری ہوگی۔ اولاد زنا کی کثرت ہوگی، غیبت پھیل جائے گی، مالداروں کی عظمت کی جائے گی منکرات (ناجائز امور) کرنے والوں کا غلبہ ہوگا اور تعمیرات کی کثرت ہوگی۔ نیز فحش گوئی، بدخلقی، پڑوسیوں کے ساتھ برا برتاؤ۔ نیز یہ بھی علامات قیامت میں ہے۔ دفعی موت اکثرت سے ہونے لگے گی (جو آج کل عام ہو رہی ہونے لگی جس کو قلب کی حرکت بند ہو جانا کہتے ہیں) غرض احادیث میں قیامت کی علامات بہت کثرت سے وارد ہوئی ہیں۔ علماء نے ان کو مستقل تصانیف میں جمع فرمایا ہے ان کا اکثر و بیشتر حصہ پایا جا رہا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ علامت نہ پائی جائے اور جتنی کمی باقی ہے وہ پوری نہ ہو جائے۔ وہ یقیناً پوری ہوگی اور ضرور ہوگی علماء پر منحصر نہیں بلکہ ہر دیندار کا یہی حشر ہونے والا ہے۔ دین پر عمل کرنا جیسا کہ ابھی گزرا ہاتھ میں چنگاری لینے سے زیادہ مشکل ہو جائے گا۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ قیامت کی علامات میں یہ بھی ہے کہ سچے آدمیوں کو جھٹلایا جائے گا اور جھوٹوں کی تصدیق کی جائے گی۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم لوگوں کا اس وقت کیا حال ہوگا جب نوجوان فاسق بن جائیں گے اور عورتیں سرکش ہو جائیں گی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ایسا بھی ہو جائے گا حضورؐ نے فرمایا بیشک ہوگا اور اس سے بھی زیادہ سخت ہوگا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم نیک کاموں کا حکم کرنا چھوڑ دوگے اور بری باتوں سے روکنا چھوڑ دوگے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ

کیا ایسا بھی ہو جائے گا۔ حضورؐ نے فرمایا بیشک ہوگا اور اس سے بھی سخت ہوگا۔ پھر آپ نے فرمایا اُس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم بری چیزوں کے کرنے کا حکم کرو گے اور اچھے کاموں کے کرنے سے منع کرنے لگو گے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ایسا بھی ہو جائے گا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا بیشک ہوگا اور اس سے بھی سخت ہوگا۔ پھر آپؐ نے فرمایا اُس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب نیک کاموں کو بُرا سمجھنے لگو گے اور ناجائز چیزوں کو اچھا سمجھنے لگو گے (جمع الفوائد)

اخیر کے دو جملوں میں یہ فرق ہے کہ کسی بُرے کام کو کرنا اور چیز ہے اور اس کو اچھا سمجھنا اور چیز ہے۔ شریعت کی نگاہ میں کسی بُرے کام کو کرنا اتنا سخت نہیں ہے جتنا اُس کو اچھا سمجھنا سخت ہے کہ اس میں عقیدہ کی خرابی ہے اور عقیدہ کی خرابی عمل کی خرابی سے ہمیشہ زیادہ سخت ہوتی ہے۔ آدمی کتنا ہی بڑے سے بڑا گناہ کرنے لگے وہ کفر نہیں ہے لیکن اسلام کی کسی معمولی سے معمولی چیز کے جس کا ضروریاتِ دین میں سے ہونا ثابت ہو چکا ہو۔ استخفاف یا انکار کرنے سے اسلام ہی باقی نہیں رہتا وہ بالاتفاق کافر ہو جاتا ہے۔ جب یہ مقدمات اکثر پائی جا رہی ہیں ایسے حالات میں اگر دینیات کو یا علم دین کو بُرا بھلا کہا جائے یا بُرا سمجھا جائے تو کیا بعید ہے اور اس میں کونسی تعجب کی بات ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص سے فرمایا کہ تم لوگ آج کل ایسے زمانہ میں ہو کہ نماز کی کثرت ہے اور قاریوں کی کمی ہے۔ قرآن پاک کے حدود

کی رعایت بہت زیادہ ہے حروف کی رعایت اتنی نہیں ہے۔ سوال کرنے والے کم ہیں عطا کرنے والے کثرت سے ہیں۔ نمازیں لمبی لمبی پڑھتے ہیں اور خطبے (وعظ) مختصر مختصر کہتے ہیں۔ اپنے اعمال کو اپنی خواہشات پر مقدم کرتے ہیں لیکن عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں علما کی قلت ہوگی، قراء کی کثرت ہوگی۔ قرآن کے الفاظ کا اہتمام زیادہ ہوگا اس کے احکام کی رعایت بہت کم ہوگی، سوال کرنے والے بہت ہو جائیں گے اور عطا کرنے والے کم ہوں گے۔ خطبے اور تقریریں لمبی لمبی ہوں گی، نمازیں مختصر ہو جائیں گی خواہشات عمل پر مقدم ہو جائیں گی الخ۔

غرض یہ سب چیزیں ہوں گی اور ہوتی جا رہی ہیں۔ اس سب کے علاوہ قانون الٰہی کا مقتضیٰ بھی ہے کہ علما ہوں یا مشائخ مشاہیر کے لیے سب و شتم بھی ایک قدیم مضمون ہے۔ کوئی زمانہ بھی اس سے خالی نہیں گزرا نہ گزرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد صحیح حدیث میں وارد ہے

إِنَّ حَقًّا عَلَى اللهِ أَنْ لَا يَرْتَفِعَ شَيْئًا مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا وَضَعَهُ كَذَا فِي جَمْعِ

رواہ البخاری و ابو داؤد والنسائی عن انس

اللہ تعالیٰ کی یہی عادت ہے کہ دنیا کی جس چیز کو بلند کرتے ہیں اس کو پست بھی کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام پر غور کرلو گزرے ہوئے زمانوں کو دیکھو اور زمانہ حال کو جانچو۔ جس شخص کی شہرت جس نوع کی پاؤ گے اسی نوع کی اس کی اہانت دیکھو گے۔ جن لوگوں کی اخبارات و اشتہارات میں تعریفیں دیکھو گے اخبارات و اشتہارات ہی میں اہانتیں بھی پاؤ گے اور جن کی

مجالس عامہ یا خاصہ میں شہرت دیکھو گے ویسی ہی مجالس میں اُن پر سب وشتم بھی پاؤ گے۔ کبھی کبھی زمانی تقدم تاخر تو ہے گا مگر اس کا تخلف شاید نہ ملے۔ اس لئے یہ چیز نہ قابل التفات ہے نہ قابل خیال، علماء کو نہ اس طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے نہ ازالہ کے فکر کی۔ جس چیز کی اصل ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ دیانتہً فیما بینھم وبین اللہ۔ مں ملدسف ہوں چاہیئے۔ عزت ووقعت کے حاصل کرنے کی غرض سے کوئی قدم نہ اٹھے یا جائے بلکہ جو قدم بھی اٹھایا جائے وہ اللہ کی رضا، اُس کے دین کی حفاظت، علاء کلمۃ اللہ اور اعلاء کلمۃ الحق کی نیت سے ہو۔ کوئی ساتھ ہو الحمد للہ نہ ہو ان کی بلا پوش سے۔ کیا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے نااہل اور ناحق لوگوں کے ہاتھ سے اذیتیں نہیں اٹھائیں۔ سب وشتم درکنار زخم نہیں کھائے، قتل نہیں ہوئے، خود سید الانبیاء اور فخر رسل نے کیا کیا کچھ نہیں سنا۔ ساحر، مجنون، کاہن، جماعتوں میں تفریق پیدا کرنے والا وغیرہ وغیرہ ناشائستہ الفاظ سے نہیں پکارے گئے۔ غرض کونسی ایسی چیز ہوئی جو برداشت نہیں کی گئی۔ پھر وارثین انبیاء کو ان کا کیا حق، وگلہ ہو سکتا ہے جو چیز قابل فکر، قابل اہتمام، قابل لحاظ اور قابل خیال ہے وہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کی رضا کے واسطے برداشت کیا جائے محض اس کی رضا مقصود ہو اور کسی کے لئے یہ سب کچھ کیا جائے ایسا نہ ہو کہ وہ بھی حاصل نہ ہو کہ یہ یقیناً خسران ہے اور اللہ کی رضا کے بعد جس قدر ہو ہوتا ہے کچھ بعید میں تو بعض اوقات یہ خیال کیا کرتا ہوں کہ مجھ جیسے کمزور لوگوں کے ساتھ تو یہ اللہ کی بڑی مہربانی اور لطف ہے کہ یہ ہنگامہ رکھے ہیں جس سے

علیحدہ اور مجتنب رہیں۔ حضرت مرزا مظہر جانجاناںؒ نے اپنے مکاتیب میں لکھا
ہے کہ الحمدللہ اس زمانہ میں دنیادار فقراء سے تعلق نہیں رکھتے ورنہ ان کو
دقت ہوتی۔ حضرت خواجہ ہاشم نے حضرت مجدد صاحبؒ کے مقالات میں لکھا
ہے کہ میں ایک مرتبہ خواجہ حسام الدین کی خدمت میں حاضر ہوا جو حضرت
خواجہ باقی باللہؒ کے خلفاء میں تھے۔ حاضرین میں سے کسی نے اغنیا کی شکایت
کی کہ وہ فقراء سے تعلق نہیں رکھتے۔ پہلے امراء جیسا اعتقاد بھی ان کے قلوب
میں نہیں ہے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ برادرمن یہ اللہ کی بڑی حکمت ہے
اس لئے کہ پہلے زمانہ میں فقراء اس قدر یکسو تھے کہ جتنا بھی امراء اس طرف متوجہ
ہوتے وہ ان سے علیحدہ ہی رہتے۔ اس زمانہ میں ہم لوگ ایسے نہیں ہیں۔
بلکہ اگر یہ لوگ ہم سے تعلقات بڑھا کر اختلاط پیدا کریں تو ہم لوگ اپنی شکستگی و
وضعداری کو باقی نہیں رکھ سکتے۔ اس لئے اللہ جل شانہ کا کرم محافظ دین
رہا ہے (کلمات طیبات) البتہ یہ ضروری ہے کہ جو لوگ علمائے حق کے درپے
آزار ہیں ان کی اہانت و تذلیل کو فخر سمجھتے ہیں اور کرتے ہیں وہ غالباً بجائے
علماء کی بہ نسبت اپنا نقصان زیادہ کر رہے ہیں۔ علماء کا تو زیادہ سے زیادہ
یہ نقصان کریں گے کہ کچھ دنیوی متاع ہیں شاید نقصان پہنچا سکیں البتہ جتنے وہ
مقدر ہیں کچھ کمی کر سکنے پر قادر ہوں یا دنیوی عزت وجاہ کو تو یہ بہت ہی
بے وقعت، ورنہ یہ حضرات نقصان پہنچا سکیں مگر یہ لوگ اپنے کو برباد
کر رہے ہیں اور اپنا دینی نقصان کر رہے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ شخص میری امت میں سے

نہیں ہے جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے عالم کی قدر نہ کرے (ترغیب) اس ارشادِ نبوی کے بعد علماء کو علی العموم گالیاں دینے والے برا بھلا کہنے والے اپنے کو اُمتِ محمدیہ میں شمار کرتے رہیں لیکن صاحبِ اُمت ان کو اپنی اُمت میں شمار کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن کو منافق کے سوا کوئی شخص ہلکا (و ذلیل) نہیں سمجھ سکتا۔ ایک وہ شخص جو اسلام کی حالت میں بوڑھا ہو گیا ہو، دوسرے اہلِ علم تیسرے منصف بادشاہ (ترغیب)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اُغْدُ عَالِمًا اَوْ مُتَعَلِّمًا اَوْ مُسْتَمِعًا اَوْ مُحِبًّا وَلَا تَكُنِ الْخَامِسَ فَتَهْلِكَ (مقاصد حسنہ جامع) کہ تو یا عالم بن یا طالب علم یا علم کا سننے والا یا (علم و علماء) سے محبت رکھنے والا۔ پانچویں قسم میں داخل نہ ہو ورنہ ہلاک ہو جائے گا۔ حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ پانچویں قسم سے مراد علماء کی دشمنی ہے اور ان سے بغض رکھنا۔ ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ تو عالم بن یا طالب علم اور اگر دونوں نہ بن سکے تو ان سے محبت رکھنا ان سے بغض نہ رکھنا (جامع)

ایک حدیث میں وارد ہے حَمَلَةُ الْقُرْآنِ عُرَفَاءُ اَهْلِ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (اخرجہ الطبرانی عن الحسین بن علی کذا فی الجامع ورقم له بالضعف لکن قال العزیزی مستند صحیح) قرآن شریف کے حامل یعنی حفاظ و حملہ قیامت کے دن جنت والوں کے چودھری ہوں گے۔ دوسری حدیث میں وارد ہے حَمَلَةُ الْقُرْآنِ اَوْلِيَاءُ اللّٰهِ فَمَنْ عَادَاهُمْ عَادَى

اللّٰهَ وَمَنْ وَالَاهُمْ فَقَدْ وَالَى اللّٰهَ رَوَاهُ الدَّيْلَمِيُّ وَابْنُ النَّجَّارِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ بِسَنَدٍ فِي الْجَامِعِ وَرَقَمَ لَهُ بِالضُّعْفِ ۔ حاملین قرآن اللہ کے ولی ہیں جو شخص ان سے دشمنی کرتا ہے وہ اللہ سے دشمنی کرتا ہے اور جو ان سے دوستی کرتا ہے وہ اللہ سے دوستی کرتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی اُمت پر تین چیزوں سے زیادہ کسی چیز کا خوف نہیں کرتا منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ وہ علم والے شخص کو دیکھیں اور اس کو ضائع کر دیں پرواہ نہ کریں۔ ترغیب

امام نووی شرح مہذب میں لکھتے ہیں کہ بخاری شریف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے جو شخص میرے کسی ولی کو ستائے میری طرف سے اُس کو لڑائی کا اعلان ہے اور خطیب بغدادی نے حضرت امام ابو حنیفہ اور امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ اگر فقہاء اللہ کے ولی نہیں ہیں تو پھر اللہ کا کوئی ولی ہے ہی نہیں۔ حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی فقیہ (عالم) کو اذیت پہنچاتا ہے اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائی اور جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائے اُس نے اللہ جل جلالہٗ کو اذیت پہنچائی۔ حافظ ابو القاسم بن عساکر فرماتے ہیں۔

فَاعْلَمْ يَا أَخِي وَفَّقَنِي اللّٰهُ وَإِيَّاكَ لِطَاعَتِهِ وَجَعَلَنَا مِمَّنْ يَخْشَاهُ وَيَتَّقِيْهِ حَقَّ تُقَاتِهِ أَنَّ لُحُوْمَ

میرے بھائی ایک بات سن لے حق تعالیٰ شانہٗ مجھے اور تجھے اپنی رضا کے اسباب کی توفیق عطا فرمائے اور ہم کو ان لوگوں

لعُلَمَاءِ مَسْمُوْمَةٌ وَعَادَةُ اللّٰهِ فِيْ هَتْكِ أَسْتَارِ مُنْتَقِصِيْهِمْ مَعْلُوْمَةٌ وَإِنَّ مَنْ أَطْلَقَ لِسَانَهُ فِي الْعُلَمَاءِ بِالثَّلْبِ بَلَاهُ اللّٰهُ قَبْلَ مَوْتِهِ بِمَوْتِ الْقَلْبِ۔

(شرح مہذب)

میں داخل فرمائے جو اس سے ڈرنے والے ہوں اور جیسا کہ چاہئے ویسا تقویٰ کرنے والے ہوں، یہ بات سن لے کہ علما کے گوشت (یعنی غیبت) زہریلے ہیں اور ان کی شان میں گستاخی کرنے والوں کی پردہ دری میں اللہ کی عادت سب کو معلوم ہے (کہ جو لوگ علما کی اہانت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی پردہ دری فرماتے ہیں)

جو شخص ان کو عیب لگانے میں لب کشائی کرتا ہے اس کے مرنے سے پہلے حق تعالیٰ شانہٗ اس کے دل کو مردہ بنا دیتے ہیں۔

مولانا عبدالحی صاحب اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں۔

کہ اگر مقصود آں دشنام دہندہ استخفاف علم و تحقیر علما من حیث العلم است فقہا حکم بکفرش می دہند ورنہ در فاسق و فاجر بودن آنکس و مستحق غضب الٰہی و مستوجب عذاب دنیوی و اخروی شدن آں شبہ نیست۔

اگر گالیاں دینے والے کا مقصود علم اور علما کی تحقیر علم کی وجہ سے ہے تو فقہا اس کے کفر کا فتویٰ دیتے ہیں ورنہ اگر کسی اور وجہ سے ہے تب بھی اس شخص کے فاسق و فاجر ہونے میں اور اللہ کے غصہ اور دنیا اور آخرت کے عذاب کے مستحق ہونے میں شبہ نہیں

اس کے بعد شعراء کے کلام سے نیز قرآن پاک اور احادیث سے اس مضمون کی تائید نقل فرمائی ہے۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی جو اکابر صوفیہ میں ہیں انہوں نے ایک کتاب عہود محمدیہ میں لکھی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ فلاں فلاں باتوں پر حضورؐ نے عہد لئے ہیں اس میں لکھتے ہیں۔

أُخِذَ عَلَيْنَا الْعَهْدُ الْعَامُّ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نُكْرِمَ الْعُلَمَاءَ وَنُجِلَّهُمْ وَنُوَقِّرَهُمْ وَلَا نَرٰى لَنَا قُدْرَةً عَلٰى مُكَافَأَتِهِمْ وَلَوْ أَعْطَيْنَاهُمْ جَمِيْعَ مَا نَمْلِكُ أَوْ خَدَمْنَاهُمُ الْعُمُرَ كُلَّهُ وَهٰذَا الْعَهْدُ قَدْ أَخَلَّ بِهِ غَالِبُ طَلَبَةِ الْعِلْمِ وَالْمُرِيْدِيْنَ فِيْ طَرِيْقِ الصُّوْفِيَّةِ حَتّٰى لَا تَكَادُ تَرٰى أَحَدًا مِنْهُمْ يَقُوْمُ بِوَاجِبِ حَقِّ مُعَلِّمِهِ وَهٰذَا دَاءٌ عَظِيْمٌ فِي الدِّيْنِ مُؤْذِنٌ بِاسْتِهَانَةِ الْعِلْمِ وَبِأَمْرِ مَنْ أَمَرَ بِإِجْلَالِ الْعُلَمَاءِ صَلَّى

ہم لوگوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک عام عہد اس بات کا لیا گیا ہے کہ ہم علماء کا اکرام کریں ان کی توقیر کریں اور ان کی تعظیم کریں اور ہم میں یہ قدرت نہیں ہے کہ ان کے احسانات کا بدلہ ادا کر سکیں چاہے ہم وہ سب کچھ دے دیں جو ہماری ملک میں ہے اور تمام مدت عمر ان کی خدمت کرتے رہیں۔ اس معاہدہ میں بہت سے طلبہ اور بہت سے مریدین کوتاہی کرنے لگے ہیں حتی کہ ہم کو ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا جو اپنے استاد کے حقوق واجبہ ادا کرتا ہو۔ یہ دین کے بارے میں ایک بڑی بیماری ہے جس سے علم کی اہانت کا پتہ چلتا ہے اور اس ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(لواقح الانوار القدسية في بيان العهود المحمدية وفيه ايضا)

أُخِذَ عَلَيْنَا الْعَهْدُ الْعَامُّ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نُجِلَّ الْعُلَمَاءَ وَالصَّالِحِينَ وَالْأَكَابِرَ وَلَوْ لَمْ يَعْمَلُوا بِعِلْمِهِمْ وَنَقُومَ بِوَاجِبِ حُقُوقِهِمْ وَنَكِلَ أَمْرَهُمْ إِلَى اللّٰهِ فَمَنْ أَخَلَّ بِوَاجِبِ حُقُوقِهِمْ مِنْ إِكْرَامٍ وَتَبْجِيلٍ فَقَدْ خَانَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ الْعُلَمَاءَ نُوَّابُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَمَلَةُ شَرِيعَتِهِ وَخُدَّامُهُ فَمَنِ اسْتَهَانَ بِهِمْ تَعَدَّى ذٰلِكَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذٰلِكَ كُفْرٌ وَتَأَمَّلْ مَنِ اسْتَهَانَ بِغِلْمَانِ السُّلْطَانِ إِذَا أَرْسَلَهُ إِلَيْهِ كَيْفَ يَسْمَعُ السُّلْطَانُ مِنْ رَسُولِهِ ذٰلِكَ وَيُنْزِلُ نِقْمَتَهُ بِالَّذِي اسْتَهَانَ وَيُعَزِّرُهُ

کے حکم کے ساتھ سب پر والی کا پتہ چلتا ہے جس نے اس کا حکم فرمایا ہے۔

اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ لکھا ہے کہ ہم لوگوں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ عام عہد لیا گیا ہے کہ ہم علماء کی اور صلحاء کی اور اکابر کی تعظیم کیا کریں چاہے وہ خود اپنے علم پر عمل نہ کیا کریں اور ہم لوگ ان کے حقوق واجبہ کو پورا کرتے رہیں اور ان کے ذاتی معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دیں۔ جو شخص ان کے حقوق واجبہ اکرام و تعظیم میں کوتاہی کرتا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کرتا ہے اس لئے کہ علماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں اور ان کی شریعت کے حامل اور اس کے خادم۔ پس جو شخص ان کی اہانت کرتا ہے تو یہ سلسلہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے اور یہ کفر ہے اور تم غور

عَنْ حَضْرَتِهٖ بِخِلَافِ مَنْ بَجَّلَهٗ وَعَظَّمَهٗ وَقَامَ بِوَاجِبِ حَقِّهٖ يُقَرِّبُهُ السُّلْطَانُ۔

کہ جو کہ بادشاہ اگر کسی کو ایلچی بنا کر کسی کے پاس بھیجے اور وہ اُس کی اہانت کرے تو بادشاہ ایلچی کی بات کس غور سے سنے گا اور اپنی اُس نعمت کو جو اس اہانت کرنے والے پر تھی ہٹا لے گا اور اس کو اپنے دربار سے ہٹا دے گا بخلاف اُس شخص کے جو ایلچی کی تعظیم و توقیر کرتا ہے اور اُس کا حق ادا کرتا ہے تو بادشاہ بھی اس کو اپنا مقرب بنا لیتا ہے۔

اس مضمون میں یہ بات کہ چاہیے وہ اپنے علم پر عمل کرنے والے نہ ہوں۔ ایسی ہی ہے جیسا کہ اس خط کے شروع میں حضرت معاذؓ کے کلام میں مفصل گزر چکی ہے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب میری اُمت اپنے علماء سے بغض رکھنے لگے گی اور بازاروں کی عمارتوں کو بلند اور غالب کرنے لگے گی اور مال و دولت کے ہونے پر نکاح کرنے لگے گی یعنی نکاح میں بجائے دین داری اور تقوی کے مال ہی کو دیکھا جائے گا، تو حق تعالیٰ شانہ چار قسم کے عذاب ان پر مسلط فرما دیں گے۔ قحط سالی ہو جائے گی بادشاہ کی طرف سے مظالم ہونے لگیں گے حکام خیانت کرنے لگیں اور دشمنوں کے پے درپے حملے ہوں گے کہ آج کل ان عذابوں میں سے کونسا نہیں ہے جو امت پر مسلط نہیں لیکن وہ اپنی

خوشی سے اُن کے اسباب کو اختیار کریں۔ تو پھر شکایت کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک گھر میں ایک کتیا تھی جس کے بچہ ہونے کا وقت قریب تھا۔ ان لوگوں کے یہاں کوئی شخص مہمان ہوا تو کتیا نے خیال کیا کہ آج رات کو مہمان پر شور نہ کروں گی لیکن بچہ پیٹ ہی میں سے شور کرنے لگا۔ حق تعالیٰ شانہ نے وحی سے ارشاد فرمایا کہ یہی مثال اس اُمت کی ہے جو تمہارے بعد آنے والی ہے کہ اس کے بے وقوف اس اُمت کے علماء پر غالب ہو جائیں گے (مجمع الزوائد)

فقہا اور فتاویٰ کی کتابوں میں کثرت سے یہ مضمون نقل کیا گیا ہے کہ علماء سے اور علماء سے بغض و نفرت سخت اندیشہ ناک ہے۔ فتاویٰ عالمگیریہ میں خلاصہ سے نقل کیا ہے مَنْ اَبْغَضَ عَالِمًا مِنْ غَیْرِ سَبَبٍ ظَاهِرٍ خِیْفَ عَلَیْهِ الْکُفْرُ جو شخص کسی عالم سے بلا کسی ظاہری سبب کے بغض رکھے اُس کے کفر کا اندیشہ ہے۔ ظاہری سبب سے یہ مراد ہے کہ اگر کوئی شرعی وجہ اور دلیل اس بات کی ہو تو مضائقہ نہیں ہے لیکن بلا کسی شرعی وجہ کے ایسا کرنا سخت اندیشہ ناک ہے۔ ایسی صورت میں کہ جب اندیشہ ناک صورت پیدا ہو جانے کا خطرہ ہے کیا ضروری نہیں کہ آدمی اس چیز میں خصوصی احتیاط برتے۔ کسی عالم کے قول کو، اگر رد کرنے کا حق حاصل ہے، اس کی تردید ضرور کی جا سکتی ہے مگر جب ہی جب اُس کے قول کے بالمقابل تردید کا شرعی سامان موجود ہو اُس کے قول کے خلاف نصوص شرعیہ موجود ہوں اور رد کرنے والا نصوص سے استدلال کی قدرت رکھتا ہو۔ یہ میرا مقصود ہرگز نہیں ہے کہ عالم جو بھی کہہ دے وہ صحیح ہے اور

اُس کے کسی قول پر رد اور انکار نہ کیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جس کے قول پر رد نہ کیا جاسکے یا اس کے اقوال و افعال میں غلطی کا احتمال نہ ہو۔ بے شک ہے اور ضرور ہے لیکن رد کرنے کے واسطے اور غلطی پکڑنے کے واسطے بھی شریعتِ مطہرہ میں حدود قدمیں اُس کے درجات ہیں اُس کے قواعد اور آداب ہیں تا وقتیکہ اُن سے واقفیت نہ ہو رد کرنے کا حق بھی کسی کو نہیں ہے۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ علماء بے عیب ہیں یا اُن میں کوتاہیاں نہیں ہیں یقیناً ہیں اور بمقتضائے زمانہ ہونا بھی چاہئیں مگر ان کی کوتاہیوں کو پکڑنے کے ساتھ ساتھ چند امور زیرِ غور اور قابلِ لحاظ ہیں۔ اہلِ علم ہی ان چیزوں پر زیادہ اچھی طرح روشنی ڈال سکتے تھے مگر چونکہ یہاں معاملہ خود ان کی ذات کا آجاتا ہے اس لئے اس مسئلہ میں ان کو زیادہ واضح گفتگو کرنا مشکل ہوجاتا ہے اور اپنے وقار کا مسئلہ آجانے کی وجہ سے وہ اس میں وضاحت اور زور سے رد کرنے میں تساہل کرتے ہیں۔ میں اجمالی طور پر تمہیں ان امور کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔ اوّل تو اس وجہ سے کہ میرا اور تمہارا خصوصی تعلق اس بدگمانی سے بالاتر ہے کہ میں اپنا اعزاز تم سے کرانا چاہتا ہوں۔ دوسرے اس وجہ سے بھی کہ میرا کچھ زیادہ شمار بھی علماء کی جماعت میں نہیں ہے ایک کتب فروش ہوں کتابیں بیچتا ہوں اور اسی پر گزارہ کرتا ہوں۔ تیسرے یہ خط بھی میرا ایک نجی خط ہے۔ چوتھے اس وجہ سے کہ میرے ساتھ تمہارا بلکہ میرا سب دوستوں کا جو معاملہ ہے وہ میری حیثیت سے زیادہ ہے اس لئے غور سے سنو یہاں چند امور قابلِ لحاظ ہیں اور نہ معلوم اور ہے ان میں

ختم کیا جاتا ہے یا عمداً اُن سے اعراض یا تسامح کیا جاتا ہے اور کہیں ناواقفیت بھی اس کا سبب ہے۔ بہرحال یہ امور قابل غور ہیں۔

۱۔ کیا۔ وہ شخص جو اہل علم کے لباس میں ہو کسی عربی مدرسہ میں طلبا کے رجسٹر میں نام لکھا چکا ہو یا تقریر دلچسپ کرتا ہو یا تحریر اچھی لکھتا ہو وہ عالم ہے اور علماء کی جماعت کا فرد ہے اس لئے ہر شخص کی بات کو لے کر اور سن کر علماء کی طرف منسوب کر دینا ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔ کیا کھرا کھوٹا اصلی جعلی واقعی مصنوعی دنیا کی ہر چیز میں نہیں ہے۔ دیکھو دنیا کی قیمتی سے قیمتی چیز سونا چاندی اور جواہرات ہیں اور ضروری سے ضروری اور ہر شخص کا محتاج الیہ پیشہ حکیم و ڈاکٹر کا پیشہ ہے تو پھر کیا دونوں قسمیں ایسی نہیں ہیں جن میں کھرے سے کھوٹا زیادہ اور اصلی سے نقلی زیادہ نہ ملتا ہو یا واقعی سے مصنوعی بڑھے ہوئے نہ ہوں تو پھر کیا حکیموں اور ڈاکٹروں کو اس وجہ سے گالیاں دی جاتی ہیں کہ ان کے لباس میں مصنوعی خطرۂ جان طبیب زیادہ ہیں یا یہ سونے چاندی اور جواہرات کو اس وجہ سے پھینک دیا جاتا ہے کہ وہ نقلی اور مصنوعی زیادہ ملتے ہیں۔ نہیں نہیں بلکہ ان چیزوں میں یہاں تک افراط کی جاتی ہے کہ جہاں مشہور اور واقف طبیب میسر نہیں ہوتا وہاں جان بوجھ کر ایسے ہی طبیبوں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ یہ کیوں اس لئے کہ ضرورت سخت ہے اور طبیب حاذق کے پاس فوراً پہنچنا محال ہے۔ مصنوعی سونا دیدہ ودانستہ خریدا جاتا ہے کیونکہ ضرورت کو پورا کرنا ہی ہے اور اصلی سونا اس وقت دشوار ہے یا گراں ہے کہ تحمل نہیں ہو سکتا۔ لیکن علماء سب ہی گردن زدنی ہیں اس لئے کہ ان کے لباس میں جھوٹے بہت ہیں۔ تم

نے غور کیا کہ یہ فرق کیوں ہے اس لئے کہ وہ ضرورت کی چیزیں سمجھی جاتی ہیں اور یہ بے ضرورت ہے اُن بغیر چارہ کار نہیں ہے اور یہ بے کار مد ہے۔ اُن میں اچھے سے اچھے طبیب کی تلاش ہے لیکن اُس وقت تک کہ اچھا طبیب مے جو بھی موجود ہو وہ نہایت مغتنم ہے اور اس کی رائے پر عمل نہایت اہم اور ضروری ہے اور یہاں حقیقی علما ملتے نہیں ہیں اور جو ملتے ہیں وہ ہمارے نزدیک کام نہیں ہیں اس لئے لغو و بے کار ہیں۔ حالانکہ اگر غور کیا جائے اور دینی ضرورت کو ضرورت سمجھا جائے دین کا اہتمام اور اُس کی فکر قلوب میں کم از کم اتنی ہو جتنی ایک عزیز کے بیمار ہونے کی یا بیٹی کے نکاح کرنے کی تو عالم کامل کی تلاش میں طبیب حاذق کی تلاش سے زیادہ سرگرداں ہوں۔ اگر دین کا فکر ہو تو حقیقی ضرورت یہی ہے۔ عزیز کی بیماری کا منتہا موت ہے جس کے بغیر چارہ ہی نہیں حاذق سے حاذق اور ماہر سے ماہر طبیب یہاں بے بس ہے وہ اپنا ہی کچھ نہیں بنا سکتا تو دوسرے کا کیا کر سکتا ہے۔ بیٹی کی شادی میں زیور نہ ہی میسر آسکا تو کیا بگڑ گیا اتنا ہی ہوا کہ برادری کے لوگ عزیز و اقرب طعن و تشنیع کریں گے۔ وہ ابھی کب چھوڑ دیں گے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اب چار سنائیں گے اُس وقت آٹھ سُنا دیں گے۔ لیکن علماء کی ضرورت دین کے لئے ہے جس کے بغیر زندگی بے کار ہے۔ دُنیا میں آنا بے کار ہے۔ آدمی صرف دین ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ حق سبحانہ و تقدس کا ارشاد ہے کہ میں نے آدمی اور جن صرف اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا کئے ہیں۔ جب یہی اصلی غرض آدمی کی پیدائش

سے ہے تو اس کے لئے جس چیز کی ضرورت ہوگی وہ سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہوگی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ علما کی مثال زمین میں ایسی ہے جیسے کہ آسمان میں ستارے جن کے ذریعہ سے جنگل کے اندھیروں اور سمندروں کے سفر میں راستہ پہچانا جاتا ہے۔ اگر ستارے بے نور ہو جائیں تو اقرب ہے یہ بات کہ رہبرانِ قوم راستہ سے بھٹک جائیں (ترغیب) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نبوت کے درجہ سے بہت قریب جماعت ایک علما کی ہے دوسرے مجاہدین کی اس لئے کہ علماء اس چیز کا راستہ بتاتے ہیں جو اللہ کے رسول لے کر آئے ہیں اور مجاہدین اپنی تلواروں سے اس طرف متوجہ کرتے ہیں (احیاء) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خیر کی بات سکھانے والے کے لئے اللہ جل شانہ رحمت بھیجتے ہیں فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں اور ہر وہ چیز جو آسمان و زمین میں ہے حتیٰ کہ چیونٹی اپنے سوراخ میں اور مچھلیاں سمندر میں اس کے لئے دعا خیر کرتی رہتی ہیں (ترمذی)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی عالم مرجاتا ہے تو اسلام میں ایک ایسا رخنہ پیدا ہو جاتا ہے جس کو کوئی اس کا نائب ہی بھر سکتا ہے (احیاء) حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ ایک ہزار عابد جو شب بیدار ہوں اور دن بھر روزہ رکھتے ہوں ان کی وفات ایک ایسے عالم کی وفات سے زیادہ سہل ہے جو حلال و حرام سے واقف ہو۔ (احیاء)

دوسری یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ دنیا کے ہر کام میں اہل فن کی طرف رجوع

کیا جاتا ہے۔ مکان بنانا ہے تو مستری بغیر چارہ نہیں اور قفل درست کرنا ہے تو لوہار بغیر گزر نہیں۔ مقدمہ کرنا آپ لاکھ سمجھدار ہوں ہوشیار ہوں لیکن وکیل بغیر مفر نہیں۔ آپ لاکھ قابل ہوں لیکن تعمیر مستری ہی کرے گا۔ مگر علم دین ایسا ارزاں ہے کہ ہر شخص جو ذرا بھی بولنا یا لکھنا جانتا ہے وہ واقف اسرار شریعت بنے محقق ملت ہے۔ اُس کی محققانہ تحقیق کے خلاف قرآن شریف اور حدیث نبویہ بھی قابل قبول نہیں۔ ہم علماء بے چاروں کا تو ذکر ہی کیا ہے اور چونکہ اس کے مقابل اگر کوئی آواز اٹھتی ہے تو وہ علماء کی جانب سے ہوتی ہے اس لئے جتنا بھی یہ روشن دماغ علما کے خلاف زہر اُگلیں اور علماء کے خلاف جھوٹ یا سچ الزام لگا کر عوام کو اِن سے بدکائیں وہ قرین قیاس ہے کہ ان کی غلط باتوں کی اور دین میں تحریف کی پردہ دری علماء ہی سے ہوتی ہے وہ مخالف بھی بنیں گے وہ دشمن بھی بنیں گے اور جو کچھ کر سکتے ہیں سب ہی کچھ کریں گے مگر کیا ہو سکتا ہے ایسے لوگوں کے بارہ میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مجھے اپنے بعد سب سے زیادہ خوف تم پر ہے ہر اس منافق کا جو زبان کا ماہر ہو (ترغیب) کہ یہ لوگ اپنی شستہ تقریر و تحریر سے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا کر گمراہ کرتے ہیں اور دین کے ہر جزء کا استہزاء و مذاق کرتے ہیں حالانکہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں دین کے اجزاء کے متعلق بھی ہر فن کے خواص کو ممتاز فرما دیا تھا چنانچہ ایک مرتبہ جابیہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا جس میں یہ اعلان فرمایا کہ جو شخص کلام اللہ شریف کے متعلق کوئی بات معلوم کرنا چاہے وہ ابی بن کعبؓ کے پاس جائے اور جس شخص کو فرائض کا کوئی مسئلہ پوچھنا ہو وہ زید بن ثابتؓ کے پاس جائے اور

جس کو فقہ کا کوئی مسئلہ معلوم کرنا ہو وہ معاذ بن جبلؓ کے پاس جائے۔ البتہ جس شخص کو اعانت امال سے کچھ مال طلب کرنا ہو وہ میرے پاس آئے کہ مجھے اللہ نے والی اور مال تقسیم کرنے والا بنایا ہے۔ (مجمع الزوائد)

اور پھر حضرات تابعین رحمہم اللہ کے زمانہ میں تو ہر شعبہ کی مستقل جماعتیں قائم ہو گئیں تھیں۔ محدثین کی جماعت علیحدہ، فقہاء کی علیحدہ، مفسرین کا گروہ مستقل، واعظین مستقل، صوفیہ مستقل لیکن ہمارے زمانہ میں ہر شخص اس قدر جامع الاوصاف اور کامل مکمل بن جاتا ہے کہ وہ معمولی سی عربی عبارت لکھنے لگے بلکہ صرف اردو کی عبارت دلچسپ لکھنے لگے یا تقریر برجستہ کرنے لگے تو پھر وہ تصوف میں مستقل اہل الرائے ہے، فقہ میں مستقل مجتہد ہے۔ قرآن پاک کی تفسیر میں جو نئی سے نئی بات دل چاہے گھڑے نہ اس کا پابند کہ سلف میں سے کسی کا یہ قول ہے یا نہیں نہ اس کی پرواہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اس کی نفی تو نہیں کرتے۔ وہ دین میں مذہب میں جو چاہے کہے جو منہ میں آئے بکے کیا مجال ہے کہ کوئی شخص اس پر نکیر کر سکے یا اس کی گمراہی کو واضح کر سکے جو یہ کہے کہ بات اسلاف کے خلاف ہے وہ نکیر کا فقیر ہے۔ تنگ نظر ہے پست خیال ہے۔ تحقیقات علمیہ سے عاری ہے لیکن جو یہ کہے کہ آج تک جتنے اکابر نے اسلاف نے جو کچھ کہا وہ سب غلط ہے اور دین کے بارے میں نئی نئی باتیں نکالے وہ دین کا محقق ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو ارشاد ہے کہ جو شخص قرآن پاک کی تفسیر میں اپنی رائے سے کچھ کہے اگر وہ صحیح بھی ہو تب بھی اس نے خطا کی (مجمع الزوائد) مگر یہ لوگ قرآن پاک

کی ہر آیت میں سلف کے اقوال کو چھوڑ کر نئی بات پیدا کرتے ہیں۔

اور صریح ظلم یہ ہے کہ علماء کو ہر شخص مشورہ دیتا ہے کہ وہ تفریق نہ کریں، تفسیق نہ کریں، تکفیر نہ کریں۔ لیکن یہ کوئی نہیں کہتا کہ یہ روشن دماغ دین کی حدود سے نہ نکلیں۔ یہ نبوت کا انکار کردیں، یہ قرآن و حدیث کا انکار کر دیں۔ یہ نماز روزہ کو لغو بتادیں۔ یہ حضور کی شان میں گستاخیاں کریں۔ صحابہ کرام کو گالیاں دیں۔ ائمہ مجتہدین کو گمراہ بتادیں۔ فقہ اور حدیث کو ناقابل عمل بتادیں۔ دین کے ہر ہر جزء سے انکار کریں۔ دین کی ہر بات کا استہزاء اور مذاق اڑائیں لیکن یہ پھر بھی مسلمان رہتے ہیں۔ پکے دیندار رہتے ہیں اور جو ان کے خلاف آواز اٹھائے وہ دین کا دشمن ہے، مسلمانوں کا بدخواہ ہے۔ وہ کافر بنانے والا ہے حالانکہ اگر غور کیا جائے تو علماء کافر بناتے نہیں بتاتے ہیں اس لئے جو شخص ضروریات دین میں سے کسی ایک چیز کا بھی انکار کردے وہ اپنی رغبت و رغبت اور اپنی روشن خیالی یا اپنے جہل سے کافر تو خود ہی بن چکا ہے خواہ اس کو کوئی کافر بتائے یا نہ بتائے اور اگر وہ اب تک کافر نہیں بنا تو کسی کے کافر بتانے سے کافر نہیں بنتا اور اگر بن چکا ہے تو کسی کے کافر نہ بتانے سے مسلمان نہیں رہ سکتا۔ گر غور سے دیکھا جائے تو کافر بتانے والے کا تو احسان ہے کہ وہ اس پر تنبیہ کر رہا ہے۔ متنبہ کر رہا ہے کہ جو چیز تم نے اختیار کی ہے وہ اسلام سے نکال دینے والی چیز ہے اور کفر میں داخل کر دینے والی ہے۔ گر دین کی فکر ہے تو اس تنبیہ پر متنبہ ہونا چاہیئے۔ کہنے والے کے قول پر اعتماد نہیں تو خود تحقیق کرلینا چاہیئے کہ کہنے والے کا قول صحیح ہے یا غلط ہے۔ زیادہ

سے زیادہ یہ کہ وہ غلط ہوگا اور مجھے اس سے بھی انکار نہیں کہ بعض اوقات غلط بھی ہوتا ہے۔ لیکن یہ بھی صحیح نہیں کہ ہمیشہ ہی غلط ہوتا ہے۔ اس لئے یہ نظریہ کہ مغربی تعلیم کے زیر اثر یا دین سے ناواقفیت کے سبب کہنے والا جو چاہے کہہ گزرے اور کر گزرے اس کو ہرگز کافر نہ کہا جائے۔ دنیا کے ساتھ خیر خواہی نہیں یہ ناواقفوں کو اور ان لوگوں کو جو ناواقفیت سے اس آفت میں مبتلا ہو جانے والے ہیں کافر بنانا ہے۔ اس لئے حقیقت میں کافر بنانے والے وہ لوگ ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ کفر کی باتوں پر تنبیہ نہ کی جائے ان کو واضح اور ظاہر نہ کیا جائے۔ لوگوں کا یہ خیال کہ کفر آج کل ایسا سستا ہو گیا ہے کہ ہر شخص کافر ہے اور اس خیال سے کفریات سے متاثر نہ ہونا یہ خود دین سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد سے فقہائے اُمت کے اقوال سے ناواقفیت پر مبنی ہے بلا تردد آج کل جہالت کی وجہ سے کفر بہت سستا ہے۔ کفریات کا علم لوگوں کو ہے نہیں اس لئے ان میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات خود ہی صاف طور سے اس پر دال ہیں کہ کفر بہت سستا ہو جائے گا۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ (نیک) اعمال میں جلدی کرو مبادا (وہ وقت آجائے جس میں ایسے فتنے واقع ہوں جو اندھیری رات کے حصوں کی طرح ہوں۔ (کہ حق ناحق کا پہچاننا مشکل ہو جائے) ان میں صبح کو آدمی مسلمان ہوگا شام کو کافر ہوگا۔ شام کو مسلمان ہوگا صبح کو کافر ہوگا۔ معمولی سے دنیوی نفع کے عوض دین کو فروخت کر دے گا (مشکوۃ بروایۃ مسلم)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ایک فتنہ ایسا آنے والا ہے کہ ہر طرف سے

جہنم کی طرف لے جانے والے بلا رہے ہوں گے (مشکوٰۃ بروایۃ ابی داؤد)۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ عنقریب ایسے فتنے آنے والے ہیں کہ ان میں آدمی صبح کو مومن ہوگا شام کو کافر۔ مگر وہ شخص جس کو حق تعالیٰ شانہٗ علم کی بدولت زندہ رکھے (دارمی)۔ علم کی بدولت زندہ رکھنے کا مطلب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ وہ کفر و ایمان کی حدود سے واقف ہو، وہ اس چیز کو جانتا ہو کہ کس چیز سے آدمی مسلمان بنتا ہے اور کس بات سے کافر ہو جاتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ قیامت کے قریب ایسے سخت پریشان کن فتنے ہوں گے جیسا اندھیری رات کے ٹکڑے صبح کو۔ آدمی دن میں مسلمان ہوگا شام کو کافر، شام کو مسلمان ہوگا صبح کو کافر۔ ان میں بیٹھنے والا آدمی کھڑے ہونے والے سے بہتر ہے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہے۔ اس وقت اپنے گھروں کی ٹاٹ بن جانا (یعنی ٹاٹ کی طرح گھر کے ایک کونے میں پڑے رہنا) (مشکوٰۃ بروایۃ ابی داؤد)۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ایک ایسا سیاہ فتنہ آنے والا ہے جس کے شر سے اس امت کا کوئی بھی آدمی نہ بچے گا۔ جب یہ سمجھا جائے گا کہ اب ختم ہوگیا پھر کوئی اور شاخ نکل آئے گی۔ صبح کو آدمی اس میں مسلمان ہوگا شام کو کافر، شام کو مسلمان ہوگا صبح کو کافر حتیٰ کہ دو جماعتیں ایسی بن جائیں گی کہ ایک جماعت خالص مسلمانوں کی جن میں ذرا بھی نفاق نہ ہوگا۔ ایک خالص منافقوں کی جن میں ذرا بھی ایمان نہ ہوگا۔ اس وقت دجال کا ظہور ہوگا (مشکوٰۃ بروایۃ ابی داؤد)۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ [illegible] فوجیں کی فوجیں داخل ہو رہی ہیں لیکن ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ [illegible]

کی فوجیں اسلام سے خارج ہونے لگیں گی (درمنثور بروایۃ الحاکم وصححہ عن ابی ہریرۃ بروایۃ ابن مردویہ عن جابر اھ قلت صححہ الحاکم واقرہ علیہ الذہبی دارمی۔ مجمع الزوائد)

آخر یہ کفر کی ارزانی مولویوں کی پیدا کی ہوئی تو نہیں ہے۔ یہ تو حضرت صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام خود ہی ارشاد فرما گئے۔ ایسی صورت و حالات میں کیا یہ ضروری نہیں کہ دین کے باب میں نہایت احتیاط سے کام لیا جائے۔ محض یہ کہہ دینے سے کہ فلاں جماعت فلاں کو کافر کہتی ہے فلاں جماعت فلاں کو کافر کہتی ہے اس لئے اب کسی کا بھی اعتبار نہیں۔ ذمہ داری ساقط نہیں ہوتی بلکہ غور سے دیکھا جائے تو اس صورت میں ذمہ داری اور زیادہ بڑھ جاتی ہے اس لئے کہ اس حالت میں خود اپنے اوپر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ جن وجوہ سے ایک جماعت دوسری جماعت کو کافر کہتی ہے ان وجوہ کو علم دین سے تحقیق کیا جائے کہ ان امور سے واقع میں کفر ہو جاتا ہے یا نہیں۔ اگر واقع میں کفر ہو جاتا ہے تو ان سے اپنے کو اور دوسروں کو بچانا خود اپنی ذمہ داری بن جاتی ہے۔ صرف کوئی مزاحیہ فقرہ کہہ دینے سے یا اس بات کے کہہ دینے سے کہ آج کل کفر بہت سستا ہے خلاصی نہیں ہوتی۔ جس امر کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حتمی فیصلہ نافذ ہو چکا ہے اس کے انکار سے یا اس کا مذاق اڑانے اور استہزا کرنے سے دین جیسا باقی رہ سکتا ہے۔ تاہم شریعت اس کا فیصلہ خود ہی کر چکی ہے اور ایک جگہ نہیں جگہ جگہ درج ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ

بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (سورہ نساء رکوع ۹)

پس قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا ہو اس میں یہ لوگ آپ سے (اور آپ نہ ہوں آپ کی شریعت سے) تصفیہ کرائیں۔ پھر اس تصفیہ سے اپنے دلوں میں (انکار کی) تنگی نہ پائیں اور اس کو پورا پورا تسلیم کرلیں (بیان القرآن)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا متعدد احادیث میں ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص بھی اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ اُس کی دلی خواہش اُس چیز کے تابع نہ ہو جو میں لے کر آیا ہوں۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ۔ (سورہ آل عمران رکوع ۴)

آپ لوگوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے (بزعم خود) محبت رکھتے ہو تو تم میرا اتباع کرو (کیونکہ میں خاص اسی تعلیم کے لئے مبعوث ہوا ہوں جب ایسا کرو گے) تو حق تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کردیں گے۔ اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑے عنایت فرمانے والے ہیں اور آپ یہ بھی فرما دیجئے کہ تم اطاعت کیا کرو اللہ کی اور رسول کی پھر (اس پر بھی) اگر وہ لوگ (آپ کی اطاعت سے کہ ادنیٰ اس کا اطاعت در رسالت ہے) اعراض کریں تو (وہ لوگ سن رکھیں کہ) اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں رکھتے (ماخوذ بیان القرآن)

عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ مُتَّکِئًا عَلٰی اَرِیْکَتِہٖ یَاْتِیْہِ الْاَمْرُ مِنْ اَمْرِیْ مِمَّا اَمَرْتُ بِہٖ اَوْ نَہَیْتُ عَنْہُ فَیَقُوْلُ لَا نَدْرِیْ مَا وَجَدْنَا فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ اتَّبَعْنَاہُ۔
رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاکِمُ کَذَا فِی الدُّرِّ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں تم میں سے کسی ایک کو بھی ایسا نہ پاؤں کہ اپنی مسند پر تکیہ لگائے بیٹھا ہو اور اس کے پاس میرا کوئی حکم پہنچے جس کے کرنے کا میں نے حکم دیا ہو یا نہ کرنے کا اور وہ یہ کہہ دے کہ ہم نہیں جانتے ہم تو جو قرآن شریف میں ہوگا اسی پر عمل کریں گے۔

اس قسم کا مضمون کئی احادیث میں آیا ہے جس میں ان لوگوں پر رد کیا گیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ عمل کے لئے صرف قرآن شریف کافی ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ مجھ کو قرآن شریف دیا گیا ہے اور اس جیسے دوسرے احکام بھی دیئے گئے ہیں۔ عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ ایک شکم سیر آدمی اپنی مسند پر بیٹھا یہ کہے گا کہ بس عمل کے لئے اس قرآن شریف کو پکڑو جو اس میں حلال ہے اس کو حلال سمجھو اور جو اس میں حرام ہے اس کو حرام سمجھو۔ حالانکہ اللہ کے رسول کی حرام کی ہوئی چیز ایسی ہی ہے جیسی کہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیز ہے (مشکوۃ) ان حدیثوں میں شکم سیر اور مسند پر بیٹھنے کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ ایسے لغو اقوال پیسہ ہی سے نظر آتے ہیں۔ جب پیسے پاس ہوں تو دین میں اصلاح کی تجویزیں خوب سمجھ میں آتی ہیں اور غربت میں ایسی باتیں دل میں بھی نہیں آتیں اللہ کا خوف غالب رہتا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے کسی نے پوچھا کہ ہم حضر کی نماز

اور خوف کی نماز تو قرآن شریف میں پاتے ہیں لیکن سفر کی نماز قرآن شریف میں نہیں پاتے۔ اُنہوں نے فرمایا بھتیجے! اللہ جل شانہٗ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا اور ہم کچھ نہیں جانتے تھے اس لئے جو ہم نے ان کو کرتے دیکھا وہی کرتے رہیں گے (شفا)

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ لوگ تم سے قرآن شریف کی آیتوں سے جھگڑا کریں گے تو احادیث سے ان کا جواب دینا کہ احادیث والے کتاب اللہ سے زیادہ واقف ہیں (شفا)

امام زہری جو اکابر علماء میں سے ہیں اور مشہور تابعی ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے سے پہلے علماء (یعنی صحابہ کرامؓ) سے سنا ہے کہ سنت (یعنی حضورؐ کے طریقہ) کو مضبوط پکڑنے میں نجات ہے اور علم بہت جلد اٹھ جانے والا ہے۔ علم کی قوت میں دین اور دُنیا کا ثبات ہے اور علم کے جاتے رہنے میں اس سب کی اضاعت ہے۔ عبداللہ دیلمی جو بڑے تابعی ہیں اور بعض نے اُن کو صحابی بھی بتایا ہے فرماتے ہیں کہ مجھے اکابر سے یہ بات پہنچی ہے کہ دین کے جانے کی ابتدا سنت کے چھوٹنے سے ہوگی۔ ایک ایک سنت اس طرح چھوڑ دی جائے گی جیسا کہ رسی کا ایک ایک بل اتار جاتا ہے (دارمی)

حضرت سعید بن جبیرؒ نے ایک مرتبہ ایک حدیث بیان کی۔ کسی نے عرض کیا کہ یہ حدیث قرآن پاک کی فلاں آیت کے خلاف ہے۔ اُنہوں نے فرمایا کہ میں حضورؐ کا ارشاد نقل کرتا ہوں تو اس کا قرآن سے مقابلہ کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے مطلب کو زیادہ سمجھنے والے تھے (دارمی) یعنی یہ کہ

قرآن شریف کے مضامین بسا اوقات مجمل ہوتے ہیں۔ حدیث اس کی تفسیر ہوتی ہے اس لئے کسی حدیث کو قرآن شریف کے خلاف کہہ دینے میں جلدی نہ کرنی چاہئے بہت غور کرنا چاہئے اور غور کے بعد اگر مخالف ہو تو پھر یہ بھی تحقیق ضروری ہے کہ قرآن پاک کی وہ آیت منسوخ تو نہیں ہے۔ حدیث کے درجہ میں کمی ثبوت کے اعتبار سے ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ایسی ہی سخت ہے جیسی اللہ جل جلالہٗ کی نافرمانی ہے۔

حق سبحانہٗ وتقدس کا ارشاد ہے۔ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۔ (سورۂ نساء رکوع ۲)

اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا نہ مانے گا اور بالکل ہی اس کے ضابطوں سے نکل جائے گا (یعنی پابندی کو ضروری بھی نہ سمجھے گا اور یہ حالت کفر کی ہے) اس کو دوزخ کی آگ میں داخل کریں گے اس طرح کہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس کو ایسی سزا ہوگی جس میں ذلت بھی ہے (بیان القرآن)

دوسری جگہ ارشاد ہے يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا (سورۂ نساء رکوع ۶)

اس دن (یعنی قیامت کے دن) وہ لوگ جنہوں نے (دنیا میں) کفر کیا ہوگا اور رسول کی نافرمانی کی ہوگی اس بات کی تمنا کریں گے کہ کاش آج ہم زمین کے پیوند ہو جائیں (کہ اس رسوائی و مصیبت سے بچ سکیں) اور کسی بات کا بھی (جو جو دنیا میں کیا ہے) اللہ سے اخفا نہ کر سکیں گے۔ ایک جگہ ارشاد ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (نساء ع ۹) اور ہم نے

تمام رسولوں کو اسی واسطے بھیجا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے (جو رسولوں کی اطاعت کے بارہ میں وارد ہوا ہے) ان کی فرماں داری کی جائے۔ ایک جگہ وارد ہے۔ مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا (نساء ع ۱۱) جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے رسول کی اطاعت سے روگردانی کی (وہ اُس کو خود بھگتے گا آپ رنج نہ کریں) ہم نے آپ کو ان کا نگران مقرر کر کے نہیں بھیجا (آپ کا کام سمجھا دینے کا ہے)، اور بھی اس قسم کی بہت سی آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل دین حضورؐ کا اتباع ہے وہی دین ہے۔ وہی شریعت ہے۔ وہی اللہ جل شانہٗ کی فرمانبرداری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص خلفائے راشدین کے زمانہ میں اس اتباع سے ذرا سا دور ہونا بھی سخت مشکل اور شاق تھا چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت کی ابتدا میں جب کہ ہر طرف سے ارتداد کا زور تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے بہادر اور دین پر مرمٹنے والے شخص نے بھی استدعا کی کہ تھوڑی سی نرمی فرمادیں تو حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عمرؓ کو ڈانٹا اور فرمایا اَجَبَّارٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَخَوَّارٌ فِي الْاِسْلَامِ کیا زمانہ جاہلیت میں متشدد اور زمانہ اسلام میں نامرد بزدل۔ یہ حضرت عمرؓ پر طعن تھا کہ ہمیشہ کی ضرب المثل شجاعت اور بہادری کے بعد یہ بزدلانہ مشورہ۔ اور ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم جو شخص ایک بکری کا بچہ زکوٰۃ کا حضورؐ کے زمانہ میں دیتا تھا اور اب نہ دے گا تو اُس سے قتال کروں گا۔ بعض حدیثوں میں ہے

کہ اگر ایک رتی بھی زکوٰۃ کی اس وقت دیتا تھا اور اب نہ دے گا تو اُس سے قتال کروں گا۔ یہ تھی دین پر پختگی اور دین کا تحفظ ورنہ ایسے سخت وقت میں جب کہ ارتداد کا اتنا زور ہو ایک فرض سے تسامح معمولی سی بات تھی۔ مگر ان حضرات کے یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے ذرا سا ہٹنا بھی یقینی طور سے اپنی ہلاکت میں ڈالنے کے مرادف تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگوں نے اپنے گھروں میں مسجدیں بنالی ہیں۔ اگر تم اپنے گھروں میں نمازیں پڑھنے لگو گے اور مسجدوں کو چھوڑ دو گے تو تم حضورؐ کی سنت کو چھوڑ دو گے اور اگر تم حضورؐ کی سنت کو چھوڑ دو گے تو کافر ہو جاؤ گے (ابوداؤد) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مسافر کی نماز دو رکعتیں ہیں جو حضورؐ کی سنت کے خلاف کرے وہ کافر ہے (شفا) حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز نہ پڑھے وہ کافر ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے کہ جس شخص نے نماز چھوڑ دی وہ کافر ہو گیا۔ حضرت جابرؓ سے بھی یہی منقول ہے کہ جو نماز نہ پڑھے وہ کافر ہے۔ ان حضرات کے علاوہ اور بھی حضرات صحابہ کرام و تابعین سے یہی نقل کیا گیا ہے کہ اُنہوں نے دیدہ و دانستہ نماز کے چھوڑنے والے پر کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ علماء نے تو حقیقتہً میں تکفیر میں تنگی کی ہے اور بہت احتیاط برتی ہے کہ انہوں نے دوسرے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلاف کی وجہ سے ان سب حضرات کے اقوال کو انکار کی ساتھ مقید فرمایا ہے اور یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص نماز کی فرضیت کا انکار کر دے وہ کافر ہے اور

یہ بھی درحقیقت اللہ کا احسان ہے کہ صحابہ میں اس بارہ میں اختلاف ہوگیا تھا ورنہ اگر خدانخواستہ ان کا یہ اجماعی مسئلہ بن جاتا کہ جو شخص جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے وہ کافر ہے تو آج تم ہی غور کرو کہ دنیا کا کتنا بڑا حصہ ہے جو دیدہ ودانستہ نماز نہیں پڑھتا وہ آج کفر کے گڑھے میں پڑا ہوا ہوتا. بڑے فخر سے کہا جاتا ہے کہ ہم کسی کلمہ گو کو کافر نہیں کہتے یہ مولویوں کا کام ہے کہ وہ ساری دنیا کو کافر بنا دیں۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کلمہ گویوں کو قتل کیا جو ایک رکن شریعت زکوٰۃ کا انکار کرتے تھے۔

حضرت دیلم حمیریؓ فرماتے ہیں۔ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم لوگ ٹھنڈے ملک کے رہنے والے ہیں اور مشقت کے کام بھی بہت کرنا پڑتے ہیں اس لئے گیہوں کی شراب بنا لیتے ہیں کہ اس کی وجہ سے کام کی مشقت میں قوت بھی حاصل ہوجاتی ہے اور سردی سے بھی حفاظت رہتی ہے۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ وہ شراب نشہ آور ہوتی ہے۔ میں نے عرض کیا بیشک نشہ آور تو ہوتی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اس سے احتراز کرو۔ میں نے عرض کیا کہ لوگ اس کو چھوڑیں گے نہیں کیونکہ عادی بھی ہیں اور ضرورت بھی ہوتی ہے، ارشاد فرمایا کہ اگر وہ نہ چھوڑیں تو ان سے قتال کرو۔ ابوداؤد.

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ امانت کا ذکر فرمایا کہ آہستہ آہستہ کم ہوتی جائے گی یہاں تک نوبت آجائے گی کہ یوں کہا جائے گا فلاں قوم میں ہے ایک شخص جو امانت دار ہے۔ آدمی کی تعریف یہ رہ جائے گی کہ فلاں شخص بڑا سمجھدار ہے بڑا ظریف اور خوش مزاج ہے کیسا بہادر آدمی ہے

لیکن رائی کے دانہ کے برابر بھی اس میں ایمان نہ ہوگا (مشکوٰۃ)

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کا ذکر فرمایا۔ اور منجملہ ان کے ارشاد فرمایا کہ اُس کے بعد ایسے لوگ ہوں گے جو گمراہیوں کی طرف بلانے والے ہوں گے (مشکوٰۃ)

دو شخصوں کے درمیان جھگڑا ہوا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں قصہ پہنچا۔ حضورؐ نے ایک شخص کے حق میں فیصلہ فرما دیا۔ جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا اُس نے درخواست کی کہ اس قصہ کو حضرت عمرؓ کے سپرد فرما دیجئے۔ حضورؐ نے قبول فرمایا۔ حضرت عمرؓ کے یہاں قصہ پہنچا اور پورا واقعہ معلوم ہوا مکان میں تشریف لے گئے اور تلوار نکال کر اُس شخص کو قتل کر دیا جو ان کے یہاں مرافعہ لے کر گیا تھا۔ اور فرمایا کہ جو شخص حضورؐ کے فیصلہ کو قبول نہ کرے اُس کا میرے یہاں یہی فیصلہ ہے (در) لیکن آج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے۔ آج حضورؐ کے کتنے ارشادات کے خلاف طبع آزمائی ہو رہی ہے۔ حضورؐ کی کتنی سنتوں کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ حضورؐ کے زوردار احکام کی کس بے دردی سے مخالفت کی جا رہی ہے۔ ایک دو ہوں تو کوئی گنوا دے۔ داڑھی اور ٹخنے کا ذکر نہیں شراب اور سود کے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا ہے۔ نماز اور زکوٰۃ کا کیا حشر ہے روزہ اور حج کے ساتھ کیا برتاؤ ہے اور پھر ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ جن صاحب کو حضرت عمرؓ نے قتل کیا تھا وہ کلمہ گو بھی تھے اور اہل قبلہ بھی مگر آج کسی کلمہ گو کے خلاف کوئی بات قابل سماعت نہیں کہ وہ قبلہ کی طرف منہ کرے اور جو چاہے کرے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔

(س البقرۃ ع ۲۲)

بر (یعنی نیکی اور کمال) یہی نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کر لو یا مغرب کی طرف بلکہ نیک وہ شخص ہے جو ایمان لائے اللہ پر (یعنی اس کی ذات و صفات پر) اور ایمان لائے آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور اللہ کی تمام کتابوں پر اور انبیاء پر اور مال دیتا ہو باوجود اس کی محبت کے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور خرچ کرے گردنوں کے چھڑانے میں (یعنی قیدیوں کے چھڑانے میں اور غلاموں کے آزاد کرانے میں) اور قائم کرے نماز کو اور دے زکوٰۃ کو اور جو لوگ اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں۔ جب کوئی (جائز) معاہدہ کریں اور جو لوگ صبر کرنے والے ہوں تنگی اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔

حضرت امام اعظمؒ سے بھی یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے لَا نُكَفِّرُ اَحَدًا مِّنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ۔ ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے لیکن یہ خود! لعنہ

امام صاحب کے کلام کا یہ مطلب ہے کہ جو قبلہ کی جانب رخ کرنے والے ہیں خواہ
مشرک ہوں یا کافر کسی کی بھی تکفیر نہیں کرتے بلکہ خدانخواستہ یہ مطلب ہے کہ جو قبلہ
کی طرف منہ کرکے کوئی بات کہے یا بیت اللہ کو قبلہ مانتا ہو یا قبلہ کی طرف نماز
پڑھتا ہو پھر وہ چاہے کوئی بھی کام کرے بت پرستی کرے یا کفریات بکے ہم
کسی کی تکفیر نہیں کرتے۔ اگر یہی مطلب امام صاحب کا تھا تو پھر انہوں نے
جہم کو اُخْرُجْ عَنِّي يَا كَافِرُ (کافر، اٹھ) فرما کے اپنی مجلس سے چلتا کیوں
فرمایا۔ یہ ایک بدبختی کہ وہ شخص تھا جو ایک فرقہ کا بانی ہے۔ امام ابو یوسفؒ
فرماتے ہیں کہ میرا حضرت امام اعظمؓ سے چھ مہینہ مناظرہ رہا آخر ہم دونوں کی رائے
اس پر متفق ہوگئی کہ جو قرآن شریف کو مخلوق کہے وہ کافر ہے۔ کیا
قرآن شریف کو مخلوق کہنے والے اہل قبلہ نہ تھے نماز نہیں پڑھتے تھے۔ روزہ نہیں
رکھتے تھے کلمہ نہیں پڑھتے تھے اسی طرح روافض کا وہ فرقہ جو یہ کہتا ہے کہ حضرت
جبرئیل علیہ السلام سے وحی میں غلطی ہوگئی اور بجائے حضرت علیؓ کے نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی پہنچا گئے وہ کلمہ گو نہیں ہے یا اپنے کو مسلمان نہیں کہتا
یا قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھتا۔ کیا قرامطہ کے کفر میں کوئی تردد ہے جو غسل جنا
بت کا انکار کرتے ہیں شراب کو حلال بتاتے ہیں سال میں صرف دو روزے فرض
بتاتے ہیں اذان میں محمد بن حنفیہ رسول اللہ کا اضافہ کرتے ہیں (شرح عقائد)
اور ان کے علاوہ بہت سے لوگ ان کے مذہب میں ہیں اور ان سب کے
باوجود اپنے کو مسلمان کہتے ہیں۔ علماء نے تصریح کی ہے اور ایک دو نے نہیں
سیکڑوں نے اس کی تصریح کی ہے کہ اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ضروریات

دین میں سے کسی چیز کا انکار نہ کریں۔ علامہ شامی نے لکھا ہے۔ لَا خِلَافَ فِی کُفْرِ الْمُخَالِفِ فِی ضَرُوْرِیَاتِ الْاِسْلَامِ وَاِنْ کَانَ مِنْ اَھْلِ الْقِبْلَۃِ الْمُوَاظِبِ طُوْلَ عُمُرِہٖ عَلَی الطَّاعَاتِ ۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جو شخص ضروریات دین میں مخالف ہو وہ کافر ہے اگرچہ وہ اہل قبلہ میں سے ہو اور عمر بھر عبادت کا اہتمام کرتا رہے۔ اکفار الملحدین میں نیز اس سے نقل کیا ہے۔

اَھْلُ الْقِبْلَۃِ فِی اِصْطِلَاحِ الْمُتَکَلِّمِیْنَ مَنْ یُّصَدِّقُ بِضَرُوْرِیَاتِ الدِّیْنِ اَیِ الْاُمُوْرِ الَّتِیْ عُلِمَ ثُبُوْتُھَا فِی الشَّرْعِ وَاشْتُھِرَ فَمَنْ اَنْکَرَ شَیْئًا مِّنَ الضَّرُوْرِیَاتِ کَحُدُوْثِ الْعَالَمِ وَحَشْرِ الْاَجْسَادِ وَفَرْضِیَّۃِ الصَّلٰوۃِ وَالصَّوْمِ لَمْ یَکُنْ مِّنْ اَھْلِ الْقِبْلَۃِ وَلَوْ کَانَ مُجَاھِدًا بِالطَّاعَاتِ وَکَذٰلِکَ مَنْ بَاشَرَ شَیْئًا مِّنْ اَمَارَاتِ التَّکْذِیْبِ کَسُجُوْدِ الصَّنَمِ وَالْاِھَانَۃِ بِاَمْرٍ شَرْعِیٍّ وَالْاِسْتِھْزَاءِ عَلَیْہِ فَلَیْسَ مِنْ اَھْلِ الْقِبْلَۃِ وَمَعْنٰی عَدَمِ تَکْفِیْرِ اَھْلِ الْقِبْلَۃِ

اہل قبلہ متکلمین کی اصطلاح میں وہ شخص ہے جو ضروریات دین کا اقرار کرتا ہو یعنی ایسے امور کا جن کا شریعت میں ثبوت معلوم و معروف ہے جیسا کہ عالم کا حادث ہونا قیامت میں بدن سمیت حشر ہونا نماز روزہ کی فرضیت وغیرہ وغیرہ۔ پس جو شخص کسی چیز کا انکار کرے گا وہ اہل قبلہ میں سے نہیں ہے چاہے وہ عبادات میں کتنی ہی کوشش کرے۔ اسی طرح سے جس شخص میں علامت تکذیب کی پائی جائیں جیسے کہ بت کو سجدہ کرنا یا کسی امر شرعی کی اہانت کرنا یا اس کا مذاق اڑانا وہ بھی اہل قبلہ میں سے نہیں ہے

وَلَا يُكَفِّرُ بِارْتِكَابِ مَعْصِيَةٍ وَلَا بِإِنْكَارِ الْأُمُورِ الْخَفِيَّةِ غَيْرِ الْمَشْهُورَةِ هٰذَا مَا حَقَّقَهُ الْمُحَقِّقُونَ فَاحْفَظْهُ۔

علماء کے اس ارشاد کا مطلب کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے یہ ہے کہ کسی گناہ کے کرنے سے کافر نہیں بتاتے اور اسی طرح ایسے امور کے انکار سے جو شریعت میں غیر معروف ہیں یہ سب محققین کی تحقیق اس کو خوب محفوظ رکھو۔

درحقیقت امام صاحب یا دوسرے حضرات سے جو یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ وہ کسی کلمہ گو کی تکفیر نہیں کرتے یا اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے وہ خوارج کے مقابلہ میں ہے جو ہر حرام کے کرنے سے کافر بتاتے ہیں یا اُن لوگوں کے بارہ میں ہے جو غیر معروف کا انکار کرتے ہیں۔ خود امام محمدؒ نے سیر کبیر میں ارشاد فرمایا ہے مَنْ اَنْكَرَ شَيْئًا مِنْ شَرَائِعِ الْاِسْلَامِ فَقَدْ اَبْطَلَ قَوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جو شخص شرائع اسلام میں سے کسی چیز کا انکار کردے اُس نے کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو باطل کردیا۔ اور اگر یہی بات ہو کہ کلمہ پڑھنے کے بعد آدمی آزاد ہے جو چاہے کرے یہ جو چاہے کہے تو پھر اللہ جل جلالہ کے ارشاد میں یہود کی مذمت بے محل ہو جائے گی۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ

کیا پس ایمان لاتے ہو تم کتاب اللہ کے بعض حصہ پر اور بعض پر ایمان نہیں لاتے پس نہیں ہے بدلہ اس شخص کا جو ایسی حرکت کرے بجز اس کے کہ دنیوی زندگی

الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۔

(سورۃ بقرہ رکوع ۱۰)

میں رسوائی ہو اور قیامت کے دن ایسے لوگ سخت عذاب میں ڈال دیئے جائیں اور اللہ جل شانہٗ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہیں ۔

اسلام حتمہ وقطعہ وہی معتبر ہے جو اپنے تمام ضروری احکام کے ساتھ ہو کوئی جز بھی اس میں سے خارج نہ ہو۔ اُن اہل کتاب کی تردید فرماتے ہوئے جو اسلام لانے کے بعد توریت کے بعض احکام پر عمل کی خواہش رکھتے تھے اللہ جل جلالہٗ نے ارشاد فرمایا ہے ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (سورۃ بقرہ رکوع ۲۵)

اے ایمان والو اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو وہ حقیقت میں تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ پس اگر تم باوجود واضح دلائل کے بعد بھی لغزش میں پڑ جاؤ تو سمجھ لو کہ حق تعالیٰ شانہٗ زبردست ہیں (جو چاہیں سزا دیں) اور حکمت والے ہیں (کہ جب مصلحت سمجھیں سزا دیں)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ اہل کتاب ایمان لانے کے بعد توراۃ کے بعض احکام پر عمل کرنے کے خواہشمند تھے جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شرائع میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور کوئی چیز اس میں سے چھوڑو نہیں ۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ بعض مسلمان اہل کتاب

نے توراۃ کے موافق شنبہ کے دن کی تعظیم کی درخواست کی تھی۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کے ساتھ بھی مسلمانوں کا سا برتاؤ فرماتے تھے اور آج مسلمانوں کو بھی کافر کہا جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء اسلام میں منافقین کے ساتھ مسلمانوں کا سا برتاؤ فرمایا تھا۔ لیکن جب قرآن پاک کی آیت یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ وَمَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ (سورۂ توبہ ۱۰) اور اس جیسی آیت کے بعد بھی یہی معاملہ رہا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ایک ایک منافق کا نام لے کر مجلس سے نکال دیا۔ حضرت عمرؓ اس وقت تشریف فرما نہ تھے وہ آئے تو ایک شخص نے ان کو مژدہ سنایا کہ آج اللہ نے منافقوں کو رسوا فرمایا۔ حضرت ابو مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؐ نے وعظ فرمایا اور ایسا وعظ کہ ہم نے ویسا نہیں سنا اور ارشاد فرمایا کہ میں جن جن کا نام لیتا جاؤں وہ اٹھ جائیں اور چھتیس آدمیوں کو نکال دیا۔ (درمنثور)

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ نفاق حضورؐ کے زمانہ میں تھا آج کفر ہے یا اسلام (البخاری)

حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار سے مقابلہ کیجئے، اور منافقوں سے (زبان سے) مقابلہ کیجئے، اور ان پر سختی کیجئے۔ دنیا میں تو یہ سزا اور آخرت میں، ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور بُری جگہ ہے۔ ۱۲

اہل شام کے چند افراد نے شراب پی حضرت یزید بن ابی سفیان اُس وقت شام کے حاکم تھے اُنہوں نے مواخذہ فرمایا ان لوگوں نے عرض کیا کہ یہ حلال ہے اور قرآن شریف کی آیت لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْا الآیۃ (س مائدہ ع ۱۲) سے استدلال کیا۔ حضرت یزید نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں یہ واقعہ لکھا۔ حضرت عمرؓ نے تحریر فرمایا کہ میرا یہ خط اگر دن میں پہنچے تو رات کا انتظار نہ کرو اور رات کو پہنچے تو دن کا انتظار نہ کرو ان لوگوں کو قبل ازیں کہ دوسروں کو گمراہ کریں فوراً میرے پاس بھیج دو۔ وہ لوگ فوراً حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیجے گئے۔ صحابہ کرام سے مشورہ کیا گیا۔ صحابہ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے دین میں ایسی چیز اختیار کی ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی اس لئے ان کی گردن اُڑا دی جائے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خاموش رہے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے دریافت کیا تم بھی اپنی رائے ظاہر کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ان سے استفسار کیا جائے اگر انہوں نے حلال سمجھ کر پی ہے تب تو قتل کر دیا جائے کہ ان لوگوں نے ایسی چیز کو حلال کیا جس کو اللہ جل شانہٗ نے حرام فرمایا ہے اور اگر ان لوگوں نے حرام سمجھ کر پی ہے تو اسّی کوڑے لگائے جائیں (درمنثور)

کیا یہ لوگ کلمہ گو نہ تھے یا اہل قبلہ نہ تھے کہ صرف ایک شراب کو حلال سمجھنے کی وجہ سے ان سب حضرات نے متفقہ فیصلہ ان کے قتل کا فرمایا۔

خیر القرون کے بیسیوں واقعات اس کی تائید میں ہیں کہ ضروریات دین میں سے کسی ایک جزء کا انکار بھی کفر و ارتداد ہے۔ یہاں نہ اُن کی تفصیل کا موقع

نہ گنجائش' مجھے صرف اس پر متنبہ کرنا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم کسی کلمہ گو کی تکفیر نہیں کرتے خواہ وہ کچھ ہی کرے یا کچھ ہی کہے یہ علما کا کام ہے کہ وہ کو فرمانے پھیریں۔ کہنے والے خواہ طعن سے کہتے ہوں مگر یہ صحیح ہے کہ صرف علما کا کام ہے۔ غیر عالم نہ بتا سکتا ہے کہ کیا چیز کفر کی ہے نہ سمجھ سکتا ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ بلا کسی شرعی حجت کے کسی شخص کو کافر کہنا ناجائز و حرام ہے جیسا کہ میں اس خط کے ۳ کے سلسلہ میں لکھ چکا ہوں یہ مضمون طبعاً درمیان میں آگیا تھا میں لکھ رہا تھا کہ علما پر سب و شتم کرنے والے ان امور کا بھی لحاظ کریں۔

اس سلسلہ میں چوتھی بات یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ ذاتی اوصاف ذاتی کمالات طبعی اخلاق ایک مستقل جوہر ہے اور علمی غور و خوض علمی تبحر علمی کمال ایک مستقل کمال ہے مستقل فن ہے۔ ان دونوں کو آپس میں خلط کر دینا ان دونوں میں تلازم سمجھنا غلطی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر وہ شخص جو علمی دریا میں غوطہ زن ہو وہ ذاتی کمالات اور محاسن اخلاق میں بھی کمال کا درجہ رکھتا ہو۔ اگر یہ بات ہوتی تو ہر عالم شیخ وقت ہوتا۔ حضرات صوفیا کرام کو درستی اخلاق کے لئے مستقل خانقاہوں کی ضرورت نہ پڑتی۔ مشائخ طریقت کو اس کے لئے مجاہدات کرانے نہ پڑتے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حق تعالیٰ شانہٗ نے جامعیت کی شان عطا فرمائی تھی اور اس جماعت کے لئے اس کی ضرورت بھی تھی کہ ہر چیز کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر پھیلانے والی وہی ایک جماعت تھی در مشکوٰۃ نبوت سے نور کی ہر نوع کا پھیلنا ضروری تھا لیکن صحابہ کرام کے

بعد تابعین ہی کے زمانہ سے ہر نوع کو مستقل طور پر حاصل کرنے کی ضرورت
پیش آگئی اور اسی لئے محدثین اور فقہا، مفسرین اور صوفیہ کی جماعتیں مستقل طور
ہونا شروع ہوئیں۔ ان میں بہت سے اللہ کے بندے مختلف صفات کے
جامع بھی ہوتے اور اب تک ہوتے رہتے ہیں لیکن بہت سے افراد کسی خاص
صفت کے ساتھ ممتاز ہوئے اور ہیں۔ اس لئے یہ سمجھ لینا کہ ہر وہ شخص جو علم
کے کسی خاص رتبہ پر فائز ہو وہ اخلاق و اوصاف کے بھی اسی رتبہ پر ہوگا
زمانہ کے تدریجی تغیرات سے ناواقفیت یا ذہول ہے۔ اس میں شک نہیں
کہ علم کے لئے کمالات باطنیہ اور اخلاق حسنہ نہایت ضروری اور زینت ہیں
لیکن ان کا حصول نہ علم کے لئے لازم ہے نہ علم کا ان پر مدار اور توقف ہے
اس کے علاوہ علماء اور مشائخ تصوف کے بعض اخلاق میں بھی فرق ہے۔ یہ
ضروری نہیں کہ ہر وہ چیز جو مشائخ سلوک کے یہاں کمال سمجھی جاتی ہے وہ
علماء کے حق میں بھی کمال ہو۔ ایک معمولی سی چیز حسن ظن اور تحقیق حال ہی
کو دیکھ لو کہ صوفیہ کے یہاں حسن ظن اور مومن کے ساتھ مطلقاً نیک گمان کمال
ہے اور علماء جرح و تعدیل پر مجبور ہیں۔ اسی لئے صوفیہ کی روایات محدثین کے
یہاں اکثر مجروح ہو جاتی ہیں کہ وہ حسن ظن کی بنا پر ہر مومن سے روایت لے
لیتے ہیں اور ان حضرات محدثین کے یہاں جرح و تعدیل مستقل فن بن گیا اور
اس کے مستقل ائمہ بن گئے۔ اس لئے علمی درجہ میں جس چیز کو دیکھنا ہے وہ
یہ ہے کہ جو بات وہ کہہ رہا ہے وہ مذہب کے موافق ہے یا نہیں۔ قرآن و
حدیث کے مطابق ہے یا مخالف۔ سلف صالحین اور فقہائے معتبرین کے

ارشادات سے باہر تو نہیں۔ اگرچہ عملی درجہ میں اُس سے کچھ کوتاہی بھی ہو جاتی ہو۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں ہم نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم لوگ نیک کاموں کا حکم نہ کریں جب تک خود عمل نہ کرلیں اور بری بات سے کسی کو نہ روکیں جب تک خود اُس سے بالکل نہ رُک جائیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا نہیں بلکہ نیک کاموں کا حکم کیا کرو اگرچہ خود عمل نہ کرسکو اور بُری باتوں سے روکا کرو اگرچہ خود اُس سے نہ رُک سکو (جمع الفوائد وحکم علیہ بالضعف وفی مجمع ضعفہ وقدنہ بالحسن)

پانچویں چیز یہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ تغیرِ زمانہ کا اثر دنیا کی ہر چیز پر ہے تو اہلِ مدارس اس سے باہر کہاں جا سکتے ہیں۔ زمانہ جتنا بھی زمانۂ نبوت سے دور ہوتا جائے گا اتنے ہی فتنے و شرور اُس میں بڑھتے جائیں گے۔ لیکن ہم لوگ اپنے اندر ہر قسم کے ضعف و نقصان کو تسلیم کرتے ہیں مگر اہلِ مدارس کے لئے وہی پہلا معیار چاہتے ہیں اور اسی معیار پر جانچنا چاہتے ہیں۔

جب قوائے جسمانیہ کا ذکر آتا ہے ہر شخص کہتا ہے کہ وہ قوتیں کہاں رہیں لیکن جب قوائے روحانیہ مدارسِ علمیہ کا ذکر آتا ہے تو ہر شخص جنید و شبلی بخاری و غزالی کے اوصاف تلاش کرتا ہے اور خود دانشمند بن جاتا ہے حالانکہ دینی انحطاط کی پیشین گوئی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ حضور کا ارشاد ہے۔

لَا يَأْتِي عَلَيْكُمْ عَامٌ وَلَا يَوْمٌ إِلَّا وَالَّذِي بَعْدَهُ شَرٌّ مِنْهُ حَتّٰى

تم پر کوئی سال اور کوئی دن ایسا نہیں آئے گا جس کے بعد والا سال

تَلْقَوْا رَبَّكُمْ كَذَا فِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ بِرِوَايَةِ أَحْمَدَ وَالْبُخَارِيِّ وَغَيْرِهِمَا وَرَقَمَ لَهُ بِالصِّحَّةِ۔ اور دن اُس سے زیادہ برا نہ ہو یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جا ملو۔

مناوی کہتے ہیں کہ یہ دین کے اعتبار سے اور اکثریت کے لحاظ سے ہے یعنی بعض افراد کا اس سے خارج ہونا موجب اشکال نہیں۔ عقمی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں کہ کوئی دن بھی ایسا نہ آئے گا جو علم کے اعتبار سے گزشتہ دن سے کم نہ ہو اور جب علماء نہ رہیں گے اور کوئی نیک باتوں کا حکم کرنے والا اور بری باتوں سے روکنے والا نہ رہے گا تو اس وقت سب ہی ہلاک ہو جائیں گے (جامع الصغیر)

ایک حدیث میں ارشاد نبوی ہے کہ صلحاء ایک ایک ہو کر اُٹھ جائیں گے اور لوگ ایسے رہ جائیں گے جیسے کہ خراب جَو (بھچے ہوئے) اور خراب کھجور (کیڑا لگی ہوئی) کہ حق تعالیٰ شانہٗ ان کی ذرا بھی پروا نہ کریں گے (مشکوٰۃ بروایۃ البخاری)

اس لیے دین اور دینی امور کا انحطاط کمی ضعف تو سب ہی کچھ ہو کر رہے گا ایسی حالت میں صلاح و فلاح کی سعی کرتے ہوئے جو کچھ موجود ہے اُس کو غنیمت سمجھنا ہی ضروری ہے کہ اس کے بعد اس سے کمی ہی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ زمانہ نہیں جن آنکھوں نے اکابر کو دیکھا ہے اُن کے فیوض و علوم سے تمتع حاصل کیا ہے وہ اُن کے بعد والی نسلوں کو تعجب نہ ہو کر اعراض اور روگردانی کرتے ہیں۔ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کے وصال کے بعد حضرت کے اجل خلفاء حضرت سہارنپوری حضرت شیخ الہند

حضرت رائے پوری نوراللہ مرقدہم کی طرف بھی متوجہ نہ ہوئے اور محروم رہ گئے حالانکہ یہ حضرات ہدایت کے آسمانوں کے آفتاب تھے اور اُن سے تعلق رکھنے والے بہت سے اُن کے جانشینوں کی طرف متوجہ نہ ہوئے کہ وہ اُن جانے والوں کا مقابلہ ان سے پہلے والوں کے ساتھ کرنا چاہتے تھے اور چونکہ جانشین بالکل ویسے نہیں تھے اس لئے ان کی نگاہوں میں نہیں جچتے لیکن اس کا اثر اور نتیجہ کیا ہوا خود ان لوگوں کی محرومی ہوئی کہ وہ اپنے اس تخیل کی وجہ سے ترقیات سے محروم رہ گئے۔ حالانکہ یہ نہیں سوچتے کہ جو جا چکے ہیں وہ واپس نہیں آئیں گے اور جو آنے والے ہیں وہ اُن جیسے کبھی نہ ہوں گے ہاں یہ ضرور دیکھیں کہ یہ شخص ضروریات دین پر بھی عمل کرتا ہے یا نہیں کہ اُن کا انکار کرنے والا تو سرے سے اسلام ہی میں نہیں ہے۔ اس کے بعد جو شخص جتنا زیادہ اتباع سنت کا دلدادہ ہے اتنا ہی ہدایت یافتہ ہے کہ اصل ہدایت طریقہ سنت ہے۔

تیسری چیز یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ اہل علم آخر ہم ہی لوگوں میں سے پیدا ہوں گے اور ہوتے ہیں کہیں باہر سے دوسری مخلوق نہیں آتی۔ اس لئے جس قسم کے لوگوں سے وہ تیار ہوں گے اکثر ویسے ہی اثرات اپنے میں رکھیں گے۔ جیسا لوہا ہوگا ویسی ہی تلوار بن سکے گی اور جیسی مٹی ہوگی ویسا ہی برتن ڈھلے گا جیسا تانبا ہوگا ویسی ہی اُس پر قلعی ہوگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے خِیَارُکُمْ فِی الْجَاهِلِیَّةِ خِیَارُکُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِهُوْا (مشکوٰۃ بروایۃ الشیخین) تم میں سے جو لوگ جاہلیت کے زمانہ میں بہترین تھے

ہوتے ہیں وہی اسلام میں بھی بہترین ہیں بشرطیکہ فقیہ اور عالم بن جائیں۔
اب بھی یہی بات ہے کہ جو لوگ ذاتی شرافتوں کے ساتھ علم دین حاصل کرتے
ہیں وہ اخلاق حسنہ کے منتہا پر پہنچے ہوئے ہوتے ہیں اور کچھ علم دین کے ساتھ
مخصوص نہیں۔ دنیاوی علوم میں دیکھ لو کہ ذاتی شرافت سے عاری لوگ جب
دنیوی علوم پڑھ کر اعلیٰ عہدوں پر پہنچتے ہیں تو وہ کس قدر رشوت ستانی
ومظالم سے خلق خدا کی اذیت کا سبب بنتے ہیں اس لئے اگر عام طور سے
مسلمانوں کے بہترین دماغ علوم دینیہ کی طرف متوجہ نہ ہوں تو یہ علماء کا قصور
نہیں بلکہ خود ان کا قصور ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات قیامت
میں شمار کیا ہے کہ بڑے لوگوں میں فواحش کی کثرت ہو جائے گی اور حکومت
چھوٹے لوگوں میں اور کم حیثیت طبقوں میں ہوگا اچھے لوگ دین کے
بارے میں مداہنت کرنے لگیں گے (اشاعۃ) ایک حدیث میں آیا ہے کہ علم
چھوٹے لوگوں کے پاس سے حاصل کیا جائے گا (اشاعۃ) یعنی بڑے دنیوں
کو جب مال اور جاہ کی بدولت علوم دینیہ حاصل کرنے کی فرصت نہ
ملے گی کس قدر غلط بات ہے کہ جو لوگ فارغ البال ہیں کچھ آسودگی رکھتے ہیں
وہ اپنی قیمتی عمروں کو کس قدر بے کار ضائع ہو جانے والی فنا ہو جانے والی
کوششوں میں تلف کر دیتے ہیں۔ کیا ان حضرات کے پاس اللہ کے یہاں
جواب دہی کے لئے کوئی عذر ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی کے دونوں قدم قیامت
کے دن اس وقت تک اپنی جگہ سے نہ ہٹیں گے جب تک پانچ باتوں کا

جواب دہی نہ کر لے گا اپنی عمر کو کس چیز میں خرچ کیا اپنی جوانی کو کس جگہ
صرف کیا (یعنی اس جوانی کی قوت و طاقت کو رضائے الٰہی میں خرچ کیا یا نارضی
میں) اور اپنے مال کو کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا (یعنی مال کے کمانے
کے ذرائع جائز اختیار کئے یا ناجائز طریقہ سے حاصل کیا۔ مثلاً رشوت سود
اور دوسرے ناجائز معاملات۔ اسی طرح جہاں خرچ کیا وہ جائز تھا یا ناجائز
تھا۔ اسراف اور بخل کے درمیان تھا یا کسی ایک جانب بڑھا ہوا تھا)
اور جو کچھ علم حاصل کیا اس پر کیا عمل کیا، علم حاصل کرنا مستقل فریضہ ہے
اور جو کچھ حاصل کیا اس پر عمل کرنا مستقل امر ہے لاعلمی سے کسی معصیت
میں مبتلا ہونا ایک گناہ ہے اور علم کے باوجود اس پر عمل نہ کرنا اور گناہ میں
مبتلا ہونا اور بھی زیادہ سخت ہے (مشکوٰۃ) اس لئے جو لوگ اپنی عمروں کو
اور اس زندگی کو جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ کی رضا
کے علاوہ کسی چیز میں ضائع کر رہے ہیں وہ خود ہی جواب دہی کی فکر کر لیں۔
اس دربار میں نہ تو کسی کی وکالت اور بیرسٹری کام آنے والی ہے نہ نفسانی اور
جھوٹے گواہ مدد کر سکتے ہیں ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ ان پانچ باتوں
کے جواب کی تیاری رکھے۔ بڑی عدالت میں جواب دہی کرنا ہے۔

نیز مقصود تو اس طرف توجہ دلانا ہے کہ ذاتی اور نسبی اوصاف اثر رکھتے
ہیں اس لئے حضور نے الائمۃ من قریش ارشاد فرمایا۔ حضرت عمر ایک مرتبہ شب کو
مدینہ طیبہ کی پاسبانی فرما رہے تھے۔ چلتے چلتے تکان کی وجہ سے ایک دیوار
سے سہارا لگا کر تھوڑی دیر کے لئے کھڑے ہو گئے۔ ایک بڑھیا کی آواز آئی جس

نے اپنی لڑکی کو آواز دے کر کہا کہ دودھ میں پانی ملا دے، لڑکی نے عذر کیا کہ امیرالمومنین کی طرف سے اس کی ممانعت کا اعلان ہو چکا ہے۔ ماں نے کہا کہ امیرالمومنین کیا یہاں بیٹھے دیکھ رہے ہیں۔ لڑکی نے کہا یہ تو بہت ہی ناموزوں ہے کہ سامنے تو امیر کی اطاعت کریں اور پس پردہ۔ فوراً یہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمرؓ نے اس مکان کو ذہن نشین فرمایا اور صبح ہوتے ہی اپنے صاحبزادے حضرت عاصمؓ کی منگنی اس لڑکی سے بھیج دی۔ اسی لڑکی کی اولاد سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ پیدا ہوئے ازالۃ الخفا ص۳۰

ساتویں چیز یہ بھی قابل غور ہے کہ قوم کی طرف سے علمی مشاغل اور دینی خدمت کے لئے علی العموم کن افراد کو چنا جاتا ہے۔ آپ خاص طور سے دیکھیں گے کہ جس شخص کے کئی بیٹے ہیں اُن کو اوّل خاص طور سے دنیوی علوم میں لگایا جائے گا اسی کی سعی کی جائے گی، انتھک کوشش کی جائے گی، جب اس سے مایوسی ہو جائے گی تب وہ دینی مدرسہ کے سپرد کیا جائے گا۔ کیا یہ دین اور خدا دین پر سخت ظلم نہیں کیا اللہ کے یہاں اس کا جواب دینا نہیں۔ بہت کم خاندان ایسے ملیں گے جہاں دینی علوم کے حاصل کرنے کو مستقل مقصود اور اصل سمجھا جاتا ہو۔ ورنہ عام طور سے مجبوری کا نام صبر ہے۔ علوم عربی کے حاصل کرنے والے وہی افراد ملیں گے جو اپنے مربیوں کی غربت و افلاس سے دنیوی علوم حاصل کرنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں۔ ایسی صورت میں وہ یقیناً ضرورتمند بھی ہوں گے وہ سوال کی طرف بھی مضطر ہوں گے اور حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو اُن کا سوال کی طرف مضطر ہونا اُن کی بے غیرتی نہیں ہے ان لوگوں کی بے غیرتی ہے جو

خود اُن کی ضروریات کی فکر اپنے ذمہ نہیں سمجھتے۔ جب یہ لوگ ان کی دینی ضروریات
کا تکفل کرتے ہیں تو کیا شرعاً عقلاً عرفاً اُن کی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ اُن کو
ضروریاتِ بشریہ سے سبکدوش رکھیں یہی وجہ ہے کہ اس دورِ انحطاط میں معدود
سے جو افراد علومِ دینیہ کو حاصل کرتے ہیں اور وہ کسی درجہ میں ذی استعداد
ذی فہم ہو جاتے ہیں وہ اس زندگی کو جو دنیاداروں کی نگاہ میں ذلت ہے اکثر
خیرباد کہہ کر یا طب پڑھتے ہیں یا پھر کسی ڈگری وغیرہ کی فکر میں لگ کر دنیوی
مشاغل ملازمت، تجارت وغیرہ میں مشغول ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ اپنے ان علوم
سے جن کو محنت و مشقت سے حاصل کیا تھا بیگانہ ہو جاتے ہیں۔ اول تو ان
علومِ دینیہ کی طرف آمد ہی کم تھی اور آنے کے بعد بھی پھر معظم حصہ اس سے نکل
جاتا ہے۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ الزام کس پر ہے لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ چند بھائیوں
کی جائیداد ہو اور وہ خود ملازم پیشہ ہوں تو اپنے میں سے کسی ایک کو جائیداد
کے انتظام کے واسطے منت سماجت سے لجاجت سے، خوشامد سے اس
پر راضی کیا جائے گا کہ وہ اپنی ملازمت کو خیرباد کہے اور سب کی جائیداد کی
خبرگیری کرے اپنی تنخواہ اس مشترک کھاتے سے نکالے اور اس ایثار پر اُس
کا احسان مند ہونا پڑے گا۔ وہ بھی دس نخرے کرے گا۔ یہ سب کیوں ہے۔
اس لیے کہ جائیداد کی حفاظت کی ضرورت ہے سخت مجبوری ہے وہ ضائع نہ
ہو جائے۔ لیکن گھرانے کے چند بھائی نہیں سارے محلہ کے متنفس نہیں پورے
گاؤں پورے قصبہ اور تمام شہر کو اس کی ضرورت نہیں کہ وہاں دین سے
واقف مسائل سے واقف ضروریاتِ دین کا پورا کرنے والا کوئی شخص ہو یہ

کیوں اس لئے کہ دین کی ضرورت نہیں ہے اس کے ضائع ہونے سے کچھ نقصان نہیں ہے۔ ہر شخص اردو کے چند رسائل دیکھ کر خود عالم بن سکتا ہے اور بن جاتا ہے حالانکہ حق تعالیٰ شانہٗ نے جہاد جیسی عظیم الشان اور ضروری چیز میں بھی اس کی رعایت کا حکم فرمایا کہ سب کے سب جہاد میں نہ چل دیں بلکہ علم سیکھنے کے لئے بھی ایک جماعت باقی رہے چنانچہ سورہ توبہ کے اخیر میں فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ اَلْاٰیۃ میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ ہر فرقہ میں ایک فقہاء کی جماعت رہنا چاہیئے۔

آٹھویں چیز یہ بھی قابل غور ہے کہ ہر شخص کا مقابلہ علم کے بعد اُسی کی حیثیت سے ہو سکتا ہے۔ یہ ظلم محض ہے کہ ایک جانب دین یا دنیا کے اعتبار سے اعلیٰ طبقہ لے لیا جائے اور دوسری جانب ادنیٰ طبقہ شمار کیا جائے ہر شخص کے متعلق یہ دیکھنا چاہیئے کہ اگر علم کے ساتھ متصف نہ ہوتا تو اپنے احوال کے اعتبار سے یا اپنی حیثیت کے اعتبار سے کن اخلاق و اوصاف اور کن مشاغل کا اختیار کرنے والا ہوتا اس کے بعد اب غور کیا جائے کہ علم نے کتنی اصلاح کی ہے مثال کے طور پر میں نے یہ چند امور ذکر کئے ہیں غور سے اور بھی بہت سے امور کا اس میں اضافہ ہو سکتا ہے میں نے تو جو کچھ لکھا ہے وہ بھی بمجبوری لکھا ہے بس

کہنا پڑا مجھے بھی اعزام پند گو
وہ ماجرا جو قابل شرح و بیاں نہیں

اس سب کے بعد مجھے اس چیز سے بھی انکار نہیں ہے کہ علماء سوء اور

علمائے حق دو مستقل علیحدہ علیحدہ قسمیں ہیں علماء سو کے متعلق احادیث میں بڑی سخت سے سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ جہنم میں سب سے پہلے جانے والے طبقہ میں بھی اُن کو شمار کیا ہے خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا بھی اُن کو بتایا ہے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص علم اس لئے حاصل کرتا ہے کہ اس سے دُنیا کمائے وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکتا (ترغیب) حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو علم اس لئے حاصل کرے کہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ اور مائل کرے وہ جہنم میں داخل کیا جائے گا (ترغیب) حضورؐ کا ارشاد ہے کہ بدترین لوگوں کے بدترین علماء ہیں (ترغیب) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ علم دو طرح کا ہوتا ہے ایک وہ علم ہے جو صرف زبان پر ہو دل میں اس کا کچھ بھی اثر نہ ہو، وہ اللہ کی حجت ہے مخلوق پر (کہ اللہ جل شانہٗ نے اپنی حجت تمام فرما دی) اور ایک علم وہ ہے جو دل میں ہو وہی علم نافع ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اخیر زمانہ میں عابد لوگ (یعنی صوفی) جاہل ہوں گے اور عالم فاسق۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ علم اس لئے نہ سیکھو کہ علماء سے اُس سے مقابلہ کرو اور بے وقوفوں سے اُس کے ذریعہ سے جھگڑو اور لوگوں کو اس کی وجہ سے اپنی طرف متوجہ کرو جو شخص ایسا کرے گا وہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ میں اس اُمت پر سب سے زیادہ خائف منافق عالم سے ہوں لوگوں نے عرض کیا کہ منافق عالم کیسا ہوتا ہے ارشاد فرمایا کہ زبان کا عالم اور دل کا جاہل۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں تُو ایسا نہ بن کہ علماء کا

کہ علم کا حاصل ہو کر اور علم کی تحقیقات و ندرہ کا واقف ہو کر بے وقوفوں کے
سے عمل کرنے لگے۔ ابراہیم بن عیینہ سے کسی نے پوچھا کہ سب سے زیادہ دیر
کون شخص ہے انہوں نے فرمایا کہ دنیا میں شرمندہ وہ ہے جو احسان فراموش
کے ساتھ احسان کرے اور موت کے وقت شرمندہ وہ عالم ہے جو حدود سے بڑھ
جائے۔ حضرت حسن کا یہ بھی ارشاد ہے کہ علماء کا عذاب دل کی موت ہے اور
دل کی موت یہ ہے کہ آخرت کے عمل سے دنیا کمانے لگے۔ یحییٰ بن معاذ کہتے
ہیں کہ علم و حکمت سے جب دنیا کمائی جاتی ہے تو اُن کی رونق جاتی رہتی ہے
حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ جب تم کسی عالم کو دنیا سے محبت رکھنے والا دیکھو
تو اپنے دین کے بارہ میں اُس کو متہم سمجھو اس لئے کہ ہر چیز کا محبت کرنے
والا اسی میں گھس جاتا ہے جس سے اس کو محبت ہوتی ہے۔ مالک بن دینار
کہتے ہیں کہ میں نے بعض کتابوں میں لکھا دیکھا ہے حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے
ہیں جب کوئی عالم دنیا سے محبت کرنے لگتا ہے تو کم سے کم درجہ میں اُس
کے ساتھ یہ کرتا ہوں کہ اپنی مناجات کی حلاوت اس کے دل سے نکال دیتا
ہوں (احیاء)

یہ سب ارشادات در اصل تنبیہ، بہت سے فرامین الٰہیہ علماء سو کے
بارے میں کثرت سے وارد ہوئے ہیں لیکن یہ بات کہ فلاں شخص یا فلاں جماعت
علمائے حق میں ہے اور فلاں شخص اور فلاں جماعت علماء سو میں ہے یہ ہمارے
اختیار میں نہیں ہے یہ بھی شریعت ہی کی میزان سے معلوم ہو سکتی ہے یہ نہیں
ہو سکتا کہ جو شخص ہماری رائے کے موافق ہے وہ علمائے حق ہے اور جو

ہی وہ کوئی بات ہماری رائے کے خلاف کہہ دے وہ فوراً علمائے سوء کی فہرست میں داخل ہو کر گردن زدنی بن جائے۔ کل تک ہماری رائے فلاں مسئلہ میں جماعت کے موافق تھی لہٰذا جتنے علماء اس کے موافق تھے وہ سب علمائے حق تھے اور آج ہماری رائے اس کے خلاف ہو گئی تو جتنے علماء اس پہلے خیال پر باقی ہیں آج سے سب علمائے سوء کی کالی فہرست میں داخل ہو گئے۔ علمائے حق اور علمائے سوء ہونے کا دار و مدار صرف قرآن و حدیث کے موافق علم و عمل پر ہے اور بس۔ لیکن ہم لوگوں کی حالت یہ ہے کہ اپنی فہم نارسا اور جذبات کو پیش نظر رکھ کے زیر نظر ایک مسئلہ خود ہی گھڑ لیتے ہیں اس کے بعد جو شخص اس کے موافق ہے وہ بڑا علامہ ہے واقف اسرار ملت ہے رموز شریعت کا ماہر ہے خواہ وہ کتنا ہی جاہل اور بے علم ہو قرآن و حدیث سے ذرا بھی مس نہ ہو اور جو اکابر ہماری اس رائے کے خلاف ہیں خواہ وہ کتنے ہی علوم کے ماہر ہوں حقیقتاً رموز شریعت کے ماہر ہوں اور صحیح معنی میں واقف اسرار ملت ہوں لیکن ہم لوگ ہر برے سے برے لفظ کے ساتھ ان کا مضحکہ اڑانے کے لئے ان کو ذلیل کرنے کے لئے تیار رہیں حالانکہ سلف صالحین نے صوفیہ کرام کو بھی اس کی اجازت نہیں دی کہ وہ اپنی غیبی معرفت سے اپنے باطنی علوم کی روشنی سے کوئی ایسی بات اختیار کریں جو علمائے ظاہر کے خلاف ہو۔ اہل فن کے اقوال ان کی کتابیں اس مضمون سے لبریز ہیں۔

حضرت اقدس مجدد الف ثانی[7] اپنے ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے

ہیں جو مولانا امان اللہ فقیہ کے نام تحریر فرمایا ہے کہ سالک کے لیے سب سے اوّل وہ اعتقاد ضروری ہے جس کو علمائے اہل سنت والجماعت نے قرآن و حدیث اور آثار سلف سے استباط فرمایا ہے نیز قرآن و حدیث کا ان معانی پر حمل کرنا بھی ضروری ہے جو علمائے حق نے کتاب و سنت سے سمجھے ہیں اگر بالفرض اس کے خلاف کوئی معنی کشف یا الہام سے ظاہر ہوں اُن کا ہرگز اعتبار نہیں اور ایسے معنیٰ سے پناہ مانگنا چاہیئے اور اللہ جل جلالہٗ سے دعا کرنا چاہیئے کہ اس گرداب سے نکال کر علمائے حق کی صائب رائے کے موافق امور کو ظاہر فرمادے اُن کی رائے کے خلاف کوئی چیز بھی زبان سے ظاہر نہ کرے اور اپنے کشف کو اُن معانی کے موافق بنانے کی کوشش کرے جو اُن حضرت نے سمجھے ہیں اس لئے کہ جو معانی اُن حضرت کے سمجھے ہوئے معنی کے خلاف دل میں آئیں وہ ہرگز بھی قابل اعتبار نہیں بلکہ ساقط ہیں کیونکہ ہر گمراہ شخص اپنے معتقدات کو قرآن و حدیث ہی سے ثابت کرنا چاہتا ہے یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِیْ بِهٖ كَثِيْرًا اور یہ بات کہ ان حضرات ہی کے سمجھے ہوئے معانی صحیح ہیں اس لئے ہے کہ ان حضرات نے یہ معانی کو صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کے آثار سے سمجھا ہے اور ہدایت کے ستاروں کے انوار سے اخذ کیا ہے لہٰذا نجات ابدی اُن کے ساتھ مخصوص ہے اور دائمی فلاح اُن کا ہی حصہ ہے اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (یہی لوگ اللہ کی جماعت ہیں اور اللہ کی جماعت ہی فلاح پانے والی ہے) اور اگر بعض علماء باوجود صحیح العقیدہ ہونے کے مسائل میں کچھ سستی

کرتے ہیں یا اعمال میں کوتاہی کرتے ہیں اور تقصیرات کا ارتکاب کرتے ہیں تو اس وجہ سے مطلق علماء کی جماعت پر انکار کرنا یا سب کو مطعون کرنا کمال بے انصافی ہے بلکہ اکثر ضروریاتِ دین کا انکار ہے اس لیے کہ ضروریاتِ دین کے بتانے والے یہی لوگ ہیں اور یہی حق ناحق کو پرکھنے والے ہیں۔

لَوْلَا نُوْرُ هِدَايَتِهِمْ لَمَا اهْتَدَيْنَا وَلَوْلَا تَمْيِيْزُهُمُ الصَّوَابَ عَنِ الْخَطَاءِ لَغَوَيْنَا هُمُ الَّذِيْنَ بَذَلُوْا جُهْدَهُمْ فِيْ اِعْلَاءِ كَلِمَةِ الدِّيْنِ الْقَوِيْمِ وَ اَسْلَكُوْا طَوَائِفَ كَثِيْرَةً مِّنَ النَّاسِ عَلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ فَمَنْ تَابَعَهُمْ نَجٰى وَاَفْلَحَ وَمَنْ خَالَفَهُمْ ضَلَّ وَاَضَلَّ۔

(دفتر اول حصہ پنجم ۔ مکتوب ۲۸۶)

اگر ان لوگوں کی ہدایت کا نور نہ ہوتا تو ہم لوگ ہدایت یافتہ نہ ہوتے اور ان لوگوں کا غلط و صحیح کو ممتاز کر دینا نہ ہوتا تو ہم گمراہ ہو جاتے۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی کوشش کو دینِ متین کے بلند کرنے میں خرچ کیا اور بہت سی جماعتوں کو صراطِ مستقیم پر چلایا پس جو شخص ان کا اتباع کرے گا کامیاب ہوگا اور نجات پائے گا اور جو ان کی مخالفت کرے گا وہ خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔

دوسری جگہ ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

لَا تَعْتَبِرْ بِكَلَامِهِمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ مُطَابِقًا بِحُكْمِ الشَّرِيْعَةِ فَلَا اعْتِبَارَ لَهٗ فَضْلًا عَنْ اَنْ يَّكُوْنَ مُسْتَحْسَنًا وَ مُتَّبِعًا وَاِنَّمَا الشَّرْعُ مُحْكَمَةٌ

اس بات کو جان لے کہ صوفیہ کا کلام اگر شریعت کے احکام کے موافق نہیں ہے تو اس کا کچھ بھی اعتبار نہیں وہ دلیل اور قابلِ تقلید کیسے ہو سکتا ہے

وَلِلتَّقْيِيدِ بِأَقْوَالِ الْعُلَمَاءِ مِنْ أَهْلِ السُّنَّةِ فَمَا وَافَقَ أَقْوَالَهُمْ مِنْ كَلَامِ الصُّوفِيَّةِ يُقْبَلُ وَمَا خَالَفَهُمْ لَا يُقْبَلُ (مکتوبات دفتر اول حصہ پنجم صفحہ ۲۸۹)	دلیل اور تقلید کے قابل صرف علمائے سنت کے اقوال ہیں صوفیہ کے اقوال میں سے جو قول علماء کے اقوال کے موافق ہوگا وہ معتبر ہوگا جو اس کے خلاف ہوگا وہ غیر مقبول ہے۔

جب اکابر صوفیہ کا یہ حال ہے کہ جن کے قلوب حقیقۃً روشن ہیں اللہ جل جلالہ کی عظمت اور دین کا احترام، دینیات کی وقعت اور احکام شرعیہ پر مرمٹنا اُن کی جان ہے۔ جب اُن کے اقوال بھی علما کی موافقت کے بغیر ناقابل احتجاج ناقابل تقلید ناقابل بیان ہیں تو پھر اُن لوگوں کے اقوال وافعال کا کیا اعتبار ہوسکتا ہے جنہیں نہ دین کی خبر ہے نہ قرآن پاک اور احادیث اور اقوال سنت کی واقفیت ہے۔ کلام اللہ شریف کا ترجمہ دیکھ اور ایک مطلب سمجھ لیا اُس کے بعد پھر وہ مستقل مجتہد ہیں اور اُس کے خلاف کوئی عالم بلکہ سارے علماء مل کر بھی جو کہیں وہ سب لغو و بے کار ہے حالانکہ قرآن وحدیث کا مطلب وہی ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرما گئے اور عمل کر کے بتا گئے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۭ اَلْاٰيَۃ۔ (سورہ سجدہ رکوع ۵) بلا شبہ جو لوگ ہماری آیتوں میں الحاد کرتے ہیں وہ ہم پر مخفی نہیں بھلا جو شخص آگ میں ڈال دیا جائے وہ اچھا ہے یا وہ شخص جو قیامت کے دن امن وامان کے ساتھ آئے۔ تم جو چاہے اعمال کرو حق تعالیٰ شانہٗ تمہارے اعمال کو دیکھنے والے ہیں۔ در منثور میں متعدد صحابہ اور تابعین سے یہ

کی تفسیر یہ نقل کی گئی ہے کہ قرآن پاک کی آیات کو کسی دوسرے محمل پر محمول کیا جائے۔ سیکڑوں احادیث میں سلف کے اتباع کا حکم ہے۔

عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَاَنَّ هٰذِهٖ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَاَوْصِنَا فَقَالَ اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَاِنَّهٗ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرٰى اخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (صبح کی) نماز ہم کو پڑھائی اس کے بعد ہماری طرف متوجہ ہو کر وعظ فرمایا جو ایسا بلیغ تھا کہ سننے والوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دل خوف سے لرزنے لگے۔ کسی صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو ایسا وعظ ہے گویا الوداعی (اور آخری وعظ) ہو۔ پس ہم کو کوئی وصیت فرما دیجئے (یعنی کوئی ایسی پختہ بات فرما دیجئے جس کو مضبوط پکڑے رکھیں)۔ ارشاد فرمایا میں تم کو اس کی وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کا تقویٰ کرتے رہنا اور امیر کی اطاعت خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ میرے بعد جو تم میں سے زندہ رہے گا وہ بڑے اختلافات دیکھے گا پس میرے طریقہ کو اور خلفائے

وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔
(رواہ احمد وابوداؤد والترمذی و ابن ماجہ کذا فی المشکوٰۃ)

راشدین کے جو کہ ہدایت یافتہ ہیں طریقہ کو مضبوط پکڑے رہنا اُسی کا اتباع کرنا اور دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا نئی نئی باتوں سے احتراز رکھنا کہ دین میں) ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک نہایت اہم خط سنت کے اہتمام اور صحابہ کرامؓ کے اتباع کے بارے میں لکھا ہے جو ابوداؤد شریف میں مذکور ہے۔ اُس کا ہر حرف قیمتی ہے اُس میں تحریر فرماتے ہیں۔ فَمَا دُوْنَهُمْ مِنْ مقصر وَمَا فَوْقَهُمْ مِنْ محسر وَقَدْ قصر دُوْنَهُمْ فَجَفَوْا وَطمع عَنْهُمْ اَقْوَامٌ فَغَلَوْا وَاِنَّهُمْ بَيْنَ ذٰلِكَ لَعَلٰى هُدًى مُسْتَقِيْمٍ۔ ان کے اتباع میں کوتاہی کرنا تنقیص ہے اور اس سے آگے بڑھنا تکان ہے۔ ایک جماعت نے اس سے کوتاہی کی تو خطا کیا اور دوسری اس سے آگے بڑھ گئی انہوں نے غلو کیا۔ صحابہ کرام اسی افراط و تفریط کے درمیان میں سیدھے راستہ پر ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہی سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء نے جو طریقے جاری کئے ہیں اُن کو اہتمام سے پکڑنا ہی اللہ کی کتاب کی تصدیق اور اس کی اطاعت ہے اور دین کی قوت ہے۔ نہ کسی کو ان کی تبدیلی کا حق ہے نہ تغیر کا نہ ان کے مخالف کی رائے قابل غور ہے جو ان کا اتباع کرے وہ ہدایت یافتہ ہے

اور جو ان چیزوں سے مدد حاصل کرے وہ منصوص ہے جو ان کے خلاف کرے اور مومنین کے علاوہ کوئی راستہ اختیار کرے اللہ جل شانہٗ اس کو اپنے اختیار کردہ راستہ پر عمل کرنے دیں گے اور جہنم میں پھینک دیں گے جو نہایت ہی برا ٹھکانا ہے (شفا) حق تعالیٰ شانہٗ توفیق عطا فرمائے کہ ہم لوگ ان اسلاف کے قدم بہ قدم چلتے رہیں۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

اس ساری تحریر سے یہ بات واضح ہو گئی ہوگی کہ علمائے حق کا اتباع اور احترام نہایت ضروری اور نہایت اہم ہے ان کا احترام نہ کرنا اپنی بربادی ہے اپنی ہلاکت ہے ان کی کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو سمجھ کا قصور ہے ہاں ان کی بات محقق طور پر شرع کے خلاف ہو تو اس بات کا لینا جائز نہیں ہے مگر اس کی وجہ سے ان سے دوری اپنے بقیہ امور دینیہ کا نقصان ہے جیسا کہ میں خط کے شروع میں حضرت معاذؓ کی وصیت سے لکھ چکا ہوں۔ اس کے بالمقابل علمائے سوء کی بات ناقابل التفات ہے ناقابل عمل ہے وہ قابل احتراز ہیں قابل دوری ہیں البتہ اگر کوئی بات ان کی شریعت کے موافق ہو تو وہ قابل عمل ہے اور ضرور لی جائے لیکن اس کا پہچاننا کہ یہ بات شریعت کے موافق ہے اور یہ شریعت کے خلاف ہے خود شریعت سے واقفیت پر موقوف ہے محض اپنی رائے سے نہ کسی بات کو شریعت کے موافق کہہ سکتا ہے نہ شریعت کے خلاف جیسا کہ کسی غیر شرعی چیز کو شریعت بنا لینا گناہ ہے اور قابل رد ہے۔ اسی طرح کسی شریعت کی بات کو رد کر دینا بھی سخت مصیبت ہے اور جس چیز میں اشتباہ پیدا ہو اس میں احتیاط کی جائے

عمل کرنا چاہیے۔

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَّالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِيْ يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يَّرْتَعَ فِيْهِ اَلَا وَاِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى اَلَا وَاِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهٗ اَلَا وَاِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ كَذَا فِي الْمِشْكٰوةِ بِرِوَايَةِ الشَّيْخَيْنِ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حلال کھلا ہوا ہے اور حرام ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جن کو بہت سے آدمی نہیں جانتے پس جو شخص شبہ کی چیزوں سے بچا اس نے اپنے دین کو اور آبرو کو (عیب سے) پاک صاف رکھا اور جو شبہ کی چیزوں میں پڑا وہ حرام میں بھی مبتلا ہو جائے گا جیسا کہ وہ چرواہا کہ باڑہ (علاقہ ممنوعہ) کے قریب اپنے جانوروں کو چرائے قریب ہے کہ جانور باڑہ کے اندر بھی چرنے لگیں گے خبردار ہو کہ ہر بادشاہ کے لئے ایک باڑہ (یعنی ممنوعہ علاقہ) ہوتا ہے اللہ کا ممنوعہ علاقہ اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں خبردار ہو کہ بدن میں ایک ٹکڑا ایسا ہے کہ جب وہ درست رہتا ہے تو سارا بدن درست رہتا ہے

اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے اور وہ ٹکڑا دل ہے۔

ایک دوسری حدیث میں۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاَمْرُ ثَلٰثَةٌ اَمْرٌ بَيِّنٌ رُشْدُهٗ فَاتَّبِعْهُ وَاَمْرٌ بَيِّنٌ غَيُّهٗ فَاجْتَنِبْهُ وَ اَمْرٌ اُخْتُلِفَ فِيْهِ فَكِلْهُ اِلَى اللّٰهِ۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ كَذَا فِى الْمِشْكٰوةِ۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ امور تین طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ امر ہے جس کا حق ہونا کھلا ہوا ہو اس کا اتباع کرو ایک وہ امر ہے جس کی گمراہی واضح ہو اس سے پرہیز کرو۔ ایک وہ امر ہے جس میں اختلاف ہو۔ (اور حق ناحق واضح نہ ہو) اس کو اللہ کے سپرد کرو۔

اللہ کے سپرد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی رائے سے بے دلیل کوئی حکم نہ لگاؤ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ مذہب اسلام (حنفی مذہب) ہے اس کی ہدایات کے لئے ہر مسئلہ کے تحقیق کی ضرورت ہے اللہ جل جلالہ اور اس کے سچے رسول نے کوئی دین کا جز ایسا نہیں چھوڑا جس کے باب میں اصولی یا فرعی کوئی حتمی اور قطعی فیصلہ نہ فرما دیا ہو اس لئے ہدایات ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور ان اور اسی طرح صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے اقوال بغیر چارہ کار نہیں ہے اسی وجہ سے علم کی تحصیل کرنا ہر مسلمان پر فرض کیا گیا ہے کہ بغیر علم کے دین کے احکام کا پتہ نہیں چل سکتا اس لئے ضروری ہے کہ

ہر شخص اپنی دینی ضروریات سے خود واقف بنے اور اگر یہ نہ ہو سکتا ہو تو دوسرے درجہ میں ، محلہ کسی عالم کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے ۔ جو لوگ نہایت بے فکری سے کہہ دیتے ہیں کہ آج کل علماء ایسے ہی ہیں اور چنیں ہیں چناں ہیں ہم علماء کی سنتے ہی نہیں وہ اپنے کو زیادہ مشکلات میں پھنسا رہے ہیں کہ اگر واقعی ان کو علماء پر اعتماد نہیں ہے تو اُن کو اس بغیر چارہ کار ہی نہیں ہے کہ دین کا علم خود سیکھیں تاکہ شریعت کے موافق احکام پر عمل کر سکیں ۔ اللہ جل شانہ کے یہاں اس کی کوئی پوچھ نہ ہوگی کہ دنیوی وجاہت کے لئے اتنی تنی ڈگریاں حاصل کی تھیں یا بنک میں جمع کرنے کے لئے اتنا اتنا مال کمایا تھا وہاں جس قدر وقعت اور پوچھ ہے وہ صرف دین کی ہے اور اسی کے لئے ہماری پیدائش ہے قرآن پاک کا قطعی فیصلہ ہے ۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ مَا أُرِيدُ مِنْهُم مِّن رِّزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَن يُطْعِمُونِ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ۔ (سورہ ذاریات رکوع ۳)	میں نے جن اور انسان کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کیا کریں نہ میرا مقصود ان سے یہ ہے کہ وہ (مخلوق کو) روزی دیا کریں نہ یہ کہ وہ مجھے کھلایا کریں ۔ اللہ تعالیٰ خود ہی سب کو رزق پہنچانے والے

ہیں اور قوت والے نہایت قوت والے ہیں ۔

دوسری جگہ ارشاد ہے ۔

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَوٰةِ وَاصْطَبِرْ	اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کیجئے اور

عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۔
(سورہ طٰہٰ ۔ رکوع ۸)

خود بھی اس کا اہتمام کرتے رہئے ہم آپ سے روزی (کموانا) نہیں چاہتے روزی تو ہم دیں گے اور بہترین انجام تو پرہیزگاری ہی کا ہے ۔

میں روپیہ جمع کرنے یا کمانے کو نہیں روکتا ۔ میرا مقصود یہ ہے کہ ہم لوگوں کی پیدائش صرف دین کے لئے ہے، اللہ کی عبادت کے لئے بنے اُس کی فرمانبرداری اور اطاعت کے لئے ہے ۔ اُس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ ہماری کم ظرفی ناصبری کی وجہ سے ہے اور غیر مقصود ہے اس لئے مقصود اور غیر مقصود میں فرق ہونا تو ضرور چاہئے نہ یہ کہ آج کل کے رواج کے موافق ڈاڑھی سے مونچھ بڑھ جائے اس لئے میں تم کو ایک خاص وصیت اور نصیحت کرتا ہوں کہ جب رات کو سب مشاغل سے نمٹ کر سونے لیٹ کرو تو تھوڑی دیر یہ غور کر لیا کرو کہ آج کے تمام دن میں کتنا وقت عبادت اور دین میں خرچ کیا جو اصل مقصود تھا اور کتنا وقت دنیا کے لغو دھندوں میں خرچ کیا اور پھر دونوں وقتوں کا موازنہ کیا کرو کہ دونوں میں کیا نسبت ہے اگر دینی مشاغل کا وقت دنیوی مشاغل سے بڑھتا نہیں تو کم از کم برابر تو ہونا چاہئے ۔ اور جب دین اصلی غرض اصلی مقصد ہے تو اس کی جتنی ضروریات ہوں گی وہ مقصود ہی کے حکم میں ہوں گی ۔ فقہا نے تصریح کی ہے کہ ہر شخص پر جتنے علم کا وہ اپنے دین کے تحفظ میں محتاج ہے اتنا سیکھنا فرض ہے (درمختار)

علامہ شامی نے نقل کیا ہے کہ منجملہ اسلام کے فرائض کے علم کی اس مقدار کا سیکھنا بھی فرض ہے جس کا وہ اپنے دین کی حفاظت و بقا میں محتاج ہے لہذا ہر مکلف پر اصولِ دین کے سیکھنے کے بعد وضو غسل نماز روزہ کے احکام سیکھنا فرض ہے اور جو مالدار ہو اُس کو زکوٰۃ کے مسائل کا سیکھنا بھی فرض ہے اور جس کے پاس کچھ مال زیادہ ہو اُس کو حج کے احکام کا سیکھنا بھی ضروری ہے اور جو تجارتی مشغلہ رکھتا ہو اُس کو بیع و شرا کے مسائل کا سیکھنا بھی ضروری ہے۔ اسی طرح سے ہر وہ شخص جو کسی پیشہ کو اختیار کئے ہوتے ہو اُس پیشہ کے مسائل کا سیکھنا اس پر ضروری ہے۔

تبیین المحارم میں لکھا ہے کہ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ آدمی کے لئے اسلام کے پانچوں ارکان کا سیکھنا ضروری ہے اور اخلاص کا سیکھنا بھی ضروری ہے کہ اعمال کی صحت اُس پر موقوف ہے اور حلال و حرام کا جاننا بھی ضروری ہے اور ریاکاری کی حقیقت کا معلوم کرنا بھی ضروری ہے اس لئے کہ آدمی ریاکاری کی وجہ سے اپنے اعمال کے ثواب سے محروم ہو جاتا ہے نیز حسد اور خود بینی کا علم بھی حاصل کرنا ضروری ہے اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں نیک اعمال کو اس طرح کھا لیتی ہیں جیسے آگ ایندھن کو کھاتی ہے اور خرید و فروخت نکاح و طلاق کے مسائل کا جاننا بھی اُس شخص کے لئے ضروری ہے جس کو ان چیزوں سے سابقہ پڑتا ہو نیز ایسے الفاظ کا معلوم کرنا بھی ضروری ہے جن کا استعمال حرام ہے

یا کفر تک پہنچ دینے والا ہے اور قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں اس چیز کا سیکھنا بہت ہی مہتم بالشان ہے اس لئے کہ عوام کثر یہ الفاظ زبان سے نکال دیتے ہیں اور ان کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی کہ کیا کہہ دیا شامی اور جب ان سب چیزوں کو معلوم کرنا اور سیکھنا ضروری ہے تو اس کے بغیر چارہ ہی نہیں ہے کہ یا آدمی ان سب کو خود حاصل کرے کہ یہ اصل ہے لیکن اگر یہ حاصل نہ ہو سکتا ہو تو پھر کسی معتبر اور معتمد دیندار عالم کا دامن پکڑ لے اور ہر بات میں اُس کے مشورہ کو اُس کی رائے کو اصل قرار دے کر اُس کا اتباع کرے اور جو شخص دونوں باتوں میں سے کوئی چیز اختیار نہ کرے گا اس کا جو حشر ہوگا وہ ظاہر ہے کہ قوانین سے جہل کسی جگہ بھی عذر نہیں تو قوانین شریعت سے جہل کیا معتبر ہو سکتا ہے اور بغیر علم کے رائے زنی کمراہی کے سوا اور کیا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى اِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ علم کو اس طرح نہیں اٹھائیں گے کہ بندوں سے کھینچ لیں بلکہ علم اس طرح اٹھے گا کہ علماء کا انتقال ہوتا رہے گا (اور دوسرے لوگ علم حاصل نہ کریں گے) جب علماء نہ رہیں گے تو لوگ جاہلوں کو سردار بنا لیں گے وہ بغیر علم کے فتوے

بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا — جاری کریں گے جن سے خود بھی گمراہ
مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ كَذَا فِي الْمِشْكوٰةِ — ہوں گے دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اور یہ حقیقت واضح ہے کہ کوئی بھی کام بغیر سیکھے نہیں آتا اور علم کے متعلق تو متعدد احادیث میں یہ مضمون آیا ہے (انما العلم بالتعلم) کہ علم سیکھنے ہی سے آتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف سے مجھے بھی اس کی توفیق عطا فرمادے اور تمہیں بھی۔

فضائل حج عکسی

حج کے فضائل، حج کے آداب، حج کی حکمتیں، حج کی حقیقت، حج نہ کرنے پر دنیوی وبال اور اخروی عذاب، عورتوں کا حج وعمرہ، فضائل عمرہ، فضائل مکہ معظمہ، فضائل مدینہ طیبہ، آداب حرمین شریفین، آداب زیارت نبویؐ، حج نبویؐ، حج خلفائے راشدین، عشاق ومحبین کی ستر حکایات ہمارے یہاں سے پہلی مرتبہ عکسی چھپ رہی ہے۔ مجلد وغیر مجلد۔

فضائل درود شریف عکسی — اس کتاب میں درود شریف کے بے شمار فضائل اور عاشقان رسول کے عشق ومحبت کے سیکڑوں قصے درج کئے گئے ہیں۔ حضرت شیخ مدظلہ کی تازہ ترین تصنیف۔

سوال نمبر ۷۔ علماء کے اختلاف سے بہت نقصان پہنچ رہا ہے؟

جواب نمبر ۷۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔ میرا تو خیال ہے کہ علماء کا اختلاف اللہ کی بڑی رحمت ہے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ میں نے تو حدیث کے سباق میں بھی اپنے اس خیال کا متعدد بار اظہار کیا کہ جس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف مل جاتا ہے مجھے اس میں بڑی سہولت معلوم ہوتی ہے کہ فی الجملہ عمل کی کچھ گنجائش مل گئی جو حسب قواعد شرعیہ اپنی جگہ پر ثابت ہے اور جس مسئلہ میں اختلاف نہیں ملتا حق اُسی میں منحصر ہوگیا اس لیئے کہ امت محمدیہ کا اجتماع ضلالت پر نہیں ہو سکتا۔ علمائے اُمت نے اس خیرالامم کی خصوصیات میں اس چیز کو شمار کیا ہے کہ گمراہی پر اس کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔ جس چیز پر بھی علمائے اُمت کا اجماع ہوگا وہ اللہ کے نزدیک بھی ایسی ہی ہوگی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ میری اُمت کا اجتماع ضلالت (گمراہی) پر نہیں ہو سکتا۔ متعدد صحابہ نے اس روایت کو نقل فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ شانہٗ سے یہ دعا کی کہ میری اُمت کا ضلالت پر اجتماع نہ ہو۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کو قبول فرمالیا۔

ایک حدیث میں وارد ہے کہ اللہ جل جلالہٗ نے تم کو تین چیزوں سے محفوظ فرمادیا۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ تمہارا اجتماع گمراہی پر نہیں ہوگا۔

حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ یہ اجتماع عام ہے کہ اقوال میں ہو یا افعال میں ہو یا اعتقاد میں، امور شرعیہ میں ہو یا لغویہ میں۔ اھ

ایسی حالت میں تم ہی سوچو کہ جو روشن خیال اپنی روشن خیالی میں کوئی ایسی بات شریعت میں پیدا کر دیتے ہیں جو اسلاف میں کسی کا قول بھی نہ ہو بلکہ اُن سب کا اجتماع اُس کے خلاف پر ہو چکا ہو وہ سراسر گمراہی نہیں تو اور کیا ہے۔ اس کے بالمقابل جس امر میں اہل حق کا اختلاف رہ چکا ہو اُس میں فی الجملہ وسعت و سہولت پیدا ہو گئی ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا لقب عمر ثانی ہے اور ان کی خلافت خلافتِ راشدہ کے گویا برابر سمجھی جاتی ہے ارشاد فرماتے ہیں کہ مَا سَرَّنِي لَوْ أَنَّ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ لَمْ يَخْتَلِفُوا لِأَنَّهُمْ لَوْ لَمْ يَخْتَلِفُوا لَمْ تَكُنْ رُخْصَةٌ (مجھے اس بات سے مسرت نہ ہوتی کہ حضورؐ کے صحابہ میں اختلاف نہ ہوتا اس لئے کہ ان میں اگر اختلاف نہ ہوتا تو گنجائش نہ رہتی۔ زرقانی علی المواہب) دارمی نے بھی اس قسم کا مقولہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا نقل کیا ہے اور اس کے بعد لکھا ہے کہ پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنی سلطنت میں یہ احکام بھیج دیئے کہ ہر قوم اس کے موافق عمل کرے جو وہاں کے علماء کا فتویٰ ہو۔ عون بن عبداللہ تابعی جو بڑے قراء اور بڑے عابدین میں ہیں کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ حضرات صحابہ کرام میں اختلاف نہ ہو اس لئے کہ اگر وہ حضرات کسی چیز پر مجتمع ہوں اور پھر کوئی شخص اس کے خلاف کرے تو تارکِ سنت ہے اور اگر ان میں اختلاف ہو پھر کوئی شخص ان کے اقوال میں سے کسی پر عمل کرلے تو وہ

حدود سنت سے نہیں نکلتا (دارمی)، عبداللہ بن مبارکؒ جو جلیل القدر امام ہیں کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث کے مقابلہ میں کسی کا قول معتبر نہیں نہ صحابہ کے اجماعی قول کے مقابلہ میں، ہاں جس چیز میں صحابہ میں اختلاف ہے اُس میں ہم اُس چیز کو اختیار کریں گے جو قرآن و حدیث کے زیادہ قریب ہوگی۔ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں صحابہ کے اقوال سے باہر نہیں جائیں گے (مقدمہ اوجز) درمختار اور شامی میں لکھا ہے کہ مجتہدین کا اختلاف رحمت ہے اور جتنا بھی اختلاف زیادہ ہوگا رحمت زیادہ ہوگی۔ اور میں پوچھتا ہوں کہ علماء کا اختلاف کب نہیں ہوا کون سا دَور کون سا وقت ابتداء اسلام بلکہ ابتدائے عالم سے ایسا گزرا ہے جس میں علماء کا اور اہل حق کا اختلاف نہیں ہوا۔ خود حق جل وعلا نے سارے ہی انبیاء پر کیا ایک ہی دین اُتارا۔ اصولِ دین میں اتحاد رہا اور فروع میں ہمیشہ اختلاف رہا۔ کیا حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہما السلام کے متعدد فیصلوں میں اختلاف نہیں ہوا اور باوجود اس اختلاف کے حق تعالیٰ شانہٗ نے دونوں کی مدح نہیں فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا۔ (سورہ انبیاء رکوع ۶) (ہم نے اس کھیت والے مقدمہ کو جس کا اوپر سے ذکر ہو رہا ہے) سلیمانؑ کو سمجھ دیا اور دونوں کو (حضرت داؤد و حضرت سلیمان کو) حکمت و علم عطا فرمایا تھا (یعنی داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بھی خلاف شرع نہ تھا (بیان القرآن)

اس کے علاوہ سنو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آسمان

ہیں دو فرشتے ہیں ایک سختی کا حکم کرتے ہیں دوسرے نرمی کا اور دونوں صواب پر ہیں ایک جبرئیل علیہ السلام دوسرے میکائیل علیہ السلام اور دو نبی ہیں۔ ایک نرمی کا حکم کرتے ہیں دوسرے سختی کا اور دونوں صواب پر ہیں ایک ابراہیم علیہ السلام دوسرے نوح السلام۔ اور میرے دو ساتھی ہیں ایک نرمی کا حکم کرتے ہیں اور دوسرے سختی کا (کذا فی الجامع الصغیر بروایۃ الطبرانی وابن عساکر عن ام سلمۃ ورقم لہٗ بالضعف لکن قال العزیزی باسناد صحیح تشرف، ایک حضرت ابوبکرؓ دوسرے حضرت عمرؓ۔

اس کلیہ کے تحت میں علمائے اُمت اور صوفیۂ ملت نیز ہر دَور کے اکابر کا بیشتر و اکثر امور میں اختلاف رہا ہے کہ طبیعت کے اختلاف کی وجہ سے بہت سے امور میں ایک عالم باعمل محقق کی رائے سختی کی طرف مائل ہوئی اُس نے بہت سے امور میں سخت گیری کو ضروری سمجھا دوسرے نے نرمی کو ضروری سمجھا۔ چنانچہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں حضرات شیخین رضی اللہ عنہم اجمعین کا اختلاف اسی شدت و نرمی کے رنگ کا اثر تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بدر کے قیدی لائے گئے تو حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ یہ لوگ آپ کی قوم ہیں آپ کے قرابت دار ہیں ان کو زندہ چھوڑ دیجئے کیا بعید ہے کہ یہ توبہ کرلیں اور حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا، آپ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا ان کی گردنیں اُڑا دیجئے۔ لوگوں میں اختلاف تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کی رائے پر عمل ہوگا یا حضرت عمرؓ کی۔ حضورؐ نے سکوت فرمایا اندر تشریف لے گئے پھر باہر تشریف لائے اور

ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہ بعض لوگوں کے دل نرم فرما دیتے ہیں حتیٰ کہ دودھ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتے ہیں اور بعض لوگوں کے دلوں کو سخت فرماتے ہیں حتیٰ کہ پتھر سے زیادہ سخت ہو جاتے ہیں ابوبکر تمہاری مثال حضرت ابراہیمؑ جیسی ہے جنہوں نے فرمایا فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّہٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (س ابراہیم ع ۶) (جو میری راہ پر چلے گا وہ تو میرا ہے ہی اور اس کی مغفرت کا وعدہ ہے، اور جو میرا کہنا نہ مانے تو آپ بڑی مغفرت والے اور بڑی رحمت والے ہیں۔) اور تمہاری مثال (اے ابوبکر) حضرت عیسیٰ جیسی ہے جنہوں نے فرمایا۔ اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَھُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝ (س مائدہ ع ۱۶) اگر آپ ان کو سزا دیں (جب بھی آپ مختار ہیں کیونکہ) یہ آپ کے بندے ہیں (اور آپ مالک ہیں اور مالک کو حق ہے کہ بندے کو ان کے جرائم پر سزا دے) اور اگر آپ معاف فرمائیں (تب بھی مختار ہیں کہ) آپ قدرت والے حکمت والے ہیں۔ اور عمرؓ تمہاری مثال حضرت نوحؑ جیسی ہے جنہوں نے فرمایا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا (سورہ نوح رکوع ۲) اے میرے پروردگار کافروں میں سے زمین پر ایک باشندہ بھی نہ چھوڑ (کیونکہ اگر آپ ان کو چھوڑ دیں گے تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے) اور عمرؓ تمہاری مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسی ہے جنہوں نے فرمایا رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤی اَمْوَالِھِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ۝ (سورہ یونس رکوع ۹) اے ہمارے پروردگار ان کے مالوں کو

نیست نابود (اور ملیا میٹ) کر دیجئے اور ان کے دلوں کو (زیادہ) سخت کر دیجئے (جس سے ہلاکت کے جلد مستحق ہو جائیں) پس وہ ایمان نہ لائیں۔ دیکھ اپنے کفر میں بڑھتے رہیں یہاں تک کہ دکھ دینے والے عذاب کو دیکھیں (در ر روایۃ۔ ترمذی وحسنہ والحاکم وصححہ وغیرہما) اسی طرح حضرات شیخین میں اور بھی امور میں اختلاف ہوا مانعین زکوٰۃ سے قتال میں اختلاف ہوا اور پھر قتال کے بعد اُن لوگوں کے اموال کو غنیمت اور اہل وعیال کو باندی اور غلام بنانے میں اختلاف ہوا۔ اسامہؓ کے لشکر کو بھیجنے میں اختلاف ہوا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کی معزولی میں اختلاف ہوا۔ بالآخر صدیق اکبرؓ نے اپنے زمانہ میں باوجود حضرت عمرؓ کے اصرار کے معزول نہ کیا اور حضرت عمرؓ نے خلیفہ ہوتے ہی معزول کر دیا۔ جمع قرآن پر اختلاف ہوا۔ دادے کی میراث میں اختلاف ہوا۔ اُس چور کے بارے میں اختلاف ہوا جو تیسری مرتبہ چوری کرے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بایاں ہاتھ کاٹا۔ حضرت عمرؓ اپنے زمانہ خلافت میں بایاں ہاتھ کاٹنے سے انکار کر دیا۔ ام ولد کی بیع حضرت ابوبکرؓ کے نزدیک جائز ہے حضرت عمرؓ کے نزدیک ناجائز ہے۔ غرض بیسیوں مسائل فقہی اور سیاسی ایسے ہیں جن میں ان جلیل القدر خلفاء اور اُمت کے سرداروں میں اختلاف تھا۔ تفصیل کے لئے بڑے دفتر کی ضرورت ہے ایک خط میں سب کا ذکر مشکل ہے۔ اسی طرح اور حضرات صحابہ کرامؓ میں بھی بہت سے مسائل میں مشہور ومعروف اختلافات ہیں۔ ابو جعفر منصور نے حضرت امام مالکؒ سے درخواست کی کہ ایک کتاب ایسی تصنیف کر دیجئے جس میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی سختیاں اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی

سہولتیں نہ ہوں (مسند مداوجز)، جس سے معلوم ہوا کہ حضرات شیخین کی طرح ان دونوں حضرات میں سختی اور نرمی کے اعتبار سے کلی اختلاف تھا۔ بالجملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں بہت کثرت سے مسائل میں اختلاف رہا۔ ترمذی شریف پڑھنے والے اس سے بخوبی واقف ہیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ لواطت کی سزا حضرت ابوبکرؓ کے نزدیک یہ ہے کہ اس کو آگ میں جلا دیا جائے۔ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک اس آبادی میں جو سب سے اونچا مکان ہو اس پر سے اوندھے منہ گرا دیا جائے اور بہت سے صحابہ کے نزدیک قتل کر دیا جائے۔

شرمگاہ کے چھونے سے حضرت عمرؓ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے نزدیک نہیں ٹوٹتا۔ سمندر کے پانی سے وضو کرنا جمہور صحابہ کے نزدیک جائز ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نزدیک مکروہ ہے۔ جمعہ کے دن خوشبو کا استعمال کرنا جمہور صحابہ کے نزدیک مستحب ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کے نزدیک واجب ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نزدیک زندوں کے رونے سے مردے کو عذاب ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ اس کا سختی سے انکار کرتی ہیں۔ زہری کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ میں اختلاف تھا کہ رمضان کے روزوں کی قضا کا لگاتار رکھنا ضروری ہے یا الگ الگ رکھنا بھی جائز ہے۔ ایک بڑی جماعت کا صحابہ کرام میں سے مذہب یہ تھا کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ان میں حضرت انسؓ، ابوہریرہؓ، عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عائشہؓ وغیرہ بھی ہیں۔ لیکن خلفائے راشدین اور جمہور صحابہ

کا مذہب یہ ہے کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا مذہب ہے کہ تیمم میں کہنیوں تک ہاتھ پھیرنا ضروری ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مذہب ہے کہ پہنچوں تک کافی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت انسؓ کا مذہب ہے کہ نمازی کے سامنے کو گدھا گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ وغیرہ حضرات کا مذہب ہے کہ نہیں ٹوٹتی۔ اگر صرف دو مقتدی ہوں تو جمہور صحابہ کے نزدیک امام کو آگے کھڑا ہونا چاہیے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مذہب ہے کہ ان دونوں کے درمیان میں کھڑا ہونا چاہیے۔ حضرت عمرؓ اور ان کے بیٹے حضرت عبداللہ میں بہت سے مسائل میں اختلاف ہے۔ حسن بصریؒ سے کسی نے کہا کہ حضرت ابن عمرؓ وتر کی تین رکعتوں کے درمیان سلام پھیرتے ہیں (یعنی دو رکعت علیحدہ اور ایک رکعت علیحدہ پڑھتے ہیں) اُنہوں نے جواب دیا کہ حضرت عمرؓ تینوں رکعتوں کو ملا کر پڑھتے تھے اور وہ ابن عمر سے زیادہ فقیہ تھے (حاشیہ بخاری)

غرض سیکڑوں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مسئلے فقہی اور سب ہی ایسے ہیں جن میں صحابہ اور تابعین کا اختلاف ہے۔ اس کے بعد ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کا مستقل اختلاف تو بارہ سو برس سے مسلسل چلا آرہا ہے۔ ہر امام کے لاکھوں کروڑوں متقدا اسی اختلاف پر عمل کرتے چلے آئے۔ چار رکعت نماز میں علماء کے اختلافات ایک مرتبہ تلاش کرنے شروع کئے تھے ڈیڑھ سو سے زیادہ مسئلے مختلف فیہ مجھ جیسے کوتاہ نظر کو ملے تھے وسیع النظر لوگوں کے علم میں نہ معلوم کتنے ہوں گے۔ جمعہ کے دن میں ایک ساعت مبارک ہے جس میں جو

دعا کی جاتی ہے وہ قبول ہوتی ہے۔ اہلِ علم کے اُس کی تعیین میں تقریباً پچاس قول ہیں کہ وہ کب ہوتی ہے (اوجز) لیلۃ القدر کے تعیین میں بھی تقریباً پچاس قول علما کے ہیں (اوجز) قرآن پاک کی آیت میں تمام نمازوں کے اہتمام کا عموماً اور درمیانی نماز کے اہتمام کا خصوصی حکم ہے۔ علماء کے اس درمیانی نماز کے تعیین میں بائیس قول ہیں۔ اسی طرح بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں علماء کا اختلاف ایک دو قولوں پر ختم نہیں ہوتا بلکہ کئی کئی مذہب علماء کے ان میں ہوتے ہیں اور ہوتے چلے آئے ہیں۔ کیا یہ سب ہی فتنہ تھا اور ہے۔ کیا ان اختلافات کی وجہ سے اُمت مصیبت میں گرفتار ہوگئی یا ان کو سہولت نصیب ہوئی۔ قدردانوں کی رائے میں ابھی لکھ چکا ہوں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اس سے کتنی مسرت تھی۔ ابوجعفر منصور بادشاہ جب حج کو گئے تو انہوں نے حضرت امام مالکؒ سے درخواست کی کہ میرا دل چاہتا ہے کہ آپ اپنی تصانیف کے متعدد نسخے لکھ دیں میں ان کو سلطنت میں شائع کردوں گا اور حکم دے دوں گا کہ سب اس کے موافق عمل کریں اور اس سے تجاوز نہ کریں۔ حضرت امام مالکؒ نے اس ارادہ سے روکا اور فرمایا کہ لوگوں کے پاس مختلف روایات حدیث پہنچی ہوئی ہیں اور ہر جماعت نے ان روایات کے موافق عمل درآمد کر رکھا ہے۔ اس لئے اُن کو اُن کے مذاہب کے موافق چھوڑا جائے۔ اس کے بعد امیرالمومنین ہارون رشید نے اپنے زمانۂ سلطنت میں حضرت امام مالک سے مشورہ کیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ موطا مالک کا ایک نسخہ کعبہ میں رکھ دیا جائے اور اعلان کردیا

جائے کہ سب اس کے موافق عمل کریں۔ حضرت امام نے اس مشورہ کو بھی قبول نہیں فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ صحابہ کرام کا فروعی مسائل میں اختلاف رہا ہے اور وہ اپنے اجتہادات میں حق پر ہیں شہروں میں وہ مسائل شائع ہیں لوگ اُن پر عمل کر رہے ہیں۔ ہارون رشید نے اس مشورہ کو پسند کیا (مقدمہ اوجز)

حنفیہ اور شافعیہ کا اختلاف مشہور و معروف ہے اور سیکڑوں ہزاروں مسئلوں میں اختلاف ہے لیکن امام شافعی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے جو فقیہ بننا چاہے اُس کو چاہئے کہ امام ابوحنیفہ کے شاگردوں کو چمٹ جائے۔ میں خود امام محمد کی کتابوں سے فقیہ بنا ہوں (درمختار) امام اعظمؒ نے اپنے شاگردوں سے خود فرمایا کہ جہاں کہیں میرے قول کے خلاف تمہیں کوئی دلیل مل جائے اُس کو اختیار کرلو۔ صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ امام اعظمؒ کا یہ ارشاد اسی پر مبنی ہے کہ (علما کا) اختلاف رحمت کے اندر سے ہے جتنا اختلاف ہوگا (بشرطیکہ وہ قواعد کے موافق ہو اصول کے تحت میں ہو) اتنی ہی رحمت زیادہ ہوگی (شامی)

ان حضرات کو اختلاف میں ذرا بھی اشکال پیش نہیں آتا تھا۔ اس سب کے بعد میں پوچھتا ہوں کہ جن چیزوں میں علما میں اختلاف نہیں ہے اُنہیں کا کیا حشر ہو رہا ہے۔ نماز کے پڑھنے میں کسی عالم کا اختلاف ہے داڑھی شراب سود غرض ہزاروں مسئلے ایسے ہیں جن میں ذرا بھی علماء کا اختلاف نہیں ہے اُن کا حشر تم خود دیکھ رہے ہو اب غور سے سنو میرے

خیال ناقص و نارسا ہیں ان روز افزوں نزاعات کی کثرت و بیشتر دو وجہیں ہیں ایک بعض علماء کی طرف سے ہے دوسری اکثر عوام کی طرف سے علماء کی طرف سے تو یہ ہے کہ وہ اپنے ان جزوی اختلافات کو علماء تک محدود نہیں رکھتے بلکہ بعض تو اس کی سعی کرتے ہیں کہ عوام کی مدد اور اعانت اُن کے ساتھ ہو اور اُن کی اعانت سے وہ دوسرے اہل حق کی توہین و تذلیل کریں حالانکہ بہتر یہ تھا کہ وہ جس چیز کو حق سمجھتے ہیں اُس کو بلا خوف لومۃ لائم ظاہر کردیں اور اس کی پروا نہ کریں کہ اُن کے قول پر کوئی عمل کرتا ہے یا نہیں کسی کے عمل نہ کرنے سے اہل حق کی حقانیت میں کیا فرق آتا ہے۔ بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی ایسے تھے جن پر ایمان لانے والا ان کے کہنے پر عمل کرنے والا ایک ہی شخص تھا (مشکوٰۃ) تو کیا اس کی وجہ سے نبی کی شان میں کوئی نقص پیدا ہوگیا۔ حضرت ابوذرؓ کی تحقیق جمہور صحابہ کے خلاف یہ تھی کہ مال کا جمع کرنا مطلقاً ناجائز ہے وہ مجمع میں اپنی تحقیق کا اعلان کردیتے تھے اور اس کی پروا بھی نہ کرتے تھے کہ کوئی قبول کرتا ہے یا نہیں بالخصوص ایسی حالت میں کہ عوام اُن کے اختلافات کو سمجھنے سے قاصر ہیں تو ایسی حالت میں اُن پر اُن چیزوں کا یا اظہار نہ ہوتا جہاں علماء کا مجمع ہوتا وہاں ظاہر کی جاتیں یا اگر بضرورت تبلیغ اور بخوف کتمان علم ظاہر کیا جاتا تو جب عوام کی عقول اُن کے سمجھنے سے قاصر ہیں تو اُن پر اس کا زور نہ دیا جاتا کہ وہ خواہ مخواہ اُن کے ہمنوا بنیں۔ یہ حضرات یہ سمجھ لیتے کہ جب دوسرے اہل حق اس میں خلاف کر رہے

ہیں تو عوام کے لئے عمل کی گنجائش ہے نہ یہ کہ دوسرے اہل حق کے خلاف عوام کو مشتعل کریں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دوسروں کے متبعین اُن کے خلاف مشتعل ہوں گے اور اس کا جو حشر ہو رہا ہے وہ ظاہر ہے۔ ہمارے اکابر و اسلاف کا اسوہ اس چیز میں بھی ہمارے سامنے ہے۔ صحابہ کا عام معمول وتر کی تین رکعت پڑھنے کا تھا۔ امیر معاویہؓ نے ایک رکعت وتر کی پڑھی۔ حضرت ابن عباسؓ کے مولیٰ کریب نے دیکھا۔ تعجب سے حضرت ابن عباس سے کہا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اُن سے تعرض نہ کرو وہ خود فقیہ ہیں (بخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور جمہور صحابہ کا معمول سفر میں دو رکعت فرض نماز پڑھنے کا تھا کسی نے اُن سے کہا کہ حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں (حالانکہ وہ مسافر تھے) تو عبداللہ بن مسعود نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور فرمایا کہ میں نے منیٰ میں حضورؐ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں، حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں، حضرت عمرؓ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ خود حضرت عثمان کے ساتھ اُن کی خلافت کے شروع زمانہ میں دو رکعتیں پڑھیں (بخاری) لیکن اس سب کے باوجود ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ چار رکعتیں پڑھیں کسی نے عرض کیا کہ آپ نے تو حضرت عثمانؓ پر چار رکعت پڑھنے کا اعتراض کیا تھا پھر خود بھی چار پڑھیں اُنھوں نے فرمایا کہ مخالفت زیادہ سخت ہے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے نزدیک حضرت عثمانؓ مسافر تھے۔

لیکن انہوں نے اپنے کو متیمم تجویز کر کے چار رکعت پڑھیں اور چونکہ مجتہد محقق تھے اس لئے ابن مسعودؓ نے اپنی تحقیق کو ایک محقق کے مقابلہ میں واجب العمل نہیں سمجھا۔

حضرت عمرؓ سے کسی نے پوچھا کیا آپ کسی شخص کو اپنا خلیفہ ولی عہد بنائیں گے۔ انہوں نے فرمایا، اگر میں کسی کو خلیفہ نہ بناؤں تو میرے لئے گنجائش ہے اس لئے کہ حضورؐ نے کسی کو (نصاً) خلیفہ نہیں بنایا اور اگر خلیفہ بنا دوں تب بھی گنجائش ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بعد کے لئے خلیفہ بنایا۔

حضرت ابوبکرؓ کے نزدیک مانعین زکوٰۃ سے قتال کے بعد اُن کے اموال غنیمت تھے اور اُن کے اہل و عیال خدام باندیاں حضرت عمرؓ کو اس میں اختلاف تھا۔ صدیقی دور میں حضرت صدیق اکبرؓ کے فتوے پر عمل رہا اور حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ نے قبول کیا۔ فاروقی دور میں حضرت عمرؓ کے فتوے پر عمل تھا اور دوسرے لوگوں نے اس پر عمل کیا (فتح الباری) حضرت امام شافعی صاحبؒ کے نزدیک صبح کی نماز میں قنوت کا پڑھنا سنت ہے۔ ایک مرتبہ امام اعظمؒ کی قبر پر حاضر ہوئے اور صبح کی نماز وہاں پڑھی اور دعا قنوت نہیں پڑھی۔ بعض روایات میں ہے کہ بسم اللہ بھی آواز سے نہیں پڑھی۔ (حالانکہ وہ بھی ان کے نزدیک سنت ہے) کسی نے استفسار کیا تو فرمایا کہ اس قبر والے کے ادب نے روک دیا۔ بعض لوگ اس قصہ پر بہت شور کرتے ہیں کہتے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی کی وجہ سے سنت پر عمل چھوڑ دیا جائے۔ امام شافعیؒ کی شان اس سے ارفع ہے کہ ایک مجتہد کی قبر کی وجہ سے سنت

کو چھوڑ دیں حالانکہ اس چیز کا تعلق سمجھ سے ہے۔ امام اعظم کے ادب سے سنت کو نہیں چھوڑا بلکہ اُن کے ادب سے اُن کی تحقیق کو اپنی تحقیق پر مقدم سمجھ کر ان کے نزدیک یہ چیزیں سنت نہیں ہیں بلکہ سنت قنوت کا نہ پڑھنا ہے اور بسم اللہ کا آہستہ پڑھنا ہے۔ ایک شخص اپنی تحقیق سے کسی چیز کو سنت سمجھنے کے باوجود دوسرے محقق عالم کی تحقیق پر عمل کرے تو کیا حرج ہے محققین شافعیہ اس قصہ کو قبول فرماتے ہیں چنانچہ علامہ ابن حجر مکی باوجود محقق شافعی ہونے کے لکھتے ہیں کہ لوگوں نے اس قصہ میں اشکال سمجھ لیا حالانکہ اس میں کوئی اشکال نہیں ہے اس لئے کہ بسا اوقات سنت کے ساتھ ایسی چیز معارض ہو جاتی ہے جو اُس سے کہیں زیادہ اہم ہوتی ہے۔ مثلاً علماء کی رفعتِ شان کا اظہار کردہ امر مؤکد ہے بالخصوص حاسدوں اور جاہلوں کے مقابلہ میں بالخصوص ایسی حالت میں کہ یہ امر متفق علیہ ہے اور قنوت اور بسم اللہ کا مسئلہ مختلف فیہ ہے بالخصوص امام اعظم کے معاملہ میں کہ اُن کے حاسد بہت زیادہ تھے جو غلط الزامات اُن پر لگاتے تھے حتیٰ کہ جھوٹے الزام سے اُن کی زندگی کو ختم کرادیا گیا۔ ایسی حالت میں اُن کی تعظیم و تکریم کا اظہار ازبس ضروری ہے وغیرہ وغیرہ (مقدمہ اوجز)

ہمارے مشائخ و اکابر میں ہمیشہ سے بہت سے مسائل میں اختلاف ہوتا آیا ہے لیکن کبھی ان حضرات نے اپنے متبعین پر اس کا جبر نہیں کیا کہ ہمارے قول پر عمل کیوں نہیں کرتے۔ میرے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اور میرے والد صاحب میں متعدد مسائل میں اختلاف تھا اور حضرت حکیم الامت

کو خود فرما دیتے تھے کہ میرے نزدیک تو فلاں چیز جائز نہیں لیکن مولوی محمد یحییٰ صاحب کے نزدیک جائز ہے تیرا دل چاہے تو جا کر اُن سے پوچھ لے اُس کے موافق عمل کر لے۔ خود میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرتؒ کے خیمہ رمضان مبارک میں شعبان کے چاند کی گڑبڑ سے یہ بحث شروع ہوئی کہ آج متبع معاف سمجھتے ہیں روزے پورے ہو جانے کے بعد اگر شام کو رویت نہ ہوئی تو کل روزہ رکھنا چاہئے یا نہیں۔ حضرتؒ کا ارشاد مبارک تھا کہ شعبان کے چاند میں جس شہادت پر مدار ہے بعض وجوہ سے شرعی حجت نہ تھی اس لئے روزے ہیں اور میرا ناقص خیال تھا کہ وہ شرعی حجت سے صحیح تھی اس لئے کل کا روزہ نہیں ہے۔ دن بھر بحث رہی شام کو چاند نظر نہ آیا حضرتؒ نے طے فرما دیا کہ میں روزہ رکھوں گا۔ میں نے عرض کیا میرے لئے کیا ارشاد ہے۔ فرمایا میرے اتباع کی ضرورت نہیں سمجھ میں آ گیا ہو تو رکھو ورنہ نہیں۔ بالآخر حضرتؒ کا روزہ تھا اور میرا افطار۔ حضرتؒ کے خدام میں اور بھی متعدد ایسے تھے جنہوں نے افطار کیا اور متعدد نے روزہ رکھا۔ حضرتؒ نے اُن سے دریافت بھی نہ فرمایا کہ تم نے افطار کیوں کیا گو مجھے اب تک قلق ہے کہ میں نے اپنی سمجھ کو حضرتؒ کی رائے کے مقابلہ میں کیوں قابلِ اعتنا سمجھا مگر حضرتؒ نے ذرا بھی شکوہ نہ کیا کچھ بھی نہیں فرمایا بلکہ کچھ تصویب ہی فرمائی۔

دوسری وجہ جو اس پہلی وجہ سے بھی زیادہ سخت ہے وہ یہ کہ عوام نے مسائل میں رائے زنی کو خواہ مخواہ اپنا مشغلہ بنا لیا اُن کو اہل علم کے اختلاف میں حکم بننے کی کیا ضرورت ہے کہ آج کے علمی ابحاث اُن کے علمی دلائل

سمجھنے کی اہلیت نہیں لیکن اُن میں محاکمہ اور فیصلے یہ حضرات فرمانے لگے حالانکہ ان کا کام یہ تھا کہ علمائے حق میں سے جس کے ساتھ حسنِ عقیدت ہو تجربہ سے اُس کا دیندار تجربہ کار ہونا اور اللہ والا ہونا ثابت ہو چکا ہو اُس کا اتباع کرتے۔ لیکن یہ تو جب ہوتا جب عمل مقصود ہوتا۔ یہاں مقصود ہی نزاع ہے اس جلسہ اور اس تقریر میں اُن کو لطف ہی نہیں آتا جس میں دوسروں پر سب وشتم نہ ہو، دوسروں پر تنقید نہ ہو دوسروں کی پگڑیاں نہ اُچھالی جاتی ہوں۔ جس جلسہ میں سیدھی سیدھی دین کی باتیں بیان کی جاتیں وہ جلسہ نہایت پھیکا اور بے مزہ ہے۔ وہ وعظ ہی نہیں تقریر جاندار نہیں ہر تقریر وہی ہے جو مخالفین کو کھری کھری سناتے۔ حالانکہ شریعت مطہرہ میں قرآن حدیث میں جس چیز کو سب سے زیادہ اہتمام سے روکا گیا ہے وہ آپس کا جھگڑا ہے قرآن پاک میں سختی سے اس کی ممانعت کی گئی ہے۔ ارشاد ہے۔ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ (سورۃ انفال ع ۲) اور آپس میں نزاع پیدا نہ کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے (کہ قوتیں منتشر ہو جائیں گی) اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

بخاری شریف میں ایک قصہ نقل کیا گیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو قرآن پاک کی ایک آیت پڑھتے ہوئے سنا جو اس کے خلاف تھی جس طرح کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔ میں اُس کا ہاتھ پکڑ کر حضورؐ کی خدمت میں لے گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دونوں نے صحیح پڑھا۔ تم لوگ آپس میں اختلاف

کرو۔ جیسے لوگوں نے بھی آپس میں اختلاف کیا تھا تو وہ لوگ ہلاک ہو گئے۔ یہاں آیت یا
قرأت میں اختلاف نہ تھا اس کے باوجود حضورؐ نے دونوں کی تصویب فرمائی گویا وہ اختلاف
باقی بھی رکھا جو پہلے سے تھا لیکن پھر بھی اختلاف کی مذمت فرمائی اور اس کو ہلاکت کا
سبب قرار دیا تو یقیناً اس سے مراد وہی اختلاف تھا جو جھگڑے کی صورت میں نمودار ہوا۔
اسی قسم کا واقعہ حضرت عمرؓ کو پیش آیا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ہشام کو سورہ فرقان پڑھتے
ہوئے سنا۔ وہ اس کے خلاف پڑھ رہے تھے جس طرح مجھے حضورؐ نے پڑھائی
تھی (وہ نماز پڑھ رہے تھے) میرے دل میں آیا کہ ان کو نماز پڑھتے ہوئے
پکڑ کر حضورؐ کے پاس لے جاؤں مگر میں نے اتنی دیر صبر کیا کہ وہ نماز پڑھ
چکیں اس کے بعد میں نے ان کے گلے پر سے چادر پکڑ کر پوچھا کہ اس طرح
یہ سورت تم کو کس نے پڑھائی انہوں نے حضورؐ ہی کا نام لیا میں نے کہا
جھوٹ ہے پھر میں ان کو اسی طرح پکڑ کر حضورؐ کی خدمت میں لے گیا اور جا کر
عرض کیا کہ یہ اس کے خلاف پڑھ رہے تھے جس طرح آپ نے مجھے پڑھائی
ہے۔ حضورؐ نے ہم دونوں کا پڑھنا سنا اور دونوں کو صحیح بتایا (درمنثور
بروایۃ شیخین وغیرہ)

ان کے علاوہ سیکڑوں واقعات حدیث کی کتابوں میں وارد ہوئے ہیں
جہاں آپس میں اختلاف ہوا اور حضورؐ نے دونوں کو صحیح فرمایا۔ لیکن اس
کا مطلب یہ بھی نہیں کہ اپنی تحقیق کے خلاف کوئی بات پائی تو اس کا اظہار
بھی نہ کرے اگر وہ اس کی تحقیق ہے یا اس کا خیال ہے اس کی اہمیت رکھتا ہے تو
ضرور مناسب طریقے سے اس کا اظہار کیا جائے۔ اسی سورۃ کے بارہ میں خود

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک مرتبہ صبح کی نماز میں سورۂ قرآن پڑھ رہے تھے کہ ایک آیت چھوٹ گئی۔ نماز کے بعد حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ جماعت میں ابی بن کعب (جو بڑے مشہور قاری تھے) موجود نہیں۔ انہوں نے عرض کیا حاضر ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا تم نے مجھے متنبہ کیوں نہ کیا۔ انہوں نے معذرت کی کہ میں یہ سمجھا کہ یہ آیت منسوخ ہوگئی (ذکرہ ابن الانباری)

ابوداؤد شریف میں دو قصے اسی نوع کے مذکور ہیں تو جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے لئے تنبیہ کا حکم فرمایا تو دوسروں کو تنبیہ میں کیا مضائقہ ہے۔ شریعت مطہرہ نے تو اس کو اس قدر وسعت دی ہے کہ کلمۂ حق کو ظالم بادشاہ کے سامنے اظہار کر دینے کو افضل الجہاد قرار دیا ہے اور لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ اللہ کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں کلیہ قرار دے دیا ہے البتہ یہ ضروری ہے کہ مقصود اللہ کی اطاعت ہو کلمۂ حق کا اظہار ہو اپنی جماعت کی بے جا حمایت نہ ہو جس کو عصبیت اور تعصب کہا ہے۔ اختلاف میں کوئی مضائقہ نہیں وہ قواعد کے تحت میں ہو تو ممدوح ہے اس اختلاف کو نزاع بنانا اس کو مسلمانوں کے تشتت اور افتراق کا سبب بنانا مذموم ہے اور دونوں میں جو فرق ہے ہم لوگ اس اختلاف کو جو رحمت کی چیز تھی اپنے لئے خود مصیبت اور سبب ہلاکت بنا رہے ہیں۔ حضرت حسن بصری جیسے محدث بھی اور مشہور فقیہ اور اکابر صوفیہ میں ہیں بعض مرتبہ تحقیق

کے زمانہ میں تقدیر کے مسئلہ میں ایسے الفاظ نکل گئے جو جمہور علما کے خلاف تھے بڑا شور مچا بڑے زور بندھے پھر یہ تھا جھوٹی باتیں بھی اُن کی طرف منسوب ہونے لگیں ایوب کہتے ہیں کہ دو قسم کے آدمیوں نے حضرت حسنؓ پر جھوٹ باندھا ایک وہ لوگ کہ فرقہ قدریہ میں تھے وہ اپنی رائے کو رواج دینا چاہتے تھے تو حسن بصری کو اپنا ہم مسلک ظاہر کرتے تھے دوسرے وہ لوگ جن کو اُن سے ذاتی بغض تھا وہ اُن کے اقوال کو بیچتے تھے (ابوداؤد) جیسا یہی مثال ہمارے زمانہ میں ہے کہ جن لوگوں کو اپنی رائے کو رائج کرنا ہوتا ہے وہ جماعت کے بڑے کی طرف اس کو منسوب کر دیتے ہیں اور جن لوگوں کو اُن سے خلاف ہوتا ہے وہ ان اقوال کو تاویل یا جھوٹ نقل کرتے ہیں جس سے جھگڑے اور سنت کی خلیج وسیع ہوتی رہتی ہے حالانکہ اتباع کا منصب یہ تھا کہ علمائے حق ہیں جس سے عقیدت ہو اُس کو معلوم باعث ہو، محقق ہو جائے اُس کے ارشادات پر عمل ہو لیکن ہم لوگوں میں باوجود ادعائے محبت وعقیدت عمل تو نہ رہا ۔ ساری محبت کا خلاصہ یہ کہ اپنے بڑے کی حمایت میں دوسروں کے بڑوں کو گالیاں دیں حالانکہ شریعت جس کی تابعداری مسلمان کا ایمان ہے وہ تو اس بارہ میں اتنا سخت کہ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۔ (س انعام ع ۱۳) ارشاد ہے کہ تم گالیاں نہ دو اُن (معبودوں) کو جن کو یہ مشرک اللہ (کی توحید) کو چھوڑ کر پکارتے ہیں (اور عبادت کرتے ہیں کیونکہ تمہارے ایسا کرنے سے) پھر وہ لوگ بوجہ جہل کے حد سے گزر کر

اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے۔ قرآن پاک تو دوسروں کے بتوں کو گالیاں دینے کی بھی ممانعت کرتا ہے لیکن اس کے اتباع کے دعویداروں کا یہ عمل کہ اُن کا کوئی جلسہ کوئی جلوس بھی دوسروں کی بربادی کے نعروں سے اُن کے اکابر پر سب وشتم سے خالی نہیں ہوتا۔ آج کل ہر جماعت کا معظم عمل بجائے اپنی تعمیر اپنی تقویت اور عمل کی تدابیر کے دوسروں کی تخریب اُن کو گالیاں دینا مردہ زندہ کے نعرے لگانا بن گیا ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ اس کی شکایت بھی ہر فریق کو ہے کہ مسلمان تباہ ہو گئے برباد ہو گئے تو دہی ہر فریق دوسرے مسلمانوں کی بربادی کی دعائیں کرتا ہے اور خود ہی اُس کا رونا روتا ہے کہ مسلمان برباد ہو گئے۔ فاللہ المستعان۔

تنبیہ۔ اس تقریر سے یہ امر واضح ہو گیا کہ ہر اختلاف مذموم نہیں بلکہ بہت سے اختلافات ممدوح بھی ہیں البتہ بہت سی انواع اختلافات کی یقیناً مذموم اور قبیح ہیں بہذا مطلق علماء کے اختلاف کو منشاء فساد قرار دینا اصول سے ناواقفیت ہے بلکہ منشاء فساد علمائے حق کے ممدوح اختلاف میں نزاع کا پیدا کرنا ہے خواہ وہ علما کی طرف سے ہو یا عوام کی طرف سے جیسا کہ آج کل کثرت سے پیدا ہو رہا ہے۔ البتہ اختلاف ممدوح کی حقیقت قواعد سے واقفیت پر مبنی ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں کہ ہر شخص جس چیز میں چاہے اختلاف پیدا کر دے اور وہ ممدوح بن جائے ہر وہ چیز جو شارحیت مطہرہ کی طرف سے منصوص طور پر ثابت ہے، مسئلہ کو اُس میں دخل نہیں، اُس میں اختلاف کا پیدا کرنا گمراہی ہے جس کو اللہ جل جلالہٗ نے کلام پاک

ہیں وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتُ ؕ (سورۂ آل عمران رکوع ۱۱) سے ارشاد فرمایا ہے۔ اور مت بن جاؤ تم اُن لوگوں کی طرح جنہوں نے آپس میں تفرق پیدا کی اور (دین کے بارہ میں) اختلاف کیا بعد اس کے کہ اُن کے پاس واضح احکام پہنچ چکے تھے۔ حضرت سعید بن المسیبؒ نے ایک شخص کو دیکھا کہ عصر کے بعد نفلیں پڑھ رہا ہے۔ اُس شخص نے نماز کے بعد حضرت سعید بن المسیبؒ سے کہا، کیا اللہ جل شانہ مجھے نماز پڑھنے پر عذاب کرے گا سعیدؒ نے فرمایا کہ نماز پر نہیں بلکہ حضورؐ کے خلاف طریقہ اختیار کرنے پر عذاب فرمائے گا (دارمی)

اس شخص کا مقصود یہ تھا کہ نماز تو بہترین اور افضل ترین عبادت ہے اس میں کیا ناجائز ہو سکتا ہے لیکن چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد نفل نماز کو ناجائز فرمایا ہے اس لئے حضرت سعیدؒ نے کہا کہ نماز اگرچہ بہترین چیز ہے لیکن ناجائز وقت میں پڑھنا تو گناہ کا ہی سبب ہے۔ حضرت عبادہؓ بن صامتؓ نے ایک حدیث بیان کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درہم (چاندی کا ایک سکہ) کے بدلہ میں دو درہم لینے سے منع کیا ہے ایک شخص وہاں موجود تھے کہنے لگے میرے خیال میں تو اس میں کوئی نقصان نہیں معلوم ہوتا۔ حضرت عبادہؓ نے فرمایا میں کہتا ہوں کہ حضورؐ نے منع کیا ہے اور تو کہتا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ خدا کی قسم میں تیرے ساتھ کبھی بھی ایک مکان میں جمع نہیں ہو سکتا (دارمی)

تمام ائمہ فقہاء محدثین نے سلفاً خلفاً اس کی تصریح کی ہے کہ جو چیز ممنوع

یں قطعیت کے ساتھ ثابت ہو چکی ہے اُس کا انکار کفر ہے۔ قاضی عیاض نے شفا میں اور ملا علی قاری نے اُس کی شرح میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کا اجماع ہے اُس شخص کے کفر پر جو مسلمان کے قتل کو جائز سمجھے یا شراب پینے کو یا زنا کرنے کو یا کسی ایسی چیز کا انکار کردے جس کا دین ہونا بالتواتر والبداہتہ ثابت ہے۔ ہاں کوئی نو مسلم ہو کہ اس کو ابھی تک سارے احکام معلوم نہ ہوئے ہوں تو معذور ہے۔

حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ازالۃ الخفا میں تحریر فرمایا ہے کہ بادشاہ کے خلاف بغاوت تین وجہ سے کی جا سکتی ہے منجملہ ان کے یہ ہے کہ وہ خدانخواستہ ضروریاتِ دین کے انکار کی وجہ سے کافر ہو جائے اس صورت میں اس کے خلاف بغاوت واجب ہے اور یہ افضل ترین انواع جہاد ہے۔ اسی طرح ہر وہ چیز جو اختلاف کی حدود سے خارج ہے اُس میں خلاف پیدا کرنا ضلال ہے گمراہی ہے۔

علامہ زرقانی شرح مواہب میں لکھتے ہیں کہ اس اُمت کا اختلاف ان چیزوں میں جن میں اجتہاد کی گنجائش ہے رحمت ہے بہت بڑی نعمت ہے بڑی عظیم غنیمت ہے، اُمت پر وسعت ہے اور یہ سب اقوال ایسے ہو گئے جیسے کہ مختلف شریعتیں ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب مجموعہ لے کر تشریف لائے۔ لہذا حضرت صحابہ کرام اور اُن کے بعد کے علماء نے جو استنباطات حضورؐ کے اقوال و افعال سے کئے ہیں وہ سب اپنے اختلاف کے باوجود بمنزلہ مختلف شرائع کے ہیں اور یہ بھی حضورؐ کے معجزات میں سے

ہے لیکن عقائد میں اجتہاد کرنا گمراہی ہے اور حق وہی ہے جس پر اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ حدیث میں جس اختلاف کی تعریف ہے اُس سے فرعی احکام کا اختلاف مراد ہے اور جس تفریق کی مذمت وارد ہوئی ہے اس سے اصول کی تفریق مراد ہے۔ علامہ سبکیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اصول کا اختلاف گمراہی ہے اور ہر فساد کا ذریعہ ہے اھ

مثال کے طور پر دیکھئے کہ تقدیر کا مسئلہ اصول مسائل میں ہے شریعت نے اس میں بحث کرنے کی بھی ممانعت فرمائی ہے اس میں اختلاف پیدا کرنے پر احادیث میں کس قدر سخت سے سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں کہ اللامان والحفیظ حضور کا ارشاد ہے کہ فرقہ قدریہ (تقدیر کے انکار کرنے والے لوگ) اس امت کے مجوس ہیں اگر وہ لوگ بیمار ہوں تو عیادت بھی نہ کرو مرجائیں تو جنازہ میں بھی شریک نہ ہو (ابوداؤد)

دوسری حدیث میں ہے کہ اس اُمت کے مجوس وہ لوگ ہیں جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں اُن میں سے جو مرجائے اس کے جنازہ کی نماز میں بھی شریک نہ ہو جو بیمار پڑجائے اُس کی عیادت بھی نہ کرو۔ وہ دجال کی جماعت ہے۔ حق تعالیٰ شانہ اُن کو دجال کی جماعت کے ساتھ شریک کردیں گے یحییٰ بن یعمر کہتے ہیں کہ میں اور حمید حج یا عمرہ کرنے جارہے تھے تمنا ہوئی کہ حضرات صحابہ میں سے کسی کی زیارت ہو تو اُن سے قدریہ فرقہ کے بارہ میں سوال کریں۔ اتفاق سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ملاقات ہوگئی میں نے اُن سے سوال کیا کہ ہمارے نواح میں ایک جماعت پیدا ہوئی ہے جو علم

میں بڑی تحقیقات کرتے ہیں قرآن پاک بھی پڑھتے ہیں مگر تقدیر کا انکار کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں اُن سے بری ہوں وہ مجھ سے بری ہیں (ابوداؤد) اور کثرت سے اس قسم کی روایات اُن کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں۔ ابوبکر فارسی نے کتاب الاجماع میں نقل کیا ہے کہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی قسم کی تہمت باندھے وہ باجماع علماء کافر ہے (فتح الباری)

بخاری شریف میں نقل کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں زندیقوں کی ایک جماعت لائی گئی حضرت علیؓ نے اُن کو آگ میں جلوا دیا۔ حضرت ابن عباسؓ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اُنہوں نے فرمایا کہ میں آگ میں نہ جلاتا بلکہ قتل کرا دیتا۔

متشابہات میں کلام کرنے کی ممانعت ہے۔ صبیغ بن عسل عراقی ایک شخص بصرہ میں رہتا تھا جو متشابہات قرآنیہ میں بحث کرتا تھا مدینہ پہنچ وہاں بھی مسلمانوں سے اس میں بحث شروع کی حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ کو اس بارہ میں خط لکھا۔ اُنہوں نے اس کو طلب فرمایا جب مدینہ پہنچا تو حضرت عمرؓ نے اس سے سوال کیا کہ تو کون شخص ہے اُس نے کہا اللہ کا بندہ صبیغ ہوں۔ حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ عمر ہوں۔ اور تروتازہ کھجور کی ٹہنیوں سے اُس کو مارنا شروع کیا حتیٰ کہ سارا بدن خون سے لبریز ہوگیا۔ پھر جب وہ زخم اچھے ہونے لگے تو دوبارہ مارنا شروع کیا جس سے بدن اور سر پر خون ہی خون ہوگیا اُس نے عرض کیا

اگر آپ میرے قتل کرنے کا ارادہ کر چکے ہیں تو سہولت سے قتل کر دیجئے اور اگر میرے دماغ (کے سودا کا) علاج مقصود ہے تو میرے دماغ میں جو چیز تھی وہ نکل چکی ہے۔ حضرت عمرؓ نے چھوڑ دیا اور بصرہ اپنے گھر جانے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ لیکن ایک حکم بھی بھیج دیا کہ کوئی شخص اس کے پاس نہ بیٹھے۔ ابوعثمان نہدی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے اس ارشاد پر اگر ہم لوگ سو نفر کا مجمع ہوتا تھا اور صبیغ آجاتا تو سب اُس جگہ سے چلے جاتے اُس کو یہ مصیبت بہت ہی شاق تھی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کو عریضہ لکھا کہ اب اس کی حالت درست ہو گئی ہے وہ خیالات بالکل نہیں رہے تو حضرت عمرؓ نے لوگوں کو اُس سے ملنے جلنے کی اجازت مرحمت فرما دی (دارمی۔ درمنثور)

اسی طرح سیکڑوں واقعات اس قسم کے ہیں جن سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ شریعت میں اختلاف کے حدود قائم ہیں یہ نہیں ہے کہ تحقیق کے زور میں جس کا جو دل چاہے کہہ مارے اور اُس کو علماء کا اختلاف کہہ دیا جائے شریعت کے احکام کا مذاق اڑایا جائے اللہ کے محبوب کی سنتوں کا مضحکہ کیا جائے۔ شریعت کے اہم سے اہم حکم کو لغو بتا دیا جائے۔ قلم لکھنے والے کے ہاتھ میں ہو اور علم سے بے بہرہ۔ پھر جو چیز اپنی سمجھ میں نہ آئے دینی مسئلہ بن جائے دینی دین سے باہر کر دی جائے اور اس کو علماء کا اختلاف کہہ دیا جائے۔ شریعت کے احکام کے درجات ہیں ان میں بہت سے احکام نہایت اہم ہیں اُن کو اپنے درجہ سے گرا دینے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ بعض معمولی درجہ کے ہیں اُن کو اپنے درجہ سے بڑھا دینا کسی کے اختیار

میں نہیں ہے اور اس کی تحقیق کہ ہر چیز کا کیا درجہ ہے یہ خود علم پر موقوف ہے۔
قرآن و حدیث کے فہم پر موقوف ہے۔ قرآن و حدیث سے استدلال کے
قواعد پر موقوف ہے جو مستقل تین فن اصول فقہ، اصول حدیث، اصول تفسیر کی
واقفیت پر مبنی ہے۔؎ فقہاء نے لکھا ہے کہ اجتہاد کے لئے کتاب اللہ کا علم
ضروری ہے اس کے لغوی معانی کا علم ضروری ہے، اس کے شرعی معانی کا
علم ضروری ہے، اس کے وجوہ استدلال یعنی خاص عام مشترک مؤول نص
ظاہر مفسر محکم خفی مشکل مجمل متشابہ حقیقت مجاز صریح کنایہ عبارۃ النص
اشارۃ النص دلالۃ النص اقتضاء النص اور ان کے ماخذ اشتقاق ان
کی ترتیب ان کے معانی اصطلاحیہ ان کے احکام کو کہ کونسی چیز قطعی ہے
کونسی ظنی ہے نیز امر و نہی وغیرہ کے درجات وغیرہ وغیرہ کا معلوم ہونا
ضروری ہے اور یہی چیزیں حدیث کے متعلق بھی معلوم ہونے کی ضرورت
ہے۔ نیز احادیث میں ان کے علاوہ ان کی صحت کا حال ان کے آپس کے
درجات راویوں کے احوال وغیرہ معلوم ہونے کی ضرورت ہے۔

الغرض استدلال کے لئے جتنے اصول ہیں ان سب ہی سے واقفیت کی
ضرورت ہے اور یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ فن سے تو اس فن ہی کا واقف
ہو سکتا ہے۔ کوئی شخص انجینئری میں بہت زیادہ کمال پیدا کر کے یہ چاہے کہ
ڈاکٹری میں بھی رائے زنی کروں کیونکہ میں اپنے فن کا بڑا ہوشیار ہوں وغیرہ

؎ قرآن پاک کی تفسیر کے لئے پندرہ علوم کی مہارت ضروری ہے جس کو میں اپنے رسالہ
چہل حدیث میں لکھ چکا ہوں دل چاہے تو دیکھ لو۔

بے راہروں کی ہلاکت کا سبب بنے گا۔ متعدد احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد نقل کیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب علماء نہ رہیں گے تو جاہلوں کو سردار بنا لیا جائے گا جو بغیر علم کے فتاوی دیں گے خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو گمراہ کریں گے۔ مذہبیات میں رائے زنی کے لئے مذہبیات سے پوری واقفیت کی ضرورت ہے اجنبیت کے محض عقل سے مسائل حل نہیں ہوتے۔

مثال کے طور پر دو مسئلے لکھتا ہوں۔ فقہا نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص قربانی کے لئے جانور خریدے اور وہ گم ہو جائے اس کے بعد وہ دوسرا جانور اسی نیت سے خریدے اور پھر پہلا جانور بھی مل جائے اگر یہ شخص غریب ہے جس پر قربانی واجب نہیں ہے تو اس کے ذمہ دونوں کی قربانی ضروری ہے اگر امیر ہے تو صرف ایک جانور کی قربانی کافی ہے جس جانور کی دل چاہے قربانی کردے اور دوسرے کو بیچ دے یا جو چاہے کرے مسئلہ بالکل صاف ہے لیکن اصول سے واقفیت پر مبنی ہے محض ذہانت اس میں کیا تیر چلائے۔

دوسرا مسئلہ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز میں رکوع کرنا بھول جائے نماز کے بعد یاد آئے اگر اس نے سنت کے موافق متقی اور نیک لوگوں کی سی نماز پڑھی ہے تو فاسد ہو گئی اس کا اعادہ ضروری ہے اور اگر خلاف سنت نماز پڑھی ہے یعنی ناواقف لوگوں کی سی نماز پڑھی ہے جیسا کہ بہت سے لوگ آج کل پڑھتے ہیں تو نماز ہو گئی۔

کیا روشن دماغی یا شستہ تقریر و تحریر سے بدون واقفیت اصول و حقائق شرعیہ اس نوع کے مسائل میں رائے زنی ہو سکتی ہے۔ کسی سے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر دین رائے سے ہوتا تو بجائے موزوں کے اوپر مسح کرنے کے موزوں کے نیچے مسح کیا جاتا۔ لیکن میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں کے اوپر کے حصہ پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے اور ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ آدمی جب تک قرآن وحدیث پر عمل کی حدود معلوم نہ کر سکے مختلف آیات اور مختلف روایات کو جمع کرنے یا ترجیح دینے کے قواعد معلوم نہ کر سکے وہ کس طرح کسی آیت یا روایت سے استدلال کر سکتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ازالۃ الخفا میں لکھا ہے کہ مجتہد کے لئے پانچ علوم کا جاننا ضروری ہے جو شخص ان پانچ علوم کا جاننے والا نہ ہو وہ مجتہد ہو ہی نہیں سکتا۔ اول قرآن پاک کی قراءۃ اور تفسیر کا علم، دوسرے حدیث کا علم مع اس کی اسانید اور صحت وضعف کے۔ تیسرے سلف کے اقوال کا علم تاکہ ان سے باہر ہو کر اجماع کے خلاف نہ ہو اور مختلف اقوال میں ان کے اقوال سے باہر نہ جا سکے۔ چوتھے زبان عرب کی واقفیت لغت اور نحو وغیرہ کے اعتبار سے۔ پانچویں مسائل کے استنباط کے طریقوں اور مختلف نصوص میں تطبیق اور ترجیح کا علم ہونا ضروری ہے (ازالہ)۔ علامہ حازمی نے کتاب الاعتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ من الآثار میں دو مختلف حدیثوں میں سے ایک کو ترجیح قرار دینے کے لئے پچاس وجوہ ترجیح مفصل طور پر لکھی ہیں۔ علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں لکھا ہے کہ حافظ عراقی نے سو سے زیادہ وجوہ ترجیح تحریر فرمائی ہیں۔ اس کے علاوہ خود وجوہ ترجیح میں بھی اختلاف ہوجاتا ہے کہ ایک وجہ ترجیح کا مقتضا ایک حدیث کو ترجیح

دیتا ہے اور دوسری وجہ کا تقاضا ہے کہ دوسری حدیث کو ترجیح دی جائے اسی طرح دو روایتوں کے تعارض کا قصہ ہے پس اگر دو وجہ ترجیح متعارض ہو جائیں تو اُن متعارض وجوہ ترجیح میں سے کونسی وجہ کی رعایت مقدم ہے یہ مستقل مبحث ہے۔

مثال کے طور پر حضرت عمرؓ ہی کے دو واقعے دیکھ لیجئے ایک مسلم و غیر مسلم میں جھگڑا ہوا تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم کے حق میں فیصلہ فرما دیا۔ مسلمان کو اپنے مسلمان ہونے کی وجہ سے یہ خیال ہو گیا کہ عمرؓ میری رعایت کریں گے اس لیے درخواست کی کہ عمرؓ کے پاس ہمارا مقدمہ بھیج دیجئے۔ حضور نے قبول فرما لیا۔ یہ دونوں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے غیر مسلم نے ان سے عرض کیا کہ حضورؐ نے میرے حق میں فیصلہ کیا تھا اس نے قبول نہیں کیا اور آپ کی خدمت میں مقدمہ لانے کی درخواست کی۔ حضرت عمرؓ نے مسلمان سے پوچھا کیا یہی بات ہے اُس نے عرض کیا جی ہاں۔ حضرت عمرؓ اندر تشریف لے گئے تلوار لائے اور اس مسلمان کی گردن اُڑا دی اور ارشاد فرمایا کہ جو حضورؐ کے فیصلہ پر راضی نہ ہو اُس کا میرے یہاں یہی فیصلہ ہے (درمنثور) اور نہیں حضرت عمرؓ کا دوسرا قصہ سنئے۔ قصہ لمبا ہے۔ مختصر یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہؓ کو اپنے نعلین شریف بطور علامت کے مرحمت فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ باہر چلے جاؤ اور جو تمہیں ملے اور دل سے لا الہ الا اللہ کا اقرار کرتا ہو (یعنی منافق وغیرہ نہ ہو) اُس کو جنت کی خوشخبری سنا دو۔ یہ باہر آئے سب سے پہلے حضرت عمرؓ ملے پوچھا یہ نعلین شریف کیسے اُنہوں نے

حضورؐ کا ارشاد سنایا۔ حضرت عمرؓ نے اُن کے سینہ پر اس زور سے دونوں ہاتھ مارے کہ یہ سُرین کے بل گر گئے اور اُن کو واپس کر دیا۔ یہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زور سے رونا شروع کیا اور حضورؐ کو قصہ سنایا۔ حضرت عمرؓ خود بھی پیچھے پیچھے حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے اُن سے دریافت فرمایا کہ یہ کیوں کیا۔ عرض کیا۔ ایسا ہرگز نہ کیجئے لوگ اس خوشخبری پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے اور عمل چھوڑ دیں گے (مشکوٰۃ بروایۃ مسلم)

کیا خدانخواستہ یہ واہمہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضورؐ کے ارشاد کی بے وقعتی کی، یا حضورؐ کا خلاف کیا، یا حضورؐ کا مقابلہ یا حضورؐ کی مخالفت کی لیکن اس واقعہ کو اُس پہلے واقعہ سے جوڑنا یقیناً عقل کی معرفت پر موقوف ہے اس کے علاوہ اور سنئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی لڑائی میں تشریف لے جا رہے تھے۔ ایک شخص جس کی بہادری کا شہرہ تھا جنگ میں شرکت کے خیال سے ساتھ ہو لیے۔ صحابہ اُس کو دیکھ کر مسرور ہوئے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کیا ایمان لے آئے؟ اُس نے عرض کیا نہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں مشرک سے مدد نہیں لیتا۔ لیکن یہی نقل کیا گیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد جنگ خیبر اور غزوہ حنین میں صفوان بن امیہ مشرک سے جانی اور مالی مدد حاصل فرمائی (کتاب المغازی)۔ حالانکہ جنگ بدر کے وقت مسلمان اپنی قلت و ضعف کی وجہ سے خیبر و حنین کی بہ نسبت زیادہ ضرورت مند تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۸ھ میں ایک جگہ تشریف لے جا رہے تھے

ایک صحابی روزے کی حالت میں سینگی لگوا رہے تھے حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ سینگی لگانے والا اور سینگی لگوانے والا دونوں کا روزہ نہیں رہا۔ لیکن ۱۰ھ میں حضورؐ نے خود روزہ کی حالت میں سینگی لگوائی اسی طرح سینگی لگانے کے بارہ میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اس کی اجرت ناپاک ہے لیکن حضورؐ نے سینگی لگانے والے کو اُجرت مرحمت فرمائی۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ نماز کو کوئی چیز قطع نہیں کرتی لیکن یہ بھی ارشاد ہے کہ نمازی کے سامنے سے عورت گدھا کتا گزر جائے تو نماز قطع ہو جاتی ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جب نماز کا وقت آگیا ہو اور کھانا بھی تیار ہو تو پہلے کھانا کھا لینا چاہیے۔ لیکن یہ بھی حضورؐ کا ارشاد ہے کہ نماز کو کھانے وغیرہ کی وجہ سے مؤخر نہ کرو۔ حضورؐ کا ارشاد ہے جو تیری عیادت نہ کرے اُس کی عیادت نہ کر۔ لیکن یہ بھی حدیث میں وارد ہے جو تیری عیادت نہ کرے اس کی عیادت کر (مقاصد حسنہ)

الغرض سینکڑوں ہزاروں احکام ہیں جن میں مختلف وجوہ سے مختلف احکام وارد ہوئے محض قرآن پاک کے ترجمہ کو دیکھ لینے سے یا کسی مترجم حدیث کی کتاب میں حدیث کا ترجمہ دیکھ لینے سے یا صرف عربی زبان کی ڈگری حاصل کر لینے سے ان ارشادات کی وجوہ ان میں ترجیح ان میں تقدم تأخر ان میں اصلی حکم اور کسی عارض کی وجہ سے وقتی حکم کے درمیان فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دین کے لیے تین شخص آفت

ہیں۔ فاجر فقیہ اور ظالم بادشاہ اور جاہل مجتہد (جامع ا یعنی علوم سے ناواقف ہو اور پھر اپنے اجتہاد سے مذہب میں رائے زنی کرتا ہو۔ متعدد احادیث میں وارد ہے کہ جو شخص قرآن شریف (کی تفسیر) میں اپنی رائے سے کچھ کہے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں تجویز کر لے۔

دین سے ناواقف لوگوں کو یہاں ایک اشکال نے گھیر لیا ہے۔ ان کو یہ خلجان پیش آیا کہ طبعیات حسیات حسابیات وغیرہ امور میں ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔ دو اور دو کے چار ہونے میں کسی کو بھی اختلاف نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ شرعیات مذہبیات میں ہمیشہ سے اختلاف چلا آتا ہے ازل سے لے کر آج تک کوئی بھی زمانہ ایسا نہیں گزرا جس کے اندر مذہبیات میں اختلاف نہ ہوا ہو۔ یہ بے دین لوگ اس اشکال میں یہاں تک بڑھے کہ بعض نے سرے سے دین ہی کا انکار کر دیا اور بعض نے دین کا اقرار کرنے کے بعد دینیات سے انکار کر دیا۔ حالانکہ ایک ظاہری بات یہ تھی کہ جب خود ان کے اقرار کے موافق ازل سے ہی یہ اختلاف چلا آ رہا ہے تو ان کو خود ہی سمجھ لینا چاہئے تھا کہ یہ ایک فطری چیز ہے اور ضروری ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ ہزاروں برس کے اس طویل زمانہ میں یہ بات مستمر چلی آتی حالانکہ ان میں نہ معلوم کتنے ہزار عقلا اور حکما ہر زمانہ میں ہوتے چلے آئے ہیں۔ درحقیقت یہ اشکال بھی دین سے ناواقفیت کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ دین میں اختلاف کی دو وجہیں ہیں ایک اصولی درجہ میں دوسری فروعی حیثیت سے۔ اصولی درجہ میں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دین اور مذہب حقیقت میں ایک الگ خاص سکانیت

کے ارشادات اور احکامات پر عمل کرنے کا نام ہے اور مالک کے لئے حق ہے کہ وہ اپنی مملوک کے لئے جس وقت جو حکم مناسب اور موافق مصلحت خیال فرمائے نافذ کر دے اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں نہ کوئی بے وقوف سا بے وقوف یہ کہہ سکتا ہے کہ فلاں آقا نے اپنے نوکر کو کل یہ کام کرنے کو کہا تھا آج دوسرا کام کیوں بتا دیا۔ ایک حاکم کا حق ہے کہ وہ اپنی رعایا کی بہبود کے لئے آج ایک قانون تجویز کر دے کل کو اس میں کوئی مناسب ترمیم کر دے۔ مالک الملک نے بھی مختلف اُمتوں کے لئے مختلف اوقات میں اصول کے اتحاد کے ساتھ مناسب ترمیمات فرمائی ہیں جو اُن اُمتوں کے حسب حال اور اُن کے لئے مناسب سمجھیں۔ اور اُن ترمیموں کی وجہ سے مذاہب میں اختلاف لازمی اور ضروری تھا۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ۔

(سورۃ بقرہ رکوع ۱۷)

اب تو یہ بے وقوف ضرور ہی کہیں گے کہ ان (مسلمانوں) کو اُن کے سابق قبلہ سے جس طرف پہلے متوجہ ہوا کرتے تھے کس نے بدل دیا آپ فرما دیجئے سب مشرق و مغرب اللہ ہی کی ملک ہیں

خدا تعالیٰ کو مالکانہ اختیار ہے جس سمت کو دل چاہے مقرر فرما دیں کسی کو منصب علت دریافت کرنے کا نہیں ہے، حق تعالیٰ شانہٗ نے مختلف ملتوں کے لئے مختلف احکامات ارشاد فرمائے اور ہر ملت کے لئے جب تک وہ احکام باقی تھے اُن پر عمل ضروری تھا جب دوسرا حکم نازل ہو گیا اب اُس کی اطاعت اور فرمانبرداری

ضروری بن گئی اس لئے یہ تخیل کہ ایک ہی احکام سب کے لئے ہیں نادانی ہے۔

لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَکُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰکِنْ لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْمَا اٰتَاکُمْ۔ (س: مائدہ ع ۷)

تم میں سے ہر ایک اُمت کے لئے ہم نے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی تھی اور اگر اللہ تعالیٰ کو (سب کا ایک ہی طریقہ رکھنا منظور ہوتا تو سب (یہود ونصاریٰ واہل اسلام) کو (ایک ہی شریعت دے کر) ایک اُمت بنا دیتے لیکن ایسا نہیں کیا (بلکہ ہر اُمت کو جدا جدا طریقہ دیا) تاکہ جو جو دین تم کو (ہر زمانہ میں) دیا ہے اُس میں تم سب کا امتحان فرمائیں۔

دوسری بات فروعی حیثیت سے اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ احکام شرعیہ کا صدور اور جزئیات کا ورود کتابی صورت سے نہیں ہوا بلکہ عملی صورت سے وقتی واقعات کے طور پر ہوا ہے (جس کو ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے الانصاف میں تحریر فرمایا ہے اور کسی قدر تفصیل کے ساتھ میں نے مضمون اختلاف ائمہ میں بھی لکھ چکا ہوں) ان واقعات سے احکام کا استنباط ہوا ہے اور ظاہر بات ہے کہ سمجھ اور فہم کے اعتبار سے فطرۃً قوائے بشریہ مختلف ہیں ہر شخص ایک سی سمجھ نہیں رکھتا ایسی حالت میں اپنی فہم اور اپنے اجتہاد کے لحاظ سے احکام میں فرق ضروری تھا اور ہوا لیکن جب شریعت مطہرہ نے اس اجتہاد کی اجازت اور گنجائش بتادی اور خصوصی قواعد کے تحت اس اختلاف کو جائز قرار دے دیا بلکہ رحمت بتا دیا تو پھر کوئی خلجان باقی نہ رہا۔ تعجب ہے کہ ہم لوگ شب وروز میں بیسیوں مرتبہ اپنے کمسن بچوں سے

یہ بات کہتے ہیں کہ تم ابھی بچے ہو فلاں بات تمہاری سمجھ میں نہ آئے گی جب بڑے ہو جاؤ گے اُس وقت سمجھ میں آ جائے گی لیکن یہ لوگ اپنے کو ایسا کامل الفہم کامل الذہن، کامل العقل سمجھتے ہیں کہ قرآن پاک کی آیات کا مطلب وہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں جہاں تک (نعوذ باللہ) مشکوٰۃ نبوت کی بھی رسائی نہ ہو صحابہ اور تابعین کا تو ذکر ہی کیا ہے حالانکہ ہم لوگ نہ صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کی برابری ایمان کی پختگی میں کر سکتے ہیں نہ اعمال کی درستی میں، نہ قرآن شریف کی زباندانی میں نہ انوارِ معرفت میں۔ پھر کیا پوچھنا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اطہر کا، جہاں تک دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بھی رسائی نہیں ہے۔ علامہ ابن جوزی نے تلبیس ابلیس میں بالتفصیل وہ صورتیں لکھی ہیں جن میں اس اُمت پر شیطان کا ایک حملہ اُن کی ذکاوت اور عقل اور ذہن کی طرف سے ہوتا ہے اور بات یہ ہے کہ بشری قوتیں علوم الٰہیہ کو اجمالی طور سے حاصل کر سکتی ہیں اور اس کے لئے ان کو شریعت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے ورنہ وہ گمراہی کے گڑھے میں گر جاتی ہیں اور اسی وجہ سے بہت سے حکماء سابق میں ہلاک ہو چکے ہیں۔ یہ مفید مضمون ہے دل چاہے تو دیکھ لو۔

علاوہ ازیں ایک چیز اور بھی نہایت قابل اہتمام ہے غور سے سنو کہ اختلاف رائے جو جائز درجہ میں ہو بالخصوص کسی اختلاف میں بھی عداوت تک نہ پہنچ جائے اور مخالفین کے ساتھ اعتدال سے بڑھ کر معاملہ کرنا اسلامی تعلیم کے منافی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا (سورۂ مائدہ ع۱) ایسا نہ ہو کہ تم کو کسی قوم سے جو اس سبب سے بغض ہے

کہ انہوں نے تم کو مسجد حرام میں جانے سے روک دیا ہے وہ بغض تمہارے لئے اس کا باعث بن جائے کہ تم حد سے نکل جاؤ۔ غور کرو کہ یہاں کفار کی مخالفت کیسی سخت اور مذموم تھی لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کو ان کی مخالفت میں بھی حد سے تجاوز کرنے کی ممانعت کردی گئی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اختلاف رائے نہیں ہوتا یا اختلاف مسائل نہیں ہوتا یا آپس کا نزاع نہیں ہوتا یہ سب چیزیں ہمیشہ ہی سے ہوتی آئی ہیں اور رہیں گی۔ مخالفتیں ممدوح بھی ہوتی ہیں اور مذموم بھی مگر کونسی چیز ہمارے لئے ایسی ہے جس کے بارے میں ہمارے پاس اسلاف کی رائے اُن کا فعل اُن کا عمل مشعلِ ہدایت نہیں ہے۔ آپس کی مخالفت کے قصے دیکھنا ہو تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اختلافات دیکھو کہ وہ آپس میں لڑکر اس تعلیم کو بھی پورا فرما گئے ہیں۔ میں مثال کے طور پر چند واقعات کی طرف تمہیں متوجہ کرتا ہوں مگر اُس سے قبل ایک اصولی بات پر بھی متنبہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے معاصی بھی صادر ہوتے اور امور سلطنت وحکومت میں اختلافات اور لڑائیاں بھی ہوئیں اُن میں سے بہت امور گو ان حضرات کی شایانِ شان نہ ہوں اُن کے علوِ مراتب کے بعض امور خلاف ہوں لیکن ہمارے لئے وہ امور مشعلِ ہدایت ہیں اور جو واقعات بھی پیش آئے وہ اُمت کے لئے رہتی دنیا تک کے لئے نمونہ ہیں اور حقیقی بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عملی تعلیم کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور یہی ضرورت نبی کی ہوتی ہے کہ اُمت کے لئے جو احکام نازل ہوں وہ اُن کو عملی جامہ

بہت کر تیاری کر جائے تاکہ بعد میں یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ ان پر عمل کیسے ہو سکتا ہے ایسی حالت میں قوانین دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جن سے شانِ نبوت انکار نہ کرتی ہو اُن کا صدور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ صبح کی نماز کے لئے آنکھ کا نہ کھلنا جو ایک مرتبہ تو قطعاً پیش آیا اور محققین کی رائے یہ ہے کہ ایک مرتبہ سے زیادہ دو یا تین مرتبہ پیش آیا۔ چونکہ یہ فعل شانِ نبوت کے منافی نہ تھا اس لئے حضورؐ کی ذات سے صادر ہوا۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ معمولی مشائخ بلکہ معمولی سالکین ایسے ہیں کہ اُن کی ہمیشہ خود بخود آنکھ کھل جاتی ہے۔ صبح کی نماز تو بڑی چیز ہے تہجد بھی اُن حضرات کا قضا نہیں ہوتا۔ اسی طرح نماز میں سہو ہو جانا متعدد بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آیا جس کے بارہ میں خود حضورؐ کا ارشاد ہے۔ اِنِّیْ لَاَنْسٰی وَلٰکِنْ اُنَسّٰی لِاَسُنَّ (موطا مالک) میں بھولتا نہیں ہوں بلکہ بھلایا جاتا ہوں تاکہ سنت (اور طریقہ) جاری کروں۔ دوسرے وہ احکام جو ایسے امور کے متعلق ہوں جو شانِ نبوت کے منافی ہیں جیسے زنا چوری وغیرہ۔ اور اس نوع کے احکام کا بتانا بھی ضروری تھا اور ان کی حدود کا جاری کرنا بھی ایسے ہی سلطنت کے مقابلے اور حکومت کرنے اور حکومت لینے کے ضوابط کی ضرورت بھی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات میں یہ چیز اگر پیش آتی تو جس جانب حضورؐ کا فیصلہ ہو جاتا وہ قطعی تھا خلاف کی گنجائش ہی نہ تھی اس لئے ضرورت تھی کہ حضورؐ کے بعد یہ چیزیں پیش آئیں اور دونوں جانب کے اصول وضوابط معرض ظہور میں آئیں اس لئے جو چیزیں ایسی تھیں کہ شانِ نبوت

اُن کے منافی تھی۔ صحابہ کرام نے اپنے آپ کو اُن چیزوں کے اجرا کے لئے پیش کیا اُن میں سے جو امور ایسے تھے کہ حضورؐ کے زمانہ میں وجود میں آسکتے تھے جیسے نہی وہ حضورؐ کے زمانہ میں صادر ہوئے اور جو ایسے تھے کہ حضورؐ کے زمانہ میں ان کا پیش آنا مشکل تھا جیسے کہ سلطنت کے نزاعات وہ بعد میں پیش آئے ایسی حالت میں ہم لوگوں کو ان سب نزاعات اور اختلافات پر بھی ان حضرات کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ممنونِ احسان ہونا ضروری ہے کہ ہمارے لئے یہ حضرات راستے کھول گئے اور حکومت کرنے اور حکومت کی جائز مخالفت کرنے کے طریقے بتا گئے۔

اب اس تمہید اور اصل کلی کے بعد چند نمونے مخالفت کے بھی لکھتا ہوں غور کی نگاہ سے دیکھو کہ آپس کی مخالفتوں میں بھی ان حضرات نے کیا نمونہ ہمارے سامنے رکھا ہے۔ جنگ جمل کتنی سخت لڑائی ہوئی تھی کہ تقریباً تیس ہزار آدمی اس لڑائی میں قتل ہوئے (تاریخ الخمیس) لیکن جب معرکہ شروع ہو رہا تھا اور دونوں طرف سے گھمسان کی لڑائی شروع ہونے کو تھی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ صف سے آگے بڑھے اور مدِمقابل جماعت میں سے حضرت زبیرؓ کو آواز دی۔ وہ بھی اپنی صف سے آگے بڑھے۔ دونوں نے معانقہ کیا اور دونوں رو دئے حضرت علیؓ نے فرمایا تمہیں کس چیز نے مجبور کیا کہ تم یہاں مقابلہ پر آگئے حضرت زبیرؓ نے فرمایا کہ حضرت عثمانؓ کے خون کے بدلہ نے۔ دونوں حضرات میں گفتگو ہوتی رہی۔ یہ ایسے دو مخالفوں کا برتاؤ ہے جو ایک دوسرے کے مقابلہ میں تلواریں نکالے ہوئے بالکل تیار بیٹھے تھے (کتاب الامة والسیاسة) اس کے بعد

معرکہ ہوا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جماعت کو فتح ہوئی دوسری جماعت کے بہت سے افراد قید ہوئے۔ حضرت علیؓ کی جماعت کے بعض افراد نے اصرار کیا کہ ان قیدیوں کو قتل کیا جائے حضرت علیؓ نے قبول نہیں فرمایا بلکہ اُن سے دوبارہ بیعت لیتے رہے اور معاف فرماتے رہے۔ ان مخالفین کے مال کو غنیمت قرار دیا۔ لیکن ان کی جانوں کو قیدی بنانے سے انکار فرما دیا۔ لوگوں نے اس پر بھی اصرار کیا کہ جب ان کے مال غنیمت بنائے گئے تو جانیں بھی قیدی بنائی جائیں۔ حضرت علیؓ اوّل انکار فرماتے رہے۔ آخر اپنی جماعت کے اصرار پر ارشاد فرمایا کہ اچھا بتاؤ کہ اپنی ماں حضرت عائشہؓ کو باندی بنا کر اپنے حصّہ میں لینے پر تم میں سے کون سا تیار ہے۔ انہوں نے عرض کیا نستغفر اللہ (یعنی ہم اللہ سے مغفرت چاہتے ہیں یہ تو نہیں ہو سکتا) حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا وانا استغفر اللہ (میں بھی اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں)

کیا ہم بھی اپنے کسی مخالفت کا کوئی احترام باقی رکھتے ہیں، دشمنی اور مقابلہ میں تلوار اٹھانا بڑی چیز ہے کیا ہم معمولی سا خلاف کرنے والے کا بھی اتنا احترام رکھتے ہیں جتنا یہ حضرات مقابلہ میں تلوار اٹھانے والے کا رکھتے تھے اس کے بعد دیکھا کہ مقتولین میں محمد بن طلحہ پڑے ہوئے ہیں حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا اللہ تم پر رحم فرمائے تم بڑے عبادت گزار شب بیدار تمام رات نماز پڑھنے والے تھے سخت سے سخت گرمی میں کثرت سے روزے رکھنے والے تھے (کتاب مذکور) ... جنگ کے ختم پر جب حضرت عائشہؓ کا اونٹ زخمی

ہو کر گرا ہے تو حضرت علیؓ نے جلدی سے کہا دیکھو ام المومنین، کو کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی (طبری) حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکرؓ جو حضرت علیؓ کے طرفدار تھے جلدی سے بڑھے دریافت کیا کہ کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی۔ اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ خود ہودج کے پاس تشریف لے گئے فرمایا اماں جان کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔ اللہ جل شانہٗ تمہاری غلطی کو معاف فرمائے حضرت عائشہؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری بھی مغفرت فرمائے (طبری)

یہ تھا مخالفوں کے ساتھ معاملہ اور یہ بھی مقابلین کی عزت افزائی۔ ہم لوگوں کو اپنے کسی حریف پر تسلط حاصل ہو جائے تو ہمارا کیا برتاؤ ہے کسی مخالف پر غلبہ حاصل ہو جائے تو اس کی جان و مال آبرو کوئی چیز بھی ایسی ہے جس پر ہم رحم کر سکتے ہیں۔

امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کی جنگ ضرب المثل ہے۔ امیر معاویہؓ کی حکومت میں ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص ابن خیبری نے اپنی بیوی سے کسی کو زنا کرتے دیکھ لیا۔ صبر نہ ہو سکا اس کو قتل کر دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہٗ کے پاس مقدمہ پہنچا۔ ان کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کیا فیصلہ فرمائیں۔ قاتل کی سزا قتل ہے لیکن یہ قتل جن حالات میں سرزد ہوا وہ بھی بالکل نظر انداز کرنا مشکل۔ حضرت معاویہؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ حضرت علیؓ سے اس بارے میں مسئلہ تحقیق کر کے لکھیں (موطا امام مالک)

کیا ہم بھی اپنے کسی سیاسی مخالف کے سامنے جس کا اقرار کر سکتے ہیں کسی مسئلہ میں جو ہم کو معلوم نہ ہو اس کی طرف رجوع کر سکتے ہیں ہمارے سیاسی خلاف

کا نہ کوئی قول معتبر ہے نہ وہ اس قابل ہے کہ کوئی شخص کسی مسئلہ میں اس طرف رجوع کرے۔

حضرت علیؓ سے ان کے خلیفہ ہونے کے وقت جب مہاجرین و انصار نے بیعت عامہ کی تو ایک جماعت بیعت میں شریک نہیں ہوئی۔ حضرت علیؓ نے ان پر جبر نہیں فرمایا اور جب آپ سے کسی نے ان لوگوں کے متعلق سوال کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ حق کا ساتھ دینے سے بیٹھ گئے لیکن باطل کا ساتھ بھی نہیں دیا (خمیس)، مگر آج کوئی شخص یا کوئی جماعت سکوت اختیار کرے تو اس کا کیا حشر ہے یہ اخبار بینوں سے مخفی نہیں ہے۔

حضرت امام حسنؓ کو زہر پلایا گیا اور جب وصال ہونے لگا تو لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کو کچھ معلوم ہے کہ کس نے زہر دیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ واللہ میں ہرگز نہ بتاؤں گا کہ کس نے دیا ہے اگر وہی ہے جس کو میں سمجھتا ہوں تو اللہ جل جلالہ کا انتقام بہت کافی ہے، اور اگر وہ نہیں ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کسی بے گناہ کو مارا جائے (خمیس)

لیکن ہمارا کیا عمل ہے جس شخص سے معمولی اختلاف رائے ہے ہر برائی اُس کے ذمہ ڈالی جاتی ہے جو اذیت ہم کو پہنچتی ہے اُسی کی سازش سمجھی جاتی ہے کوئی دوسرا شخص کسی قسم کی اذیت پہنچائے تو دیدہ و دانستہ اس اذیت کو اس مخالف رائے کے ذمہ ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔ بسا اوقات ہمارا دل کہتا ہے کہ یہ فعل اس کا نہیں ہے مگر انتقام کا جوش اس کی سعی کرتا ہے کہ اس قصہ میں اُسی کو بے گناہ جاننے کے باوجود اس کو پھنسا جائے۔

اور سنیے۔ اسی جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ کی اور حضرت علیؓ کی زبردست
سخت مخالفت تھی کہ اس جنگ ہی میں ان دونوں حضرات کی ٹھنی لیکن جب حضرت
حسن بن علیؓ پر زہر کے اثر کا غلبہ ہوا تو اپنے بھائی حضرت حسینؓ کو حضرت عائشہؓ
کے پاس بھیجا اور اس کی اجازت منگائی کہ میں ان کے گھر میں اپنے نانا صلی اللہ
علیہ وسلم کے قریب دفن ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے باوجود اس ساری لڑائی کے
بخوشی اس کو قبول فرمایا۔ اس کے بعد حضرت حسنؓ نے حضرت حسینؓ سے فرمایا
کہ شاید میری زندگی میں میری شرم و لحاظ کی وجہ سے اجازت دے دی ہو میرے
انتقال کے بعد دوبارہ اجازت لے لینا اگر وہ بخوشی دیں تو وہاں دفن کر دینا
ورنہ عام قبرستان میں دفن کر دینا۔ حضرت حسینؓ نے بھائی کے انتقال کے بعد
دوبارہ اجازت چاہی تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا نعم وکرامۃ، ہاں ہاں بڑے
اکرام کے ساتھ۔ یہ ہے مسلمانوں کے سلف کی لڑائی اور آپس کی مخالفت۔ اس
کے بعد کا بھی حال سنو کہ امراء بنی امیہ نے اس وجہ سے کہ حضرت عثمانؓ کو بھی وہیں
نے وہاں دفن نہ ہونے دیا تھا مزاحمت کی اور کہا کہ جب حضرت عثمانؓ کو وہاں
دفن ہونے نہیں دیا تو حسنؓ بھی دفن نہیں ہو سکتے لیکن اس کے باوجود حضرت
حسینؓ نے جنازہ کی نماز پڑھنے کے لئے امیر مدینہ سعید بن العاص کو بڑھایا
اور فرمایا کہ یہی سنت ہے (خمیس)،

کیا ہم بھی سنت کی رعایت میں اپنے دشمن کے ساتھ یہ معاملہ کرتے ہیں ہم
معمولی سے معمولی اختلاف پر نفرتوں سے بنا دیتے ہیں۔ مدت سے غیبت و کراہت و ذمت
کے معمولات ہیں دو چار واقعہ ہوں تو کوئی گنوائے جہاں ہزاروں معمولات ہوں

اسی نوع کے ہوں تو کہاں تک گنوائے جائیں۔ یہ مسلمانوں کے ساتھ ان حضرات کے معاملات تھے۔ ایک نظر غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ پر بھی ڈالتے جاؤ۔

کفارِ مکہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ابتداءِ اسلام میں کیا کچھ تکلیفیں نہیں پہنچائیں کونسی ایسی اذیت و تکلیف اور توہین و تذلیل تھی جو ان حضرات کے ساتھ نہیں برتی گئی۔ ہر مسلمان اُن سے واقف ہے اور عام و خاص کی زبانوں پر یہ واقعات ہیں۔ کچھ نمونہ دیکھنا چاہو تو حکایاتِ صحابہؓ کا پہلا باب دیکھو۔ لیکن ان سب کے بعد مکہ مکرمہ فتح ہوتا ہے۔ سب کفار زیرنگیں اور مغلوب ہوتے ہیں۔ اس وقت ہر شخص اپنے اوپر خائف ہے کہ اپنی عداوتیں سامنے ہیں۔ لیکن حضورؐ کی پاک زبان سے نکلتا ہے۔ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ (در منثور) آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ اللہ تمہیں معاف کرے۔

غزوۂ بدر میں کس زور شور سے کفار نے مقابلہ کیا۔ پھر مغلوب ہوئے پکڑے گئے۔ لیکن قیدیوں کے ساتھ کیا برتاؤ ہوا کہ بعض کو معمولی معاوضہ پر آزادی دی گئی اور بعض غریبوں کو بلا معاوضہ آزادی دے دی گئی تھی۔

اسی طرح جس قدر معرکے حضورؐ کے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہوئے ہیں تاریخ کے صفحات اُن سے پُر ہیں کہ ذمیوں اور قیدیوں کے ساتھ جو برتاؤ ہوتا تھا وہ آج مسلمانوں کا مسلمانوں سے نہیں ہے۔ معمولی سے معمولی آدمی عورت وغیرہ تک کسی کو امن دے دیتا تھا تو بادشاہ اور امیر کو اس کا پورا کرنا ضروری تھا۔ آج قوم کے بڑے بھی کسی سے معاہدہ کرلیں تو ساری قوم ان کے

خلاف لعنت کا ووٹ پاس کرنے کو تیار ہے۔ فتح مکہ میں حضرت ام ہانی نے اپنی سسرال کے کسی شخص کو امن دے دیا۔ حضرت علیؓ نے اس کو رد کرنا چاہا۔ مگر حضور نے فرما دیا کہ ہم نے امان قبول کر لیا ہے اور ضابطہ بنا دیا کہ ادنیٰ سے ادنیٰ کا امان دے دینا معتبر ہے۔

ہرمزان کا بار بار بدعہدی کرنا اور پھر امن چاہنا تاریخ میں مفصل مذکور ہے اور اخیر میں جب حضرت عمرؓ نے ان کی مکرر سہ کرر بدعہدی سے قتل فرمانے کا تہیہ کر لیا تھا تو کیسے معمولی حیلے سے امن حاصل کر کے مسلمان ہوئے کہ اول اپنے پیاسے ہونے کو ظاہر کیا اور جب پانی دیا گیا تو کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ پانی پیتے ہوئے قتل کر دیا جاؤں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اندیشہ نہ کرو۔ پانی پینے تک تم کو امن دے دیا۔ یہ سن کر اس نے پانی گرا دیا۔ حضرت عمرؓ نے دوبارہ پانی منگایا تو کہنے لگے مجھے پانی پینا منظور نہیں ہے مگر آپ پانی پینے تک امن دے چکے ہیں۔ گو یہاں بالکل صاف اور یہ مفہوم تھا کہ پانی نہیں پیئے تو امن ختم ہے۔ مگر چونکہ امن اور ایفائے عہد میں یہ حضرات بہت اونچی چوٹی پر تھے اس لئے حضرت عمرؓ نے اس کو قبول فرما لیا۔ ان حضرات کے اس علوشان کا تھوڑا سا اندازہ اس تحریر سے ہوتا ہے جو حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو لکھی ہے۔ جس میں ارشاد ہے کہ اگر کوئی عجمی مذاق اور لہو ولعب کے طور پر یا کسی ایسی زبان میں یا ایسے الفاظ میں کہ جو ان کے یہاں امن سمجھے جاتے ہوں تو تم اس کو امن کے قائم مقام سمجھو۔ اس لئے کہ امن دینے میں غلطی کر جانا کارآمد ہے اور بدعہدی میں غلطی کر جانا ہلاکت ہے اور تمہارے ضعف اور دشمن کے قوی ہو جانے کا سبب ہے (اشاعۃ)۔

ابو لؤلؤہ جو حضرت عمرؓ کا قاتل ہے نصرانی غلام تھا۔ حضرت عمرؓ کی زندگی ہی میں ان کو اشارے سے قتل کی دھمکی دی۔ حتیٰ کہ کچھ عرصہ کے بعد قتل بھی کر دیا حضرت عمرؓ نے خود فرمایا کہ اس نے اس وقت مجھے قتل کی دھمکی دی ہے لیکن اس کے باوجود کیا کوئی انتقام اس سے لیا۔ بلکہ اس کے بالمقابل اس کے ساتھ احسان کا ارادہ تھا جو کتب احادیث اور تاریخ میں مشہور ہے۔ اور اس کی عداوت کا یہ حال تھا کہ جب نہاوند کے قیدی پکڑ کر لائے گئے تو ایک ایک کے سر پر ہاتھ پھیرتا تھا اور کہتا تھا کہ اَکَلَ عُمَرُ کَبِدِیْ عمرؓ نے میرا جگر کھا لیا ہے (اشاعۃ)

ابن ملجم حضرت علیؓ کا قاتل ایک مرتبہ کسی اپنی حاجت کو لے کر حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس کی حاجت پوری فرما دی اور ارشاد فرمایا کہ یہ میرا قاتل ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ اس کو قتل کیوں نہیں کرا دیتے۔ آپ نے فرمایا فَمَنْ یَقْتُلُنِیْ پھر مجھے کون قتل کرے گا (اشاعۃ)

ایک روایت میں ہے کہ ابھی تو اس نے قتل نہیں کیا (تو پہلے سے پہلے) قصاص کیسے ہو سکتا ہے) جب اس شقی نے آپ پر حملہ کر دیا اور پکڑا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ابھی قتل نہ کرنا۔ قید میں رکھنا اَطِیْبُوْا طَعَامَہٗ وَ لَیِّنُوْا فِرَاشَہٗ) اور کھانے کو اچھا دینا اور بستر نرم دینا۔ اگر میں اس حملہ سے مر گیا تو قصاص میں قتل کر دینا۔ اور اچھا ہو گیا تو میں اپنے معاملہ کا مختار ہوں چاہے معاف کر دوں یا بدلہ لوں (خمیس)

ان واقعات کا احاطہ کسی مختصر تحریر میں کیا ہو سکتا ہے تواریخ ان سے لبریز ہیں۔ مجھے تو اس نمونہ سے صرف ادھر متوجہ کرنا مقصود ہے کہ مخالفین

اور دشمنیاں ہوتی آئی ہیں مگر دشمنوں کے ساتھ بھی ان پاک نفوس کا جو برتاؤ تھا وہ ہمارا دوستوں سے بھی نہیں ہے۔ پھر امید باندھے بیٹھے ہیں کہ اسلام اسلام کا نام زبان پر رہیں اور ثمرات وہی حاصل ہوں جو ان کو حاصل تھے۔ فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی۔

آخری وصیت۔ ابھی میرا کچھ اور بھی لکھنے کا خیال تھا مگر ماہ مبارک قریب آرہا ہے۔ اور اس مبارک مہینے میں مجھے خط لکھنا تو درکنار پڑھنا بھی دشوار ہے اس لئے ایک نہایت مختصر مضمون پر اس خط کو ختم کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اس سارے مضمون سے یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ ہماری ساری پریشانیوں کا منشا اسلامی تعلیمات سے ہماری غفلت اور اس پر عمل نہ کرنا ہے۔ اس لئے کہ مسلمان کی انتہائی ترقی کا راز صرف اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے میں مضمر ہے اس کے سوا کچھ نہیں ہے لہذا ایک آخری نصیحت اور وصیت کرتا ہوں ؎

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند

جوانانِ سعادت مند پندِ پیرِ دانا را

کہ جہاں کہیں کسی ناجائز امر کو دیکھو اور اس کے روکنے پر قدرت ہو اس میں دریغ نہ کرنا اور جہاں قدرت نہ ہو وہاں نزاع و فساد پیدا نہ کرنا۔ یہ دو امر نہایت اہم اور دقیق ہیں۔ اس میں ہم لوگ بسا اوقات غلطی کرتے ہیں۔ بہت سے ایسے امور کو جو ہماری قدرت میں ہیں ہم اپنے تعلقات کے ذریعے اور دوا حباب کی محبت میں ان پر سکوت کرتے ہیں حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْهُ بِیَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ

فَبِقَلْبِہٖ وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ (رواہ مسلم وغیرہ) (رسالہ تبلیغ) جو شخص تم میں سے
کسی ناجائز کام کو ہوتے ہوئے دیکھے اس کو ہاتھ سے بدل ڈالے مثلاً کوئی ناجائز
چیز بنتے ہوئے دیکھے اگر قدرت ہے تو اس کو توڑ ڈالے۔ کسی شخص کو کسی گناہ میں
مبتلا دیکھے ہاتھ پکڑ کر لے جائے۔ اس پر کچھ زور ہو تو مار کر روک دے، اگر اس
کی قدرت نہ ہو تو زبان سے بدل ڈالے (یعنی ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ ہو، تو
زبان سے روک دے یا کم از کم زبان سے اس کے ناجائز ہونے کا اعلان کر
دے) اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو دل سے اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا سب سے
کم درجہ ہے۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ اس سے کم درجہ ایمان کا نہیں ہے
اور ظاہر بات ہے کہ جب دل سے بھی اس کو برا نہیں سمجھا ہے تو گویا دل سے
اس کو پسند کر لیا۔ پھر ایمان کا کون سا درجہ رہ سکتا ہے۔ اسی لئے ذات نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے اَفْضَلُ الْجِھَادِ کَلِمَۃُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ ارشاد
فرمایا ہے (افضل ترین جہاد حق بات کا ظالم بادشاہ کے سامنے کہہ دینا ہے) کہ
چونکہ ہاتھ سے روکنے پر قدرت نہیں ہے اس لئے زبان ہی سے کہہ دے شاید
اثر کر جائے، یا کم از کم اس کے علم میں تو یہ بات آجائے کہ میں فلاں کام ناجائز
کر رہا ہوں۔ اپنی جہالت سے ناجائز کو جائز اور باطل کو حق نہ سمجھتا رہے کہ
پھر اس سے رکنے کی یا توبہ کرنے کی توفیق ہی نہ ہوگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کا ارشاد ہے مَا مِنْ رَجُلٍ یَکُوْنُ فِیْ قَوْمٍ یَعْمَلُ فِیْھِمْ بِالْمَعَاصِیْ یَقْدِرُوْنَ
عَلٰی اَنْ یُّغَیِّرُوْا عَلَیْہِ وَلَا یُغَیِّرُوْنَ اِلَّا اَصَابَھُمُ اللّٰہُ بِعِقَابٍ قَبْلَ
اَنْ یَّمُوْتُوْا۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ حِبَّانَ وَغَیْرُھُمَا۔ جو شخص کسی جماعت
(ترغیب)

میں ہو اور کوئی ناجائز کام کرتا ہو اور وہ جماعت اس کے روکنے پر قادر ہو پھر بھی نہ روکے تو ساری جماعت کو مرنے سے پہلے پہلے اس کے عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ اللہ کس قدر سخت وعید ہے۔ ہم لوگ اپنی اولاد کو اپنے چھوٹوں کو علی الاعلان ناجائز امور کرتے دیکھتے ہیں ہر طرح سے ان پر قدرت ہے زور ہے لیکن پھر بھی ان کی محبت کی وجہ سے یا دین سے غفلت اور بے پروائی کی وجہ سے نہیں روکتے۔ یہ حقیقت میں نہ اُن کے ساتھ خیر خواہی ہے نہ اپنے ساتھ اُن کو بھی مصیبت میں گرفتار کرتے ہیں اور اپنے کو بھی۔ آج اولاد، ملازم، بیوی، بہن کوئی مالی نقصان کر دے، ہماری اپنی شان کے خلاف کوئی بات کہہ دے اُس کی جان کو آجائیں گے۔ مار پیٹ سے بھی دریغ نہ ہوگا۔ گالی دینے اور بُرا بھلا کہنے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ لیکن وہ نماز نہ پڑھتا ہو، جُوا کھیلتا ہو، ڈاڑھی منڈاتا ہو غرض اللہ جل جلالہ اور شریعتِ مطہرہ کے کسی بھی حکم کی خلاف ورزی کرتا ہو تو کچھ مارنا تو درکنار زبان سے بھی نہیں کہا جاتا بلکہ دل میں بھی خیال نہیں آتا۔ کوئی حکومت کا مجرم ہو اس کا باغی ہو۔ قتل کا ملزم ہو وہ ہمارے پاس آجائے تو زبان سے اگر کسی وجہ سے نہ کہا جائے گا تو بھی دل میں بار بار خیال آئے گا کہ یہ مجرم میرے پاس ہے کہیں میں اس کے ساتھ نہ پکڑا جاؤں۔ لیکن اللہ کا باغی، اللہ کا نافرمان کھلم کھلا اللہ کی نافرمانی کرنے والا ہمارے پاس آتا ہے تو زبان سے کہنا تو بڑی بات ہے دل میں بھی اس کا وسوسہ نہیں آتا کہ یہ اللہ کا مجرم ہے کہیں اس کی نحوست میں میں بھی گرفتار نہ ہو جاؤں۔ قرآن حکیم اور احادیث بار بار اس چیز کی مذمت کرتے

ہیں۔ اس پر جگہ جگہ تنبیہیں وارد ہیں۔ اور پھر اللہ جل شانہٗ جیسا قادر کہ دُنیا اور آخرت کی بادشاہت اُسی کی ہے۔ دُنیا کے سارے بادشاہ اور حکام اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ لیکن ذرا بھی اُس مالک کا خوف ہمارے دِل میں نہیں آتا اور علی الاعلان اُس کے احکام کی خلاف ورزی کریں تو پھر ہم پر بلائیں اور مصیبتیں کیوں نہ نازل ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَا یُعَذِّبُ الْعَامَّۃَ بِعَمَلِ الْخَاصَّۃِ حَتّٰی یَرَوُا الْمُنْکَرَ بَیْنَ ظَھْرَا نَیْھِمْ وَھُمْ قَادِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْ یُّنْکِرُوْہُ فَلَا یُنْکِرُوْا فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِکَ عَذَّبَ اللّٰہُ الْعَامَّۃَ وَالْخَاصَّۃَ (مشکوٰۃ) اللہ جل شانہٗ چند مخصوص لوگوں کے گناہ کرنے سے سب کو عذاب نہیں کرتے جب تک کہ وہ لوگ اُن مخصوص لوگوں کے روکنے پر قادر ہوں اور نہ روکیں۔ اور جب ایسا ہو کہ وہ روکنے پر قادر ہوں ورنہ روکیں تو پھر عام خاص سب کو عذاب میں مبتلا فرماتے ہیں۔ میں اِسی مضمون کو اپنے ایک رسالہ میں جو رسالہ تبلیغ کے نام سے شائع ہو چکا ہے مفصل لکھ چکا ہوں اس لئے یہاں مجھے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ جس جگہ آدمی کو قدرت حاصل ہے وہاں نہ روکنا اپنے آپ کو مصائب اور پریشانیوں کے لئے پیش کرنا ہے اور منجملہ اور پریشانیوں کے اسباب کے جو آج چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں یہ بھی بڑا سبب ہے کہ ہم دین کی کسی بات پر کسی مخالف اور دشمن کو تو ضرور اس کی آبرو ریزی کی نیت سے اس کو وقار گرانے کی فکر میں ٹوکیں گے اور کچھ نہ ہو سکے گا تو اظہارِ حق اور حقائق حق کے نام سے اس کے خلاف ایک فتویٰ لے کر شائع کر دیں گے۔ لیکن اپنے عزیز

کو اپنے دوست کو، اپنے چھوٹے کو کبھی بھی ٹوکنے کا ارادہ نہ کریں گے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اِذَا عَظَّمَتْ اُمَّتِیْ الدُّنْیَا نُزِعَتْ مِنْہَا ھَیْبَۃُ الْاِسْلَامِ وَاِذَا تَرَکَتْ الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّھْیَ عَنِ الْمُنْکَرِ حُرِمَتْ بَرَکَۃَ الْوَحْیِ وَاِذَا تَسَابَّتْ اُمَّتِیْ سَقَطَتْ مِنْ عَیْنِ اللّٰہِ تَعَالٰی
جب میری امت دُنیا کو عظیم الشان اور اونچی چیز سمجھنے لگے گی تو اسلامی ہیبت اس سے جاتی رہے گی اور جب نیک کاموں کے کرنے کا حکم اور بُرے کاموں سے روکنا چھوڑ دے گی تو وحی کی برکتوں سے محروم ہو جائے گی اور جب آپس میں ایک دوسرے کو گالیاں دینے لگے گی تو اللہ کی نگاہ سے گر جائے گی۔
ایک حدیث میں وارد ہے کہ تمہیں دو نشے گھیریں گے ایک نشہ زندگی کی محبت کا، دوسرا نشہ جہالت کی محبت کا (یعنی علم حاصل کرنے سے پہلوتہی کرنا) اس وقت تم نیک کاموں کا حکم کرنا چھوڑ دو گے اور بُری باتوں سے روکنا چھوڑ دو گے اس وقت قرآن وحدیث پر مضبوطی سے جمنے والے ایسے ہوں گے جیسے اونچے درجہ کے مہاجرین وانصار۔ (جامع)
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ کی حدود پر قائم ہیں (یعنی دین میں خوب پختہ ہیں) اور جو لوگ ان میں گرنے والے ہیں (یعنی مداہنت میں مبتلا ہیں) اُن دونوں کی مثال اس جماعت کی سی ہے جو ایک جہاز میں سوار ہوئی جس میں کچھ لوگ اوپر کے طبقہ میں ہیں اور کچھ لوگ نیچے کے حصہ میں ہیں نیچے والے پانی پینے کے لئے بار بار اُوپر آتے ہیں وہ اس دِقت کی وجہ سے کہ اُوپر بار بار جانا پڑتا ہے جس سے ان کو بھی تکلیف ہوتی ہے جو اُوپر ہیں اس

لئے وہ لوگ جہاز کے نیچے کے حصّہ میں ایک سوراخ کرنے لگیں تاکہ وہیں سے پانی آنے لگے تو ایسی صورت میں اگر اُوپر کے حصّہ والے اُن کو سُوراخ کرنے سے نہ روکیں گے تو جہاز میں سُوراخ ہو جانے سے اندر پانی بھر آئے گا اور دونوں فریق ڈوب جائیں گے (ترغیب عن البخاری) اس لئے خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ قدرت کے بعد نہ روکنا صرف گناہ کرنے والے ہی کو نقصان رساں نہیں ہے اپنے آپ کو بھی عذابِ الٰہی میں مبتلا کرنا ہے اور عام عذاب کے لئے تیار ہونا ہے۔ آج کل جو لوگ دیندار کہلاتے ہیں اور بہت سے اُن میں واقعی دیندار ہیں بھی وہ اپنے آپ کو بالکل ہی سبکدوش سمجھتے ہیں لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ (جب تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ تو کسی کا گمراہ ہونا تم کو نقصان نہیں پہنچاتا) کا پروانہ اپنے اطمینان کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اللہ تعالیٰ اُن پر لاکھوں رحمتیں نازل فرمائیں دین کے کسی چیز کو بھی غیر مکمل نہیں چھوڑا ہے۔

متعدد صحابہؓ سے اس آیت شریفہ کے بارے میں حضورؐ سے سوال کرنا اور حضورؐ کا جواب میں یہ ارشاد فرمانا تفاسیر میں منقول ہے اَمُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ کرتے رہو ورنہ عام عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اور اس آیت شریفہ کا محل یہ ہے کہ جب اس کی طاقت نہ رہے اور فتنوں کا دروازہ کھل جائے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ ایک مرتبہ منبر پر کھڑے ہوئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس آیت کو بے محل پڑھتے ہو۔ میں نے خود حضورؐ سے سنا ہے کہ جو لوگ ناجائز کام کو دیکھیں اور اس کو

نہ روکیں قریب ہے کہ وہ عذاب میں مبتلا ہو جائیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تشریف فرما تھے دو آدمیوں میں کچھ نزاع ہوا۔ پاس بیٹھنے والوں میں سے ایک صاحب نے ارادہ کیا کہ اُٹھ کر اِس کو روک دیں دوسرے کسی صاحب نے اُن کو اُٹھنے سے منع کیا اور یہ آیت تلاوت کی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ابھی اس آیت کا وقت نہیں آیا ہے (درمنثور)

الغرض جہاں قدرت ہو وہاں نکیر کرنا نہایت ضروری ہے۔ اِسی طرح دوسری جانب جہاں قدرت نہ ہو، نکیر پر کوئی فساد برپا ہونے کا اندیشہ ہو۔ کسی دینی مضرت اور نقصان کا خیال ہو وہاں خواہ مخواہ خم ٹھوک کر نہ کھڑے ہونا بلکہ اس مجمع سے یکسوئی اختیار کرنا اور لوگ تمہاری یکسوئی پر بُرا بھلا کہیں، گالیاں دیں، طعن و تشنیع کریں اُس کو برداشت کرنا۔ ہمت ہو تو اُن کے لئے دعائے خیر کرنا۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کس قدر پاک اور اونچا اسوہ ہے۔ لیکن یہ نہ ہو سکے تب بھی ایسے مواقع میں جھگڑے سے علیحدہ رہنا اصلاح کی فکر میں

---

[1] جنگ اُحد میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک شہید ہو گیا تھا اور چہرۂ انور بھی زخمی ہو گیا تھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ چیز بہت شاق تھی اور ہونا بھی چاہیے تھی۔ اِس لئے اُنہوں نے درخواست کی تھی کہ اُن کفار پر بددعا فرما دیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے بددعا فرمانے کے یہ پاک الفاظ ارشاد فرمائے تھے کہ جن کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اللہ میری قوم کو ہدایت فرما کہ یہ لوگ جانتے نہیں (شفا)

نہ کرنا اپنے کو سنبھالے رہنا بہت غنیمت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

إِذَا رَأَيْتَ النَّاسَ قَدْ مَرِجَتْ عُهُودُهُمْ وَخَفَّتْ أَمَانَاتُهُمْ وَكَانُوا هٰكَذَا وَشَبَّكَ بَيْنَ أَنَامِلِهِ فَالْزَمْ بَيْتَكَ وَامْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَخُذْ مَا تَعْرِفُ وَدَعْ مَا تُنْكِرُ وَعَلَيْكَ بِخَاصَّةِ أَمْرِ نَفْسِكَ وَدَعْ عَنْكَ أَمْرَ الْعَامَّةِ۔
(رَوَاهُ الْحَاكِمُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَكَذَا فِي الْجَامِعِ وَقَالَ الْعَزِيزِيُّ صَحِيْحٌ)۔

جب تو دیکھے کہ آدمیوں کے عہد و پیمان گڑبڑ ہو گئے اور امانتیں ہلکی پڑ گئیں (یعنی ان کا اہتمام نہیں رہا) اور ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں ڈال کر (ارشاد فرمایا کہ جب تو دیکھے کہ) لوگ اس طرح آپس میں گڑبڑ ہو گئے (کنایہ ہے حق ناحق بھلے برے کے آپس میں مخلوط اور غیر ممتاز ہو جانے سے) تو اپنے گھر میں بیٹھ جانا اور زبان کو روک لینا جائز امور کو اختیار کرنا اور ناجائز سے پرہیز کرنا اور اپنے آپ کو سنبھالے رکھنا اور عوام کو چھوڑ دینا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ آدمی کا بہترین مال چند بکریاں ہوں جن کو لے کر وہ پہاڑ کی چوٹیوں پر اور ایسے مواقع پر جا پڑے جہاں بارش ہوتی رہتی ہو کہ اپنے دین کی وجہ سے فتنوں سے بھاگتا ہو (بخاری)

علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے فتنوں کے زمانہ میں یکسوئی کی فضیلت ثابت ہوتی ہے البتہ جو شخص ایسا ہو کہ اس کو فتنہ کے

روکنے پر قدرت ہو اُس کے لئے اُس کے روکنے میں سعی کرنا واجب ہے جو حالات کے اختلاف کی وجہ سے فرض عین یا فرض کفایہ ہے (یعنی اگر کوئی دوسرا شخص اس کو روکنے والا نہیں ہے تو فرض عین ہے اور اگر اور لوگ بھی ایسے ہیں جو اس کو روک سکتے ہیں تو فرض کفایہ ہے) اور بغیر فتنہ کے زمانہ کے علماء میں اختلاف ہے کہ یکسوئی افضل ہے یا لوگوں کے ساتھ اختلاط افضل ہے۔ امام نووی کہتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ اور دیگر بہت سے علماء کا مذہب یہ ہے کہ ایسی حالت میں اختلاط افضل ہے۔ اس لئے کہ اس سے بہت سے دینی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اسلامی شعائر میں شرکت کی نوبت آتی ہے مسلمانوں کی جماعت کی کثرت کا سبب ہوتی ہے اور اُن کو بہت سی بھلائی کے پہنچانے کا موقع ملتا ہے۔ مریضوں کی عیادت، جنازوں کی شرکت، سلام کا شائع کرنا، بھلی باتوں کا حکم کرنا، بُری باتوں سے روکنا، نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرنا، محتاج کی مدد کرنا، مسلمانوں کی جماعتوں میں شریک ہونا وغیرہ وغیرہ جتنے امور بھی ہو سکتے ہوں سب کا امکان ہے اور جو شخص عالم ہو یا زاہد اُس کے لئے اختلاط کا استحباب اور بھی مؤکد ہو جاتا ہے۔ لیکن ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ باوجود اُن سب کے بھی تنہائی افضل ہے اِس لئے کہ اُس میں سلامتی یقینی ہے بشرطیکہ تنہائی کی عبادت اور اُن چیزوں سے جو تنہائی کی حالت میں اُس کے ذمہ ضروری ہیں واقف ہو۔ امام نووی فرماتے ہیں مذہب مختار یہی ہے کہ جس شخص کو اُس کا غلبہ ظن نہ ہو کہ وہ خود معاصی اور گناہوں میں

مبتلا ہو جائے گا اُس کے لئے اختلاط ہی افضل ہے۔ علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں تو یکسوئی ہی افضل ہے اس لئے کہ مجالس گناہوں سے بہت ہی کم خالی ہوتی ہیں۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ میں بھی کرمانی کا موافق ہوں اس لئے کہ اس زمانہ میں اختلاط سے بُرائیوں کے سوا اور کچھ حاصل نہیں فقط۔

امام نووی کی وفات ۶۷۶ھ میں ہوئی ہے۔ اور علامہ کرمانی کی ۷۸۶ھ میں تقریباً سو برس کے فرق میں زمانہ کا یہ تغیر ہے کہ امام نووی اختلاط کو افضل بتاتے ہیں اور امام کرمانی سو برس کے بعد فرماتے ہیں کہ آج کل مجالس اس قابل نہیں رہیں۔ علامہ عینی کی وفات ۸۵۵ھ میں ہے۔ وہ علامہ کرمانی کی تائید کرتے ہوئے شرور کا اضافہ ہی بتاتے ہیں۔ ایسی صورت میں اب چودھویں صدی کے نصف آخر میں جتنا بھی اضافہ ہو قرین قیاس ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر زمانہ اپنے ماسبق سے شر میں بڑھا ہوا ہوگا۔ اس کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ بھلی باتوں کا حکم کرتے رہو اور بُری باتوں سے روکتے رہو۔ البتہ جب تم یہ دیکھو کہ بخل کی فرمانبرداری کی جاتی ہے اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کی جاتی ہے اور دُنیا کو دین پر ترجیح دی جاتی ہے اور ہر ذی رائے اپنی رائے کو بہتر سمجھتا ہے (یعنی خودرائی عام ہو جائے) اور ایسی حالت کو دیکھے کہ (سکوت بغیر) چارہ کار نہیں تو اپنے نفس کی خبرگیری کیجیو (مبادا کسی فساد میں مبتلا ہو جائے) اور عامۃ الناس کو چھوڑ دیجیو غضب

ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ (اپنے دین پر) صبر کرنا ایسا ہوگا گویا آگ کی چنگاری ہاتھ میں لے لی (مشکوٰۃ) یعنی آگ کی چنگاری ہاتھ میں لے کر اس پر صبر کرنا اور اس کو ہاتھ میں روکے رکھنا جیسا مشکل ہوتا ہے ایسا ہی دین کا تھامنا مشکل ہو جائے گا۔ چنانچہ اس زمانے میں دینی امور کا پھیلانا، ان کی جانب متوجہ کرنا بلکہ خود اپنے آپ دین پر عمل کرتے رہنا جس قدر مشکل بن گیا ہے وہ ہر دیندار شخص جانتا ہے۔ اہم سے اہم دینی امر اور ایمان کے بعد سب سے اونچی چیز نماز ہی کو دیکھ لو کہ عوام کے طبقہ سے زیادہ شرفاء اور امراء اور وہ لوگ جو اپنے کو اسلام کا علم بردار سمجھتے ہیں ان کو نماز کے لئے کہنا اُن کو مسجدوں میں جانے پر جماعت کے اہتمام پر آمادہ کرنا کتنا مشکل بن گیا ہے گویا کہنے والے کی اپنی غرض اس سے وابستہ ہے جس کو کہا جاتا ہے اس کا تو کوئی نفع اس میں ہے ہی نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میری مثال اُس شخص کی سی ہے جس نے کوئی آگ (چراغ وغیرہ) روشن کی اور پروانے وغیرہ جانور اس پر آکر گرتے ہیں اور وہ ان کو ہٹاتا ہے کہ خواہ مخواہ جل جائیں گے مگر وہ ہٹتے نہیں اور اُس میں جلے جاتے ہیں۔ یہی بعینہ میری مثال ہے کہ تم لوگوں کو پکڑ پکڑ کر (جہنم کی) آگ سے ہٹاتا ہوں مگر تم لوگ اس میں گھسے جاتے ہو (مشکوٰۃ) اسی طرح عقلاء کے لئے بھی افضل یہی ہے کہ حتی الوسع منکرات سے روکنے کی سعی کریں لیکن اُس کے بعد بھی اگر وہ مغلوب ہو جائیں یا کسی مضرت کا اندیشہ ہو تو پھر فتنہ سے علیحدہ رہنا بہتر ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حجاج (مشہور ظالم) کو خطبہ میں ناجائز امور کہتے ہوئے سُنا۔ میرے دل میں آیا کہ اس کو ٹوکوں مگر مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث یاد آگئی (اس لئے چپ ہو گیا) وہ حدیث یہ ہے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔ مومن کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے۔ میں نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ اپنے نفس کو کس طرح ذلیل کرے گا۔ ارشاد فرمایا کہ ایسی مشقت میں داخل ہو جائے جس کا تحمل نہیں کر سکتا۔ حضرت علیؓ نے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو نقل کیا ہے کہ مسلمان کے لئے یہ (جائز) نہیں ہے کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اپنے نفس کو کس طرح ذلیل کرے گا۔ ارشاد ہوا کہ ایسی بلا میں داخل ہو جس کا تحمل نہیں کر سکتا۔ (مجمع الزوائد)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جلیل القدر صحابی ہیں۔ جس زمانہ میں حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ میں لڑائی ہو رہی تھی یہ اپنے اونٹوں کو لے کر جنگل میں چلے گئے تھے۔ ان کے صاحبزادہ عمر اُن کے پاس تشریف لے گئے اُنہوں نے دور ہی سے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ ھٰذَا الرَّاکِبِ (اے اللہ میں اس سوار کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں) پڑھنا شروع کر دیا۔ یہ تشریف لے گئے سواری سے اُترے اور عرض کیا آپ اپنے اونٹوں اور بکریوں کو لے کر یہاں تشریف لے آئے اور لوگوں کو چھوڑ دیا کہ وہ سلطنت پر لڑتے رہیں حضرت سعدؓ نے اُن کے سینے پر زور سے ہاتھ مارا اور فرمایا چپکے رہو۔ میں نے خود

حضورؐ سے سنا ہے کہ اللہ جل شانہٗ اُس بندہ کو محبوب رکھتے ہیں جو متقی ہو اور مخفی ہو (ترغیب بروایۃ مسلم)

ایک مرتبہ حضورؐ نے فرمایا کہ تم کو بہترین شخص بتاؤں کون ہے صحابہ نے عرض کیا ضرور بتائیے۔ ارشاد فرمایا کہ وہ شخص ہے جو گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے اللہ کے راستے میں رہے یہاں تک کہ مرجائے یا شہید ہوجائے پھر ارشاد فرمایا بتاؤں اس کے بعد کون شخص بہترین ہے۔ صحابہ نے عرض کیا ضرور بتائیے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص جو کسی گھاٹی میں الگ جا پڑا ہو نماز کو قائم رکھتا ہو زکوٰۃ ادا کرتا ہو لوگوں کے شرور سے محفوظ ہو۔

ایک حدیث میں وارد ہے کیا ہی اچھا ہے وہ شخص کہ اپنی زبان پر قدرت رکھتا ہو اپنے گھر میں پڑا رہتا ہو اور اپنی خطاؤں پر روتا رہتا ہو حضرت عقبہؓ کہتے ہیں میں نے حضورؐ سے عرض کیا۔ نجات کی کیا صورت ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی زبان کو روکے رکھو گھر میں پڑے رہو اپنی خطاؤں پر روتے رہو۔

لیکن ان سب صورتوں میں ایک بات قابل اہتمام ہے کہ ناجائز اور بُری بات کو دیکھ کر دل سے اس چیز کو بُرا سمجھنا دل سے اُس پر رنجیدہ ہونا دل سے اس پر نفرت کرنا ازبس ضروری ہے جس کو سب سے پہلی حدیث میں ایمان کا ضعیف درجہ کہا گیا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ جل جلالہٗ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ فلاں شہر کو ہلاک کردو۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس شہر میں تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے تیری ذرا سی بھی نافرمانی نہیں کی۔ ارشاد ہوا کہ اس کے باوجود ہلاک کردو۔

میرے بارے میں اُس کی پیشانی پر ذرا بھی بل نہیں پڑا (مشکوٰۃ) بل نہ پڑنے کا مطلب یہ ہے کہ میری نافرمانیاں دیکھتا رہا اور کسی وقت ذرا بھی اپنی ناگواری اور گرانی کا اظہار نہ کیا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی ناجائز امر میں شریک ہو مگر اس کو بُرا سمجھتا ہو (دل سے اُس پر نفرت کرتا ہو گو کسی مجبوری سے اس میں شریک ہو) وہ ایسا ہے جیسا کہ اُس میں شریک نہیں ہے اور جو شخص اُس میں شریک نہ ہو اور اس کو پسند کرتا ہو وہ ایسا ہے جیسا اُس میں شریک ہے۔ (مجمع الزوائد) گناہ کی بات خواہ کسی میں بھی ہو اُس پر خوش ہونا، رضی ہونا سم قاتل ہے اور پھر سب گناہوں کی جڑ کفر ہے اُس کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے مکاتیب میں ایک بڑا قابل عبرت قصہ لکھا ہے فرماتے ہیں کہ میں ایک شخص کی عیادت کو گیا۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ انتقال کا وقت بالکل قریب ہے میں نے اس پر توجہ ڈالی تو اس کے دل کو ظلمتوں سے بھرا ہوا پایا ہر چند میں نے توجہ کی کہ اُس کے دل پر سے یہ ظلمتیں دور ہو جائیں مگر دور نہ ہوئیں۔ بڑی دیر توجہ کے بعد محسوس ہوا کہ یہ ظلمتیں اہل کفر سے دوستی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں یہ توجہ سے زائل نہ ہوں گی جہنم کے عذاب ہی سے زائل ہوں گی (مکتوبات دفتر اوّل حصہ ۲۶۶)

کس قدر خوف و عبرت کا مقام ہے کہ بعض کدورتیں دل پر ایسی پیدا ہو جاتی ہیں کہ اللہ والوں کا تصرف جو اکسیر ہے وہ بھی اُن کے مقابلہ میں بیکار ہو جاتا ہے۔

ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے کہ اہل مدینہ کے لوگوں کے ساتھ ستر

کے یہاں تقرب حاصل کرو اور اُن سے ترش رُوئی سے ملو اور اُن سے ناراضی میں اللہ کی رضا تلاش کرو اور اُن سے دُور رہنے میں اللہ کا تقرب حاصل کرو (جامع الصغیر، سند اگرچہ ضعیف ہے مگر مضمون کی دوسری احادیث سے تائید حاصل ہوتی ہے۔ عزیزی نے لکھا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ اس معصیت سے بغض رکھو نہ کہ اُس شخص کی ذات سے اور یہی مطلب ہے اُن سب احادیث کا جہاں اس قسم کے مضامین وارد ہوئے ہیں کہ آپس کے تعلقات اور کسی سے محبت کی وجہ سے اُس میں جو معصیت ہے وہ بھی بھلی نہ بن جائے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس معصیت کی وجہ سے اس میں جو نعمت اسلام ہے وہ نظر انداز نہ ہو جائے اِس لئے ان دونوں افراط و تفریط کے درمیان میں اعتدال ہے یہی اصل تعلیم ہے اور یہی ہر چیز کو اُس کے درجہ پر رکھتا ہے جس کے ہم لوگ مامور ہیں۔

حق یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم ایسی ہی تھی کہ یَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (اللہ کے دین میں فوجیں کی فوجیں داخل ہوتی ہیں) کا مصداق تھی۔ مگر ہم نے اس سے منہ موڑا۔ اُس پر عمل کرنا درکنار اُس کو معلوم کرنا بھی چھوڑ دیا۔ اُسی کے یہ خمیازے ہیں جو بھگت رہے ہیں۔ ہماری مثال شتر مُرغ کی سی ہے جس کے متعلق ایک ضرب المثل ہے کہ جب اُس سے اُڑنے کو کہا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میں شتر ہوں بھلا اونٹ بھی اڑ سکتا ہے اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ باربرداری کر تو کہتا ہے میں مُرغ ہوں باربرداری کیسے کروں۔

ہم لوگوں کا بھی یہی حال ہے کہ جب اعمال کرنے کا ذکر آتا ہے تو ہم لوگ چودھویں صدی کے رہنے والے ناکارہ اور ضعیف بن جاتے ہیں بھلا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے اعمال ہم سے کہاں ہو سکتے ہیں۔ وہ قوی لوگ تھے وہ حضورؐ کے پاس بیٹھنے والے تھے وہ خیر القرون کے افراد تھے بھلا ہم اُن کی کیا حرص کر سکتے ہیں۔ دُنیا دار ہیں، دُنیا میں پھنسے ہوئے ہیں، مجبوریاں ساتھ ہیں۔ لیکن جب اُن حضرات کی ترقیات کا ذکر آتا ہے اُن کے ملکوں پر فتح اور قبضہ کا ذکر آتا ہے، اُن کی عزت و وجاہت کا سماں بندھتا ہے تو ہم بھی مسلمان ہیں، حضورؐ کے نام لیوا ہیں، صحابہ کے جانشین ہیں اُن کے خلاف ہیں اور ترقیات میں اُن کی ہمسری کے خواب دیکھنے لگتے ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ ایسے خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوتے اگر ہمیں اُن ترقیات کی اُمنگ ہے تو اُن کے سے اعمال کر کے اُن ثمرات کا امیدوار بننا چاہیئے۔ لوبیا بو کر سیب کا پھل آنے کی امید کرنا سراسر حماقت ہے۔ بس اب وقت ختم ہو چکا ہے۔ رویت ہلال کا وقت قریب ہے۔ دعا کرو کہ حق تعالیٰ شانہٗ مجھ ناکارہ کو بھی اُن حضرات اکابر کے اسوہ سے کچھ حصّہ نصیب فرمائیں۔ میری مثال اُس ساری تحریر میں اُس نابینا کی سی ہے جو چراغ ہاتھ میں لئے دوسروں کو کہتا ہے کہ روشنی کے فوائد حاصل کرو اور بے چارہ خود محروم ہے۔

وَمَا اسْتَقَمْتُ فَمَا قَوْلِیْ لَکَ اسْتَقِمْ۔

اس کے علاوہ میں نے جو کچھ لکھا ہے میرا خیال ہے کہ سب اشکالات

کے لئے مجملاً کافی ہے اور سب امور کا اس سے حل ہو گیا ہو گا۔ لیکن یہ میرے ناقص خیالات ہیں یہ مطلب نہیں کہ سب اس کو قبول کریں اور مانیں اگر سمجھ میں آئے بہتر ہے قبول کرلیں ورنہ کالائے بد بریش خاوند۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ وَصَلَّی اللّٰہُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی عَلٰی اَفْضَلِ خَلْقِہٖ سَیِّدِ الْبَشَرِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ وَاَتْبَاعِھِمْ حَمَلَۃِ الدِّیْنِ الْمَتِیْنِ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ۝

فقط والسلام

زکریا عفی عنہ کاندھلوی

۲۹ شعبان ۱۳۵۷ھ

یہ کتاب مندرجہ ذیل پتوں سے بھی مل سکتی ہے:۔

۱۔ مکتبہ انوریہ رائے ونڈ
۲۔ " ربانیہ خیر المدارس ملتان
۳۔ " مدنیہ رائے ونڈ
۴۔ " اشرفیہ رائے ونڈ
۵۔ " رشیدیہ ساہیوال